آدھا چہرہ
Part-1

بھترین معاشرتی ناول

زندگی کے نشیب وفراز کا آئینہ، انسانوں کے ظاہر وباطن کی عکاسی

معاشرے کے جراح محی الدین نواب کے نشتر قلم سے ایک نوکیلی، کٹیلی آب دار کہانی

آدھا چہرہ

(حصہ اوّل)

محی الدین نواب

محی الدین نواب ایک نام ہے' ایک پہچان ہے۔ اچھی کہانیوں کی پہچان' بلند پایہ تحریروں کی شناخت۔ نواب کے بارے میں یہ بات بالکل ٹھیک کہی گئی ہے کہ اس کی کہانیاں آنکھوں سے نہیں' دل کی گہرائیوں سے پڑھی جاتی ہیں۔ حقیقتاً وہ الفاظ کا جادوگر ہے مگر ایسا بھی نہیں ہے کہ لفظوں کی جادوگری میں وہ نفسِ مضمون کو فراموش کردیتا ہو۔ اگر دیکھا جائے تو اس کی ایک کہانی میں کئی کئی داستانیں بکھری نظر آتی ہیں۔ نواب کا قلم بلاشبہ معاشرے کے جسم پر ایک تیز نشتر کی حیثیت رکھتا ہے' جو اپنے عملِ جراحی سے انہیں کھولتا چلا جاتا ہے۔ پھر ایک وجود پر کئی چہرے دکھائی دیتے ہیں۔ کالے چہرے.... آدھے چہرے! نواب کو اگر معاشرے کا تلخ ترجمان کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اس کا مشاہدہ وسیع ہے اور اس کے قلم میں بے پناہ سچائی ہے۔ معاشرے کا کوئی پہلو اس کی آنکھ سے اوجھل نہیں ہے۔ لکھنے کے معاملے میں وہ بڑی گہری نظر رکھتا ہے اور ایک عام سی کہانی میں بھی بہت بڑی بات کہہ جاتا ہے۔

نواب' بہار سے بنگلہ دیش (سابق مشرقی پاکستان) پھر لاہور اور لاہور سے کراچی تک انتہائی ہنگامہ خیز حالات سے گزرا ہے۔ اس سفر میں اس نے بے شمار صعوبتیں برداشت کیں' بڑی کٹھن راہوں کو طے کیا ہے۔ تاہم اس کے پائے استقلال میں کبھی لغزش نہیں آئی۔ نواب نے اپنی آنکھوں سے مشرقی پاکستان کا سہاگ اجڑتے دیکھا ہے۔ وہ آگ و خون کے دریا سے گزر کر مغربی پاکستان پہنچا لیکن کراچی آکر ایک عظیم اور ناقابلِ تلافی صدمۂ جانکاہ

سے دوچار ہونا پڑا۔ جب اس کا جوان اور باصلاحیت فرزند ایک سفاک اور بے رحم ڈرائیور کی غفلت کا شکار ہوگیا۔ غالباً یہ غم نواب کی زندگی کا سب سے بڑا غم تھا۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ نواب صرف معاشرتی کہانیوں کا مصنف ہے۔ اگر اس اعتراض کو درست تسلیم کرلیا جائے تو اس میں بھی نواب کی ستائش کا پہلو موجود ہے۔ ظاہر ہے معاشرہ انسانوں سے تخلیق پاتا ہے اور کہانیاں انسانی اقدار سے جنم لیتی ہیں یہی وجہ ہے کہ نواب کی کہانیاں سچی، صاف اور دوٹوک ہوتی ہیں۔ جو کہانیاں فطرت سے ہٹ کر لکھی جاتی ہیں، ان میں تصنع اور غیر حقیقی پن صاف محسوس ہوتا ہے، جبکہ نواب اس دنیا اور اس دنیا میں بسنے والوں کی کہانیاں تخلیق کرتا ہے، معاشرے کو تہ در تہ کھولتا چلا جاتا ہے۔ لیکن نواب نے ہر موضوع پر طبع آزمائی کی ہے۔ اس نے تاریخی کہانیاں بھی لکھی ہیں اور جرم و سزا کے موضوع کو بھی اپنایا ہے۔ سسپنس ڈائجسٹ کی مشہور سلسلے وار کہانی "دیوتا" کی مثال روز روشن کی طرح موجود ہے۔ جس نے نہ صرف پڑھنے والوں میں بے پناہ مقبولیت حاصل کی بلکہ نواب کی اس تخلیق کو یہ انفرادیت بھی حاصل ہے کہ وہ دنیا کی طویل ترین کہانی کہلائی جاسکتی ہے۔ علاوہ ازیں "دیوتا" نے کتابی شکل میں شائع ہو کر جو مقبولیت حاصل کی ہے، وہ پاکستان میں چھپنے اور بکنے والی کتابوں کے ضمن میں ایک ریکارڈ ہے۔

بڑھتی عمر کے ساتھ نواب کی تحریر میں پختگی پیدا ہوئی ہے لیکن اس کی تحریر میں جھنجلاہٹ، مایوسی اور تھکاوٹ کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ وہ قاری کو تحریر کے سحر میں جکڑ کر اس تیزی سے آگے بڑھتا ہے کہ بسا اوقات پڑھنے والا بھی اس کا ساتھ نہیں دے پاتا جس کے نتیجے میں وہ کوئی صفحہ یا پیراگراف دوبارہ پڑھنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ اس ضمن میں نواب کی زیرِ نظر تصنیف "آدھا چہرہ" کو پیش کیا جاسکتا ہے، جو اس کی تحریر کی پختگی اور پلاٹ کی ندرت کے اعتبار سے ایک شاہکار ہے۔

"آدھا چہرہ" نواب کی ضخیم ترین تصنیف ہے، بلاشبہ یہ نواب کے ان شہ پاروں میں سے ایک ہے، جس پر وہ خود بھی بجا طور پر فخر کرسکتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں، اسے اردو کے ناولوں میں ایک ممتاز مقام حاصل ہونا چاہیے۔ ہر چند کہ یہ کوئی علامتی کہانی نہیں ہے ورنہ اب عام قاری کا مزاج بدل گیا ہے، سو تحریر کی نہج اور زاویے میں بھی نمایاں تبدیلی آئی ہے۔ آج کا دور حقیقت پسندی کا ہے اور "آدھا چہرہ" میں یہ فن اپنے عروج پر نظر آتا ہے۔ "آدھا چہرہ" ایک ایسی کہانی ہے جو عام آدمی کے درمیان گردش کرتی ہوئی معاشرے کے کئی حساس پہلوؤں کو اجاگر کرتی ہے۔ درحقیقت آج کا مصروف اور تھکا ہوا قاری بوجھل فلسفوں اور الجھی ہوئی تحریروں سے وابستگی نہیں رکھتا۔ وہ سیدھے سادے، عام فہم اور اثر پذیر زبان میں اپنی دنیا اور اپنے ماحول کے بارے میں پڑھنا پسند کرتا ہے۔ "آدھا چہرہ" میں یہ تمام خصوصیات بدرجۂ اتم موجود ہیں۔

محی الدین نواب کی یہ عظیم تخلیق ان کتابوں میں سے ایک ہے، جسے ایک مرتبہ شروع کرنے کے بعد وقت کے گزرنے کا احساس نہیں ہوتا۔ امید ہے کہ اسے بار بار پڑھا جائے گا اور یہ اُردو کی زندہ رہنے والی کتابوں میں سے ایک ہوگی۔

آدھا چہرہ

عجیب بات ہے، جانور ہر حال میں جانور ہوتا ہے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے، دیکھو اس جانور میں کتنی انسانیت ہے۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ جانور، انسان بن جائے لیکن ہم کسی آدمی سے بے دھڑک پوچھ لیتے ہیں "ابے تو آدمی ہے یا جانور؟"

بادشاہ جانی نے اپنے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا "چاچا! میں آدمی ہوں آدمی۔ بس جانوروں کی طرح زندگی گزارتا ہوں۔ تم ہی بولو نا کیا کیا جائے؟ اگر آدمی بیل کی طرح ہل نہ چلائے، گدھے کی طرح بوجھ نہ اٹھائے، بکرے کی طرح پان نہ چبائے تو اسے آدمی کون بولے گا۔ ارے اسے تو کوئی اپنی لڑکی بھی نہیں دے گا۔"

چھوٹو نے پچھلے پہیے کی طرف جیک لگاتے ہوئے کہا "واہ بادشاہ جانی، کیا بولتے ہو، کلیجا نکال کے رکھ دیتے ہو۔ کوئی پڑھا لکھا آدمی بھی آدمی کی ایسی تعریف نہیں کرسکتا۔"

مستری چاچا نے بادشاہ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر محبت سے کہا "ارے تو کیا ہمارا بادشاہ جاہل ہے۔ آٹھ جماعتیں پاس کرچکا ہے۔ ائرپورٹ، کلفٹن اور بندرگاہ سے انگریزوں کی سواریاں اٹھاتا ہے۔ فرفر انگریزی بولتا ہے۔ کیوں رے بادشاہ، تجھے تو کوئی بھی اپنی لڑکی دے سکتا ہے، اچھا کماتا ہے اور رہنے کے لیے ایک چھوٹا سا مکان بھی بنوالیا ہے۔ بھلا کس بات کی کمی ہے، بس ایک گھر والی کی، ہے نا؟"

بادشاہ نے ایک لمبی سانس کھینچ کر کہا "چاچا' میری ٹیکسی میں کتنی ہی لڑکیاں آکر بیٹھتی ہیں مگر کوئی ایسی نہیں ہوتی جسے میں گھر میں لاکر بٹھا سکوں۔ پتا نہیں یہ دل کیا مانگتا ہے' آنکھیں کسے ڈھونڈتی ہیں' جب کسی کو ڈھونڈ لیں گی تو تمہاری قسم اسے بھگا کر لے آؤں گا۔"

"ارے ارے' ایسے کام کے لیے میری قسم کھا رہا ہے۔ مردود' اچھی باتیں سوچا کر' پرائی بہنوں اور بیٹیوں کی بھی عزت ہوتی ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔ سب کی عزت ہوتی ہے۔ اس دنیا میں جتنی بھی بہنیں اور بیٹیاں ہیں نا' میں سب کی عزت کرتا ہوں۔ پچھلی سیٹ کی طرف مڑ کر انہیں نہیں دیکھتا۔ وہ جو سائڈ مرر ہوتا ہے نا' عقب نما آئینہ! اسے بھی گھما کر دوسری طرف کر لیتا ہوں تاکہ پرائی بہو بیٹیاں نظر نہ آئیں لیکن دیکھو نا چاچا' اتنی بڑی دنیا میں ایک تو لڑکی ایسی ہوگی نا جسے میں بھگا کر لے جانے کا حق رکھتا ہوں۔"

"ارے تو اسی بات کو سیدھی طرح بول نا کہ نکاح پڑھائے گا اور شرافت سے رخصت کرکے لائے گا۔ یہ بدمعاشوں جیسی باتیں کیوں کرتا ہے۔"

"ہم ٹیکسی والوں کو تو کوئی شریف سمجھتا ہی نہیں ہے۔ اگر مجھے کوئی شریف گھرانے کی لڑکی نظر آجائے گی تو کیا وہ لوگ مجھے داماد بنا لیں گے؟"

"بیٹے تم کسی شریف گھرانے کا پتا تو بتاؤ۔ میں تمہارا رشتہ لے کر جاؤں گا۔"

بادشاہ نے گیراج کے مزدوروں کی طرف منہ کرکے کہا "ایسی بات ہے یارو تو پھر اپنی بھی شادی ہوجائے گی' دعا کرو سب مل کے۔"

سب لوگوں نے ہاتھ اٹھا کر کہا "آمین! اس کے ساتھ ہی ایک نہایت ہی سریلی سی' میٹھی سی آواز سنائی دی "ٹیکسی خالی ہے؟"

سب یک بیک چپ ہوگئے۔ سب کی نگاہیں اس آنے والی پر جم گئیں۔ بادشاہ تو جیسے پتھر کا ہو کر رہ گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ادھر دعا زبان سے نکلے گی' ادھر عرش پر پہنچے گی اور ادھر فرش پر ایک حسین لڑکی نگاہوں کے سامنے آجائے گی۔

لڑکی کیا تھی' گڑگڑاتی ہوئی دعا کی قبولیت تھی۔ وہ ایسی تھی کہ ویسی اور نہیں ہو سکتی تھی۔ بادشاہ جانی کا دل دھڑک کر اس کو مانگ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں اسی کو

ڈھونڈنے کے بعد پا رہی تھیں۔ وہ فیروزی رنگ کے شلوار سوٹ میں ملبوس تھی۔ اوپر سے ایک سفید ڈاکٹری کوٹ پہنا ہوا تھا۔ ایک ہاتھ میں اسٹیتھسکوپ تھا۔ دوسرے ہاتھ میں ایک کاپی اور کتاب تھی۔ اس نے کہا "میں ڈاؤ میڈیکل کالج جانا چاہتی ہوں۔"

بادشاہ ہڑبڑا کر آگے بڑھا پھر ٹیکسی کا دروازہ کھولتے ہوئے بولا۔ "ہاں ہاں' ضرور آیئے' تشریف لایئے۔"

ٹیکسی کی دوسری طرف سے چھوٹو نے سر اٹھا کر کہا "استاد کیا کرتے ہو۔ کیا بغیر پہیے کی ٹیکسی میں لے جانے کا ارادہ ہے۔ ارے پہیہ تو بدلنے دو۔"

وہ غصے سے بولا "ابے گدھے! ایک پہیہ بدلنے میں اتنی دیر لگادی۔ اپنے بیوی بچوں کو کیا کھلائے گا؟"

یہ کہہ کر وہ لڑکی کی طرف پلٹ گیا پھر بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے بولا "یہ لوگ کام کم کرتے ہیں اور مسخری زیادہ۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے' ابھی ایک منٹ میں گاڑی بالکل فٹ فاٹ ہوجائے گی۔"

لڑکی نے اپنی رسٹ واچ کو دیکھتے ہوئے پریشانی سے کہا "اوہ آئی ایم گیٹنگ لیٹ۔"

بادشاہ جانی نے سر کھجاتے ہوئے اس کی بات کو غور سے سنا پھر بولا "لیٹ' ہاں لیٹ میں سمجھتا ہوں۔ میں انگریزی جانتا ہوں۔ میں آٹھ جماعت تک پڑھا ہوں۔ کوئی بھی انگریزی سواری آتی ہے تو میں اس کو بولتا ہوں کہ میٹر سے نہیں جاؤں گا۔ آتا ہے تو "کم" نہیں تو "گو" بس وہ چلا جاتا ہے۔"

اس کی انگریزی سنتے ہی لڑکی منہ پھیر کر مسکرانے لگی۔ وہ جلدی سے دوڑتا ہوا مستری چاچا کے پاس آیا پھر آہستگی سے بولا "دیکھو چاچا' وہ مسکرا رہی ہے۔ ایک دم پھنس گئی ہے۔ بس میرا انتظار کرنا۔ میں اسے لے جاؤں گا اور واپسی تک اس کے گھر کا' اس کے ماں باپ کا' اس کے پورے خاندان کا پتا معلوم کرکے آؤں گا۔ تمہیں اپنا وعدہ یاد ہے نا؟ بات پکی ہے نا! میں ابھی آیا۔"

یہ کہہ کر وہ دوڑتا ہوا ٹیکسی کے پاس چلا گیا۔ وہاں سے چلا کر بولا "ابے او چھوٹو' کیوں میرا کام بگاڑ رہا ہے۔ میں تیری صورت بگاڑ دوں گا۔ جلدی کر۔"

دوسری طرف سے چھوٹو نے چلا کر کہا "بس آخری بولٹ کس رہا ہوں۔ اپنی

سواری کو بٹھاؤ اور گاڑی اسٹارٹ کرو۔"

بادشاہ جانی نے پچھلی سیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "ڈاکٹرنی صاحبہ' بیٹھ جائیے' گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے' ادھر میں ایکسیلیٹر دباؤں گا' ادھر کالج آجائے گا' ایک دم ہوائی جہاز کے موافق پہنچاؤں گا۔"

وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولی "مجھے تیز رفتاری سے ڈر لگتا ہے۔ یقیناً مجھے جلدی ہے لیکن میں مرنا نہیں چاہتی' اطمینان سے چلو۔"

بادشاہ نے اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ کر گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا "میں بھی یہی چاہتا ہوں' اطمینان کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔"

اس نے گاڑی آگے بڑھادی۔ تھوڑی دور جانے کے بعد لڑکی نے چونک کر پوچھا "کیا تم نے میٹر آن نہیں کیا؟"

"جی نہیں' اس کی کیا ضرورت ہے۔"

وہ ذرا سخت لہجے میں بولی "تم ٹیکسی ڈرائیور لوگ مسافروں کو اس طرح کیوں لوٹتے رہتے ہو؟ میٹر سے کیوں نہیں چلتے؟"

"آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔ دراصل آج میں میٹر آن نہیں کروں گا اور نہ ہی آپ سے کرایہ لوں گا۔"

وہ حیرانی سے بولی "کیا مطلب؟ کرایہ کیوں نہیں لوگے؟"

"بس کیا بولوں' آج مجھے بڑی خوشی مل رہی ہے۔ میں اتنا خوش ہوں' اتنا خوش ہوں کہ اسی وقت ارادہ کرلیا تھا کہ آپ کو مفت کالج لے جاؤں گا اور کالج سے مفت واپس گھر پہنچاؤں گا۔"

"تعجب ہے' کچھ معلوم تو ہو کہ ایسی کیا خوشی مل گئی؟"

وہ ونڈ اسکرین کے پار دیکھتے ہوئے سوچ میں پڑگیا کہ کیا جواب دے۔ اب وہ براہ راست یہ تو نہیں کہہ سکتا تھا کہ تم مل گئی ہو۔ ابھی اس بات کا یقین کرنا تھا کہ وہ مل بھی جائے گی یا نہیں۔ دل تو دیوانہ ہے' ہر اچھی چیز دیکھ کر مچلنے لگتا ہے۔

پچھلی سیٹ سے لڑکی نے پوچھا "تم نے جواب نہیں دیا' تمہیں ایسی کون سی خوشی مل گئی ہے؟"

"وہ بات دراصل میں یہ ہے کہ وہ جو ہمارے مستری چاچا ہیں نا' وہی وہی' تم نے وہاں گیرج میں دیکھا ہوگا۔ ایک داڑھی والے بزرگ بیٹھے ہوئے تھے۔"

لڑکی نے کہا "ہاں' میں نے دیکھا تھا۔ آگے بولو۔"

"آگے کیا بولوں جی۔ شرم آتی ہے۔"

وہ تعجب سے بولی "شرم آتی ہے! تم مرد ہو کر شرما رہے ہو۔ ایسی کیا بات ہے آخر؟"

"بات دراصل میں یہ ہے کہ میں اپنے آپ کو ٹیکسی ڈرائیور سمجھتا ہوں اور وہ مستری چاچا بولتے ہیں کہ میں انسان ہوں' شریف آدمی ہوں۔ اگر کسی شریف گھرانے کی لڑکی پسند کروں گا تو وہ لوگ مجھے داماد بنالیں گے۔" میں نے کہا "یہ نہیں ہوسکتا۔" مستری چاچا نے کہا "ہوسکتا ہے' بس دونوں میں شرط لگ گئی ہے اور اب وہ کسی شریف گھرانے کی لڑکی سے میری شادی کرادیں گے۔ اس کے ہاں رشتہ مانگنے جائیں گے۔"

"یعنی ابھی رشتہ نہیں مانگا ہے۔ کیا لڑکی کا گھر دیکھ لیا ہے؟"

"شام تک دیکھ لوں گا۔"

"یعنی گھر بھی نہیں دیکھا ہے۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ رشتہ قبول ہوگا یا نہیں ہوگا اور تم ہو کہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہے ہو۔ خواہ مخواہ مجھے مفت کالج لے جاؤ گے اور کالج سے گھر پہنچاؤ گے۔ کیا تمہارا دماغ ٹھیک ہے؟"

"وقت سے پہلے خوش ہونے والے کو پاگل بولتے ہیں مگر یہ جو امید ہوتی ہے نا' یہ وقت سے پہلے خواب دکھاتی ہے اور خوش کرتی رہتی ہے۔"

"تم نے بڑی اچھی بات کہی ہے۔ پڑھے لکھے ہوتے تو کتنا اچھا ہوتا۔"

"میں بہت پڑھا لکھا ہوں جی۔ یہ جو میری ٹیکسی ہے نا' یہ بہت بڑی انورسٹی ہے۔"

"یہ انورسٹی کیا چیز ہوتی ہے؟"

"وہی جہاں تمہاری جیسی لڑکیاں اور لڑکے پڑھنے جاتے ہیں۔"

"اوہ' یونیورسٹی!"

"ہاں وہی' میں کہہ رہا تھا کہ یہ میری ٹیکسی بہت بڑی انورسٹی ہے۔ یہاں دنیا کی ہر قوم آکر بیٹھتی ہے' ہر مذہب' ہر نسل کے لوگ اپنی اپنی بولی بولتے ہیں' اپنے اپنے تجربے

بیان کرتے ہیں اور جانے سے پہلے اس ٹیکسی کے چھوٹے سے گھر میں، چھوٹی سی انور سیٹی میں جتنی باتیں چھوڑ جاتے ہیں، وہ سب میرے دماغ میں خزانے کی طرح موجود رہتی ہیں۔"

"کمال ہے، تم بہت اچھی باتیں کر لیتے ہو۔ کسی شریف گھرانے میں تمہارا اٹھنا بیٹھنا رہا تو وہ لوگ تمہیں ضرور اپنا داماد بنا لیں گے۔"

"سچ؟" اس نے خوشی سے چیختے ہوئے اچانک ہی بریک لگا دیے۔ لڑکی ایک دم سے جھٹکا کھا کر اگلی سیٹ سے ٹکرائی۔ اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ وہ جلدی سے سنبھل کر بیٹھتے ہوئے بولی "یہ کیا حرکت ہے؟ تم نے اچانک گاڑی کا بریک کیوں لگا دیا؟"

وہ پلٹ کر بولا "جی، وہ تم نے اتنی اچھی بات کہہ دی کہ میں خوشی سے گاڑی آگے نہیں بڑھا سکا۔"

وہ پریشان ہو کر بولی "پتا نہیں تم کس قسم کے آدمی ہو۔ ایسے تو تم مجھے مار ڈالو گے۔ گاڑی کو کہیں لے جا کر ٹکرا دو گے۔ خدا کے لیے ہوش و حواس میں رہ کر گاڑی چلاؤ۔"

اس نے دوبارہ گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھاتے ہوئے کہا "مجھے افسوس ہے کہ آپ کو چوٹ لگ گئی۔ میں اپنے آپ میں نہیں تھا۔ میں الو کا پٹھا ہوں۔"

"اب کیوں اپنے آپ کو گالی دے رہے ہو۔ چپ چاپ چلو۔ عجیب آدمی ہو، نا لڑکی کا گھر جانتے ہو، نہ ہی رشتے کی بات ہوئی ہے اور میں خواہ مخواہ تمہارے ساتھ بکواس کیے جا رہی ہوں۔"

"ایسی بات مت بولو۔ کوئی خوش ہوتا ہے تو اس کو خوش کرنے والی بات بولنا چاہیے۔ تم نے ابھی ٹھیک کہا کہ پہلے لڑکی کے گھر کا پتا معلوم کرنا چاہیے۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟"

وہ کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے بولی "ہاں ٹھیک ہے۔"

"تمہارا گھر کہاں ہے؟"

لڑکی نے ایک دم سے چونک کر اس کی طرف دیکھا، پھر پوچھا "تم میرے گھر کا پتا کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"وہ، بس یونہی۔ میں نے کہا تھا نا کہ کالج سے واپسی پر گھر تک پہنچاؤں گا اس لیے

پوچھ رہا ہوں۔"

"اوہ، اچھا، میں ناظم آباد میں عباسی اسپتال کے سامنے رہتی ہوں۔ مکان کا نمبر بے بتیس ہے۔"

"مگر ابھی تو تم جہانگیر روڈ سے میری ٹیکسی میں بیٹھی ہو۔"

"اپنی ایک سہیلی کے گھر گئی تھی۔ مجھے اس کے پاس سے اپنی کتاب اور نوٹس لینے تھے۔"

"نوٹ تو اپنے پاس بھی بہت ہوتے ہیں۔ پانچ کے، دس کے، پچاس کے، سو کے، ہر دم جیب میں رہتے ہیں۔"

وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ اس نے کالج کے سامنے گاڑی روکتے ہوئے کہا "میں ٹھیک دو بجے یہاں لینے آجاؤں گا۔"

وہ گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے بولی "نہیں یا تو تم مجھ سے کرایہ لو یا پھر دوبارہ نہ آؤ۔"

"دیکھو جی، میرا دل مت توڑو۔ میں نے کہا نا کہ میں بہت خوش ہوں۔ مجھ کو خوش ہونے دو۔ تمہارا کیا بگڑتا ہے؟"

"میرا کچھ نہیں بگڑتا لیکن یہ اچھا نہیں لگتا۔ میں دو بجے اپنے کالج کی بس میں بیٹھ کر چلی جاؤں گی۔ تم یہاں نہ آنا۔"

"دیکھو، یہاں کوئی انگریزی سواری ہوتی تو میں اس کو انگریزی میں کیا بولتا۔ ہیر آئی ویٹنگ ٹو او کلاک، میں انگریزی بولنا جانتا ہوں۔ آئی ٹاکنگ گڈ گڈ انگلش۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟"

وہ پھر کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ اس کے بعد بولی "ہاں تم ٹیکسی ڈرائیور ہو نا، کام چلانے والی انگریزی بول لیتے ہو مگر یہ پڑھے لکھے لوگوں کی زبان نہیں ہے، اس کے لیے تعلیم حاصل کرنی ہوتی ہے۔ اچھا میں جاتی ہوں، آج تم نے میرے پیسے بچا دیے۔ شکریہ۔"

یہ کہہ کر وہ پلٹ گئی پھر کالج کے گیٹ کی طرف ایسی چال چلتی ہوئی گئی جیسے بادشاہ جانی کے دل کی بساط پر چال چل رہی ہو۔ وہ بے چارا اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ تھوڑی دیر تک اسی طرح گم صم بیٹھا رہا۔ پھر سیدھا ہو کر اسٹیئرنگ کی طرف گھوم گیا اور سامنے

ونڈ اسکرین کے پار دیکھنے لگا۔ اپنے دل کو سمجھانے لگا کہ وہ اس سے دور نہیں گئی ہے' اس کے پاس ہی ہے۔ پیچھے سیٹ پر بیٹھی ہوئی ہے' اسے پلٹ کر نہیں دیکھنا چاہیے ورنہ وہ غائب ہو جائے گی۔ کتنا دلفریب خیال تھا' وہ اس خیال سے بہلنے لگا۔

اس نے گاڑی کو اسٹارٹ کرتے ہوئے سوچا کہ وہاں سے اب سیدھا جہانگیر روڈ مستری چاچا کے پاس جائے گا اور وہاں تک کسی سواری کو نہیں بٹھائے گا۔ پچھلی سیٹ پر تو کسی کو بٹھانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ابھی اس کی جانِ تمنا وہاں بیٹھی ہوئی تھی' وہ اس خیال کو اس سیٹ پر سے نہیں مٹانا چاہتا تھا۔

راستے میں کتنے ہی ضرورت مندوں نے ہاتھ دکھا کر اسے رکنے کا اشارہ کیا لیکن وہ ٹیکسی بھگاتا رہا۔ اس نے کسی کی پروا نہیں کی۔ ونڈ اسکرین کے پار دیکھتے ہوئے اپنی دماغی آنکھوں سے پچھلی سیٹ پر اسے دیکھتا رہا پھر اس نے مسکرا کر کہا "میں دو بجے تمہارے پاس آؤں گا۔ ابھی یہ تو بتا دو کہ میں تمہیں کیسا لگتا ہوں۔ ارے تم تو شرما رہی ہو۔ دیکھو اس میں شرمانے کی کیا بات ہے۔ یہ تو ساری زندگی کا سوال ہے۔ شرمانا نہیں چاہیے۔ ایک دم صاف صاف بول دینا چاہیے۔ اگر مجھ میں کوئی برائی ہے' اگر میں اچھا نہیں لگتا تو پھر میں تم کو اچھا بن کر دکھاؤں گا۔ یہ ذرا سا شیو بڑھا ہوا ہے' دو بجے تک سب ٹھیک ٹھاک ہو جائے گا۔ میں ایسا فٹ فاٹ بن کر آؤں گا کہ تم دیکھتی رہ جاؤ گی۔"

ایک سگنل کے پاس گاڑی کو رکنا پڑا۔ ایک شخص دوڑتا ہوا آیا پھر ہانپتے ہوئے بولا "ارے بھئی' اتنے اشارے کر رہا ہوں' ذرا گاڑی تو روک دیا کرو۔ مجھے صدر جانا ہے۔"

بادشاہ نے کہا "مجھے کہیں نہیں جانا۔"

"میں تمہیں میٹر سے کچھ زیادہ دوں گا۔ مجھے لے چلو۔"

"بولا نا بابا۔ کیوں خالی پیلی مغز خراب کرتے ہو' ہم نہیں جائے گا۔"

"تم ٹیکسی والے اتنا ظلم کیوں کرتے ہو' خالی ٹیکسی لے جاتے ہو اور سواری نہیں بٹھاتے۔"

بادشاہ نے ہاتھ نچا کر کہا "اے خبردار! خالی ٹیکسی مت بولنا' تم اندھے ہو' دیکھتے ہی نہیں پیچھے سواری بیٹھی ہے۔"

"ایں!" اس شخص نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر پچھلی سیٹ کی طرف دیکھا' پھر سر

کھجاتے ہوئے کہا "کیوں مذاق کرتے ہو بھائی' ٹیکسی تو خالی ہے۔"

بادشاہ نے اس کی پیشانی پر انگلی رکھ کر کہا "تمہاری کھوپڑی خالی ہے۔ تم اندھے ہو' ارے وہاں میری گھر والی بیٹھی ہے۔ ٹھیک سے دیکھو۔"

اتنے میں وہاں سے گزرنے کا سگنل ہو گیا اور وہ ٹیکسی کو آگے بڑھاتا چلا گیا۔ چوراہے کو کراس کرنے کے بعد اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا "دیکھا جان! اسے کچھ نظر نہیں آیا۔ اصل بات یہ ہے کہ محبت کسی کو نظر نہیں آتی' وہ اندر ہوتی ہے نا۔"

آگے چل کر کچھ ٹریفک پولیس والے نظر آئے۔ وہاں ایک موٹر سائیکل کے پاس ٹریفک پولیس کا سارجنٹ بھی کھڑا تھا۔ ہاتھ دکھا کر اسے گاڑی روکنے کے لیے کہا جا رہا تھا۔ اس نے سڑک کے کنارے گاڑی روک دی' پھر ڈیش بورڈ کھول کر اپنا ڈرائیونگ لائسنس وغیرہ نکالنے لگا۔ سارجنٹ نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھتے ہوئے کہا "اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میری موٹر سائیکل خراب ہو گئی ہے۔ مجھے ناظم آباد چورنگی تک پہنچا دو۔"

وہ سمندر کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ اسے اتنا موقع نہیں ملا کہ وہ پولیس سارجنٹ کو پچھلی سیٹ پر بیٹھنے سے روکتا۔ ویسے وہ اسے روک کیسے سکتا تھا؟ پانی میں رہ کر مگرمچھ سے بیر نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ٹریفک پولیس والے تو شاہراہوں کے شہنشاہ ہوتے ہیں۔ ڈرائیوروں کو مرغا بنا کر رکھ دیتے ہیں۔

وہ مجبوراً گاڑی کو اسٹارٹ کر کے ڈرائیو کرنے لگا۔ اس پر مردنی چھا گئی تھی۔ وہ ایک دم اُداس ہو گیا تھا۔ اب پچھلی سیٹ کا تصور بالکل ہی مٹ گیا تھا۔ اس نے ذرا نظر اٹھا کر عقب نما آئینے میں دیکھا۔ اس آئینے میں پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا گول مٹول سا سارجنٹ نظر آیا جو مینڈک کی طرح پھولا ہوا تھا۔ کھڑکی سے آنے والی ہواؤں کی رو پر اس کی بڑی بڑی مونچھوں کے دونوں سرے پھڑپھڑا رہے تھے۔ سارا تصور فنا ہو گیا تھا۔

سارجنٹ نے ذرا سخت لہجے میں کہا "اے! میٹر آن کر دو۔"

اس نے فوراً ہی ہاتھ بڑھا کر میٹر آن کر دیا۔ پھر کہنے لگا "جناب آپ پہلے آفیسر ہیں جو میٹر کے ساتھ چل رہے ہیں ورنہ یہاں ٹریفک پولیس میں جتنے بھی لوگ ہوتے ہیں' وہ گدھا سمجھ کر سواری کرتے ہیں۔ ہمارے دن بھر کا آدھا پیٹرول جلا دیتے ہیں۔ آپ کی

بڑی مہربانی۔"

ناظم آباد چورنگی پہنچ کر اس نے گاڑی روک دی۔ سارجنٹ پیچھے بیٹھا ہوا اسے گھور گھور کر دیکھ رہا تھا پھر دروازہ کھول کر اتر گیا۔ ایک دھڑاکے سے دروازے کو دوبارہ بند کرتے ہوئے بولا "میں دیکھنا چاہتا تھا کہ تمہارا میٹر صحیح چل رہا ہے یا نہیں۔ ٹھیک ہے تم ایماندار لگتے ہو' جاؤ۔"

یہ کہہ کر وہ خود وہاں سے چلا گیا۔ بادشاہ جانی اپنے ہونٹوں کو سختی سے بھینچ کر اسے غصے سے دیکھتا رہا۔ غصہ کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ وہ اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا تھا۔ اس نے پلٹ کر میٹر آف کر دیا پھر دانت پیس کر بولا "ٹھیک ہے بیٹا' میں ڈبل کرایہ تمہارے باپ لوگوں سے وصول کروں گا۔ آنے دو کسی سواری کو۔ خواہ مخواہ بیچ میں ہم بدنام ہوتے ہیں۔ پبلک بولتی ہے' ہم بدمعاش ہیں۔ میٹر سے نہیں چلتے' کرایہ زیادہ مانگتے ہیں۔ ارے اگر نہ مانگیں گے تو پولیس والوں کا بھتا کہاں سے دیں گے۔ مہاجن کا پیٹ کہاں سے بھریں گے۔ کوئی نہیں سمجھتا۔ بس زبان تالو سے لگائی اور بدمعاش بول دیا۔"

اسی وقت ایک بوڑھی عورت کی آواز سنائی دی "بیٹا' دھوپ ہے' میرے بچے پریشان ہو رہے ہیں۔ سورج سوا نیزے پر آ گیا ہے۔ ہمیں ناگن چورنگی پہنچا دو۔ ایک گھنٹے سے کوئی گاڑی نہیں مل رہی ہے۔"

بادشاہ جانی نے اس کے بچوں کو اور اسے دیکھا' پھر کہا "ماں جی تم جہاں کہو گی پہنچا دوں گا مگر میٹر سے نہیں جاؤں گا۔ ناگن چورنگی کے پندرہ روپے لوں گا۔"

"بیٹا' ایسا ظلم نہ کرو۔ میٹر سے چلو۔"

"میٹر خراب ہے۔ پندرہ روپے دے سکتی ہو تو بیٹھ جاؤ۔"

وہ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ بیٹھ گئی۔ وہ بوڑھی تھی' مجبوری تھی چھوٹے چھوٹے بچوں کو لے کر دھوپ میں نکلی تھی لیکن بادشاہ جانی کو اس پر ترس نہیں آیا کیونکہ ابھی وہ اپنی چوٹ سہلا رہا تھا۔

پہلے اس نے سوچا کہ ناگن چورنگی سے جہانگیر روڈ جائے اور مستری چاچا کو خوش خبری سنائے گا۔ اسے اس لڑکی کے گھر کا پتا بتائے گا لیکن ناگن چورنگی کی سواری ملی تو ارادہ بدل گیا۔ اسے کمانے کی دھن نہیں تھی۔ وہ اپنا حلیہ بدلنا چاہتا تھا۔ اپنے آپ کو

اس لڑکی کے شایان شان بنانا چاہتا تھا۔ ناگن چورنگی میں اس کا اپنا مکان تھا اس لیے وہاں جانے کے لیے راضی ہو گیا تھا۔

وہاں بڑھیا اور بچوں کو اتار کر' ان سے پندرہ روپے وصول کر کے وہ اپنے گھر آیا۔ اس کا مکان اسی گز کے پلاٹ پر تھا۔ ایک کمرہ' ایک باورچی خانہ اور ایک باتھ روم۔ گو کہ چھوٹا سا مکان تھا مگر اچھا خوب صورت تھا۔ باغیچے کے لیے کافی جگہ بچی ہوئی تھی لیکن کبھی پھول کھلانے کا خیال تک نہیں آیا تھا۔ جب وہ اپنے پلاٹ پر پہنچا تو پہلے ویرانی ہی نظر آئی۔ دل نے کہا کہ اگر وہ یہاں آئے گی تو اس کے جوڑے کے لیے پھول کہاں سے لائے گا۔

اس کے مکان کے ساتھ ہی ایک خالی پلاٹ پڑا تھا۔ اسٹیٹ ایجنسی والوں نے اس سے کئی بار کہا کہ وہ پانچ ہزار میں یہ پلاٹ خرید لے۔ نیو کراچی بہت دور تک پھیلنے والا ہے اور یہ اتنی بڑی آبادی ہو جائے گی کہ کل کو یہ پلاٹ لاکھوں روپے میں فروخت ہو گا لیکن اسے پلاٹ حاصل کرنے' مکانات بنانے اور دولت جمع کرنے کا لالچ نہیں تھا۔ وہ کماتا تھا' کھاتا تھا اور خوب عیش کرتا تھا۔ اس روز اسے پہلی بار خیال آیا کہ وہ ڈاکٹرنی دلہن بن کر یہاں آئے گی تو اسے ایک چھوٹا سا اسپتال کھولنا ہو گا لہٰذا آنے والی کے لیے دوسرا پلاٹ خریدنا بہت ضروری ہے۔

اب وہ ڈھیر ساری باتیں سوچ رہا تھا جو پہلے کبھی اس کے دماغ میں نہیں آئی تھیں۔ اس کے مکان کی دوسری طرف ایک اور مکان بنا ہوا تھا۔ پڑوسن نے دروازہ کھول کر اسے دیکھتے ہوئے کہا "بھائی صاحب' اچھا ہوا آپ آ گئے۔ میری بیٹی کی طبیعت خراب ہے...... شام کو ڈاکٹر کے پاس لے جانا ہے۔ کیا تم تھوڑی دیر کے لیے گاڑی لے آؤ گے۔"

اس نے کہا "اگر شام تک ادھر کی کوئی سواری ملی تو تمہاری بیٹی کو ضرور لے جاؤں گا۔ ہاں یاد آیا۔ یہ تمہارے یہاں جو مالی آیا کرتا ہے' کیا وہ میرے یہاں باغیچہ لگا دے گا؟"

"کیوں نہیں لگائے گا' جہاں اسے چار پیسے ملیں گے' وہاں کام کرے گا۔"

"تو ٹھیک ہے بہن جی' آپ میرا یہ کام کر دیں۔ مالی سے کہیں کہ وہ آج ہی سے کام

شروع کر دے۔ یہاں بہت خوب صورت سا باغیچہ لگا دے، میں آپ کی بیٹی کو کسی وقت بھی آکر ڈاکٹرز کے پاس لے جاؤں گا۔"

وہ مگن تھا۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے اس کے بولتے ہی مالی نے آکر باغیچہ لگا دیا ہے۔ وہ خوشی سے جھومتا ہوا اپنے مکان کے اندر داخل ہوا۔ کمرے میں ایک پرانی سی چارپائی تھی جس پر میلا بستر پڑا ہوا تھا۔ ایک طرف چھوٹی سی میز پر پوری بھاجی اور تھوڑا سا حلوہ رکھا ہوا تھا جسے وہ صبح ناشتا کرنے کے بعد چھوڑ گیا تھا۔ اب وہاں مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔ اس نے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "ارے باپ رے۔ وہ گدھی یہاں آئے تو الٹے پاؤں بھاگ جائے گی۔"

یہ کہتے ہی اس نے اپنے منہ پر ایک تھپڑ مارا۔ اسے گدھی کیوں کہہ دیا۔ ٹیکسی ڈرائیوروں والی بولی اس کے ساتھ نہیں ہونی چاہیے۔ وہ تو ایسی چیز ہے کہ اسے جان کہنا چاہیے، ایمان کہنا چاہیے اور کیا کیا کہنا چاہیے۔ اب وہ ناولیں لے کر پڑھے گا اور ان میں سے اچھی اچھی باتیں کاغذ پر لکھ کر یاد کرے گا۔

اب لکھنے اور یاد رکھنے کی بہت سی باتیں جمع ہو رہی تھیں۔ بے آباد گھر کا حلیہ بدلنا تھا۔ اچھا سا ایک پلنگ لانا تھا۔ صاف ستھرا سا بستر، اجلی اجلی سی چادریں، نئے نئے لحاف، اچھے غلاف والے تکیے۔ صوفے یا کرسیاں اور پتا نہیں کیا کچھ خریدنا تھا۔ ایک ایک تنکا جمع کر کے اس ڈاکٹرنی کے شایان شان ایک خوب صورت سا آشیانہ بنانا تھا۔ اس نے گھڑی دیکھی تو ساڑھے گیارہ ہو چکے تھے۔ وہ بوکھلا گیا۔ اب اس کے پاس پہنچنے کے لیے صرف ڈھائی گھنٹے رہ گئے تھے۔ ان ڈھائی گھنٹوں میں بہت سارا کام کرنا تھا۔ اس نے جلدی سے ٹین والے سوٹ کیس کو کھولا اور اپنا بہت ہی پسندیدہ لباس نکالا۔ ایک پتلون، ایک شرٹ اور ایک واسکٹ۔ پتلون اور شرٹ کا کپڑا اس نے سپر ہائی وے کی باڑہ مارکیٹ سے خریدا تھا۔ بہت قیمتی کپڑا تھا اور بہت اچھی سلائی تھی۔ جب وہ اسے پہنتا تھا تو دوسرے ٹیکسی ڈرائیور اور گیراج والے اسے دیکھ کر یوں حیران ہو جاتے تھے جیسے ان کے سامنے بادشاہ جانی ٹیکسی ڈرائیور نہ ہو کوئی بادشاہ سلامت کھڑا ہو۔

اس نے لباس نکالنے کے بعد سوٹ کیس کی تہ میں ہاتھ ڈال کر بڑے نوٹوں کی ایک گڈی نکالی۔ وہ پونے دو ہزار روپے تھے۔ بینک میں اس نے اکاؤنٹ کھولا تھا، وہاں

صرف پچاس روپے جمع تھے البتہ پانچ برس کے عرصے میں اس نے مستری چاچا کے پاس ساڑھے بارہ ہزار جمع کیے تھے۔ وہ بھی مستری چاچا نے زبردستی کی تھی۔ اس سے کہا تھا کہ وہ بینک کی طرف نہیں جائے گا اور نہ ہی اُدھر پیسے جمع کرے گا لہٰذا جب بھی وہ شام کو ٹیکسی لے کر گیراج پہنچتا تو مستری چاچا اس کی جیب میں ہاتھ ڈال کر کبھی دو سو اور کبھی تین سو نکال کر اپنے پاس رکھ لیا کرتے تھے۔ ایک کاپی میں حساب لکھ کر اسے بتا دیتے تھے۔ دیکھ اتنی تاریخ کو اتنے پیسے لیے ہیں۔ اپنا حساب رکھا کر، یہ پیسے کام آتے ہیں۔ تو اکیلا سہی لیکن برے وقت کے لیے بچانا چاہیے۔

یہ کتنے مزے کی بات تھی۔ لوگ برے وقت کے لیے بچاتے ہیں لیکن اس کی جمع پونجی اچھے وقت کام آ رہی ہے۔ اس نے کپڑے اور نوٹوں کی گڈی اٹھالی۔ پچھلی عید اس نے نئے جوتے اور موزے خریدے تھے جو بہت کم استعمال ہوئے تھے۔ انہیں بھی اس نے ساتھ رکھ لیا، پھر ٹیکسی میں آکر بیٹھ گیا۔

ابھی ناگن چورنگی کا علاقہ پوری طرح آباد نہیں ہوا تھا۔ دکانیں نہیں تھیں۔ خاص طور پر کسی ایسے حجام کی دکان نہیں تھی جہاں حمام ہو، وہ شیو کرنے اور غسل کرنے کے لیے کریم آباد جایا کرتا تھا۔ مینا بازار کے سامنے اس نے ٹیکسی روک دی۔ ایک چھوٹا سا لڑکا ہاتھ میں صافی لیے دوڑتا ہوا آیا۔ بادشاہ نے کہا "بیٹے، گاڑی کو باہر سے خوب چمکا دو۔ پورا ایک روپیہ دوں گا۔ شاباش۔"

یہ کہہ کر وہ سیلون میں داخل ہوا۔ تمام حجام اسے پہچانتے تھے اور اس کے آنے سے خوش ہوتے تھے۔ وہ بخشش دے کر جایا کرتا تھا۔ اس نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا "یار آج ایسی شیو کرو کہ دیکھنے والی آنکھیں میرے چہرے پر کچھ ڈھونڈتی رہ جائیں۔"

حجام نے کہا "فکر نہ کرو استاد، اتنی فسٹ کلاس شیو بناؤں گا کہ صورت نکھر آئے گی۔ معلوم ہو گا ابھی پیدا ہوئے ہو۔"

"ابے جا، پیدا کر کے مجھے بچہ بناتا ہے۔ الٹی کھوپڑی کے، میں کہیں دودھ پینے نہیں دودھ کی نہر نکالنے جا رہا ہوں۔ کچھ سمجھا؟"

اس نے انکار میں سر ہلا کر سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا "استاد سمجھ میں نہیں آئی، کیا بول رہے ہو۔"

"اب اپنی بات سمجھنے کے لیے انورسیٹی میں پڑھنا بہت ضروری ہے۔ چل تو چلا استرا۔"

وہ استرے کی دھار بناتے ہوئے بولا "پہلے غسل کرلو تو اچھا ہوگا۔ اس سے بال نرم ہوجاتے ہیں۔"

"کچھ نرم ورم نہیں ہوتے، جیسے بھی ہیں جلدی سے شیو کردے میں غسل کرنے کے بعد جو کپڑے پہنوں گا اس کے بعد پھر یہاں نہیں بیٹھوں گا۔"

اتنے میں جھورا پینٹر سیلون میں داخل ہوا۔ اس نے بادشاہ کو دیکھتے ہی سلام کرتے ہوئے کہا "استاد، اپنی ٹیکسی میں کبھی پھول پتے نہیں بنواتے ہو۔ اس شہر کی کتنی گاڑیوں میں جھورا پینٹر کا نام لکھا ہوا ہے۔"

باربر شیو کرنے سے پہلے صابن لگا رہا تھا۔ بادشاہ نے آئینے میں جھورا پینٹر کو دیکھتے ہوئے کہا "تم ٹرکوں اور آئل ٹینکروں کے پیچھے جو دریا، پہاڑ، جنگل اور شیر چیتے وغیرہ بناتے ہو، وہ ہماری ٹیکسیوں پر نہیں چلتے۔ منی بسوں میں جو پھول پتیاں بنتی ہیں، انہیں بھی ہماری ٹیکسیوں میں بیٹھنے والے اچھا نہیں سمجھتے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے، بچوں کو خوش کرنے کے لیے رنگ برنگے پھول بنادیے گئے ہوں۔ جھورے، تو کیا پھول بنائے گا۔ میری ٹیکسی میں تو ایسا پھول کھل رہا ہے، ارے ایسا پھول کھل رہا ہے۔"

وہ سر ہلا ہلا کر کہہ رہا تھا۔ باربر نے کہا "استاد سر کو ایک جگہ رکھو۔ میں استرا چلا رہا ہوں، نہیں تو چہرے پر اتنے پھول کھلیں گے کہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گے۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ بادشاہ کے چہرے کی صفائی ہوتی رہی پھر باربر نے کہا "جھورے! معلوم ہوتا ہے کہ استاد نے کسی کو پھانسا ہے۔"

بادشاہ نے کہا "ذرا منہ سنبھال کر بات کرو۔ وہ کوئی ایسی ویسی لڑکی نہیں ہے جسے پھانسا جائے۔ وہ بہت شریف خاندان کی لڑکی ہے۔ ڈاکٹرنی بننے والی ہے۔"

"مبارک ہو، مبارک ہو۔ بہت لمبا ہاتھ مار رہے ہو۔ بہت اونچے جارہے ہو، کہاں تک بات پہنچی۔"

بادشاہ جانی نے جواب دینے کے لیے ہونٹ کھولے پھر بند کرلیے کیونکہ تھوڑی کے

نیچے استرا چل رہا تھا۔ جھورے نے کہا "استاد، میں منہ دیکھی بات نہیں کہتا۔ ایمان کی کہتا ہوں، تم ہو ہی ایسے کہ تم پر بڑے بڑے خاندان کی لڑکیاں مرنے کے لیے تیار ہوجائیں گی۔ ہاں تو بات کہاں تک پہنچی ہے؟"

باربر کا ہاتھ رک گیا تھا۔ بادشاہ نے کہا "آج پہلا دن ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ بات کہاں تک پہنچے گی۔"

جھورے نے پوچھا "کیا وہ تم سے بات کرتی ہے؟"

"ہاں کرتی ہے۔"

"کیا وہ مسکراتی ہے؟"

"ہنستی بھی ہے۔"

"ارے تو پھر بات ہی کیا رہ گئی۔ اب کیا وہ تمہارے سامنے سر پھوڑے گی تب تمہیں اس کی محبت کا پتا چلے گا۔"

"یہ بات نہیں ہے جھورے۔ وہ پڑھی لکھی ہے۔ ڈاکٹرنی بننے والی ہے۔ زیادہ پڑھنے والیاں بڑی گہری ہوتی ہیں۔ اب اس گہرائی کو کیسے معلوم کروں۔ یہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔"

"یہ کون سی بڑی بات ہے۔ اس پر یہ ظاہر کردو کہ تم اس سے محبت کرنے لگے ہو۔ اس کی طرف سے ہاں یا ناں میں جواب تو ملے گا۔"

"جوتے کھانے والا مشورہ نہ دو۔ میں چاہتا ہوں، زبان نہ کھولوں اور اسے میرے دل کی بات معلوم ہوجائے۔"

جھورے پینٹر نے ہاتھ اٹھا کر داد دیتے ہوئے کہا "واہ، کچھ بھی نہ کہا اور کہہ بھی گئے، کچھ کہتے کہتے رہ بھی گئے۔ استاد اپنے دل کی بات تم شاعری کے ذریعے ہی کرسکتے ہو۔ ادھر بسوں اور منی بسوں میں بہت سے جو شعر لکھے رہتے ہیں نا، وہ میرے لکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ میں پانچ روپے ایک شعر کے حساب سے لکھ دیتا ہوں۔ یہ دوسرے ڈرائیور بھی تو تمہاری طرح دل والے ہوتے ہیں بلکہ تم سے زیادہ ہی دل والے ہوتے ہیں کیونکہ بسوں اور منی بسوں میں عورتوں کا کلاس آگے ہوتا ہے۔ ڈرائیور کے آس پاس پریوں کا میلا لگا رہتا ہے۔"

بادشاہ جانی نے کہا "ابے، کیوں چھچھوری باتیں کرتا ہے۔ وہ دوسروں کی مائیں بہنیں ہوتی ہیں۔"

"ٹھیک ہے، وہ دوسروں کی ہوتی ہیں، ڈرائیور کی نہیں ہوتیں نا؟ وہ بے چارا صبح سے شام تک پریوں میں گھرا رہتا ہے۔ کوئی نہ کوئی تو اسے پسند آئے گی۔ ایک نہیں درجنوں پسند آئیں گی۔ ان درجنوں میں سے کسی نہ کسی کو شکار کرنے کے لیے شاعری کا سہارا لینا پڑتا ہے اسی لیے ہمارے شہر کی ہر منی بس میں دیکھ لو، کیسے شعروں کے تیر چھوڑے جاتے ہیں اور جگر کے پار کیے جاتے ہیں۔ بس تم بھی ایسا ہی ایک پھڑکتا ہوا شعر ٹیکسی کے ڈیش بورڈ کے اوپر لکھوالو۔ وہ پڑھے گی تو تمہارے دل کی بات سمجھ جائے گی۔"

بادشاہ اس مشورے پر غور کرنے لگا۔ باربر نے کہا "یہ مشورہ بہت اچھا ہے۔ کیا حرج ہے، اگر ایک ایسا شعر لکھوالیا جائے جس سے تمہارے دل کی بات ظاہر ہوجائے، اسے معلوم ہوجائے گا، اس سے اچھا راستہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔"

بادشاہ نے کہا "مجھے پہلے بھی ایک پینٹر نے کہا تھا کہ ڈیش بورڈ پر ایک شعر لکھوالو۔ مگر یہ بات مجھے بہت گندی لگی۔ میرے پیچھے والی سیٹ پر کتنی ہی مائیں، بہنیں اور بیٹیاں بیٹھتی ہیں۔ ان کے مرد بھی بیٹھتے ہیں۔ اگر وہ ایسے شعر پڑھیں گے تو ان کے دلوں پر کیا گزرے گی؟ شاعری اچھی چیز ہے۔ کتابوں میں پڑھائی جاتی ہے لیکن وہی شاعری ڈیش بورڈ پر آجائے تو گالی بن جاتی ہے۔"

وہ کرسی پر سے اٹھ گیا۔ آئینے میں دیکھنے لگا۔ چہرہ صاف ہوگیا تھا۔ نکھر آیا تھا۔ بہت ہی خوبرو لگ رہا تھا۔ وہ آئینے میں اپنے آپ کو دیکھ کر مسکرایا۔ پھر اپنے کپڑے وغیرہ لے کر غسل خانے کی طرف جانے لگا۔ تبھی سوا بارہ ہوگئے۔ "دو بجے سے پہلے اس کے پاس پہنچنا تھا۔" یہ کہتے ہی وہ دوڑتا ہوا غسل خانے کے اندر چلا گیا۔ جھورے آہستہ آہستہ چلتا ہوا غسل خانے کے دروازے پر آیا پھر بلند آواز میں بولا "استاد، ایسا کرو کہ ایک دو گھنٹے کے لیے ڈیش بورڈ پر شعر لکھوالو۔ وہ پڑھ لے گی اور جب وہ ٹیکسی سے اتر کر چلی جائے گی تو اس شعر کو مٹا دینا۔"

باتھ روم سے پانی گرنے کی آواز کے ساتھ بادشاہ جانی نے کہا "ہاں یہ آئیڈیا اچھا

ہے، جا لکھ دے ایک شعر۔"

"استاد کچھ حال چال تو بتاؤ کہ تم اس سے کیا کہنا کیا چاہتے ہو؟"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر اندر سے آواز آئی "ابھی کہنا کیا ہے، اس سے محبت ہوگئی ہے۔ مجھے اتنی اچھی لگتی ہے کہ اب میں اپنے آپ کو بھی اچھا نہیں لگتا۔ بس وہی وہ نظر آتی ہے لیکن اتنی بڑی دنیا میں مجھ جیسا ٹیکسی ڈرائیور اس سے عشق کیسے کرے۔ اپنی حیثیت کو یاد رکھنا پڑتا ہے۔ ٹیکسی چلانے کے وقت عشق کیسے ہو؟ سامنے رستے کا بھی خیال ہے کہ ایکسیڈنٹ نہ ہوجائے۔ ٹریفک پولیس کا بھی ڈر لگا رہتا ہے، اتنے خوف اور پریشانیوں میں بھلا کیسے عشق ہوسکتا ہے۔ یہی مجبوریاں ذرا بیان کردو۔"

"بس ابھی لو استاد۔ تھوڑا سا سوچوں گا۔ سگریٹ کا کش لگاؤں گا اور شعر نکل آئے گا۔"

اور ایسا ہی ہوا تھوڑی ہی دیر میں اس نے اپنے دماغ سے شعر نکال کر کہا "وہ کیا پھڑکتا ہوا شعر ہے ذرا سنو استاد۔ وہ آئی ٹیکسی میں ہماری خدا کی قدرت ہے۔ کبھی ہم ان کو، کبھی راستے کو، کبھی پولیس والے کو دیکھتے ہیں۔"

اندر سے آواز آئی "چالان کرائے گا کیا۔ میں نے جیسی بات کہی تھی، ویسا ہی شعر کہہ دیا۔ شعر کہاں ہوا۔ یہ تو میری ہی بات ہوئی نا۔ ارے جیسا شاعر بولتے ہیں نا، بس ویسی ہی کوئی پھڑکتی ہوئی چیز پیش کر۔"

جھورے نے کہا "استاد جو دل کی بات ہوتی ہے وہی شاعری کہلاتی ہے۔ میں ایک اور شعر سناتا ہوں۔ میں نے دو چار بس ڈرائیوروں اور منی بس والوں کو یہ شعر لکھ کر دیے، بڑے کارگر ہوئے۔ دیکھو گاڑیوں میں لڑکیاں آکر بیٹھتی ہیں نا، تو ان کے سر جھکے رہتے ہیں۔ آنکھیں بھی جھکی رہتی ہیں۔ بڑی معصوم لگتی ہیں مگر اسی معصومیت سے دل چرالیتی ہیں۔"

اندر سے آواز آئی "ہاں ہاں، بالکل ایسی ہی بات ہے۔ وہ بالکل ایسی ہی ہے اور اس نے ایسی ہی معصومیت سے میرا دل چرالیا ہے۔ بس اسی پر کوئی شعر بول دو۔"

جھورے نے کہا "شعر حاضر ہے سنو۔ وہ نیچی نظر کرکے، سر جھکا کے بیٹھی ہے، وہی تو ہے جو میرا دل چرا کے بیٹھی ہے۔"

"یہ تو کھلم کھلا بات ہوگئی۔ ٹیکسی کے اندر لکھانے سے تو اچھا ہے کہ میں خود ہی زبان سے بول دوں۔ مجھے ایسی شاعری نہیں چاہیے۔"

"استاد کیوں میرے پانچ روپے کھوٹے کرتے ہو' کوئی شعر پسند کرلو۔ میں فٹافٹ لکھ دوں گا۔ چلو اس سے بھی اچھا شعر سوچ کرتا ہوں۔"

وہ غسل خانے سے باہر آگیا۔ موزے اور جوتے پہننے کے بعد اس نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا جائزہ لیا۔ خوب کھل رہا تھا۔ کسی پہلو سے ٹیکسی ڈرائیور نہیں لگتا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی بہت ہی پڑھا لکھا' اسمارٹ نوجوان ہے۔ باربر نے اسے دیکھ کر کہا "ایک دم فسٹ کلاس لگ رہے ہو۔ بس ذرا سی خوشبو چھڑک لو۔ مزہ آجائے گا۔"

وہ باربر کے ہاتھ میں دس روپے کا ایک نوٹ رکھ کر باہر آگیا۔ پاس ہی ایک جنرل اسٹور تھا' وہاں جا کر اس نے پوچھا "کوئی اچھی خوشبو ہو تو بتاؤ۔"

دکان دار نے اس کے آگے پرفیوم کی کئی شیشیاں لا کر رکھ دیں۔ اچھی خوب صورت ڈیزائن کی بہت سی شیشیاں تھیں۔ بادشاہ نے پوچھا "ان میں سے کون سی خوشبو ایسی ہے جو لڑکیوں کو پسند ہے؟"

دکان دار نے کہا "خوشبو سب ہی ایک سے بڑھ کر ایک ہیں اور لڑکیاں تو ہر طرح کی خوشبو پسند کرتی ہیں۔ ویسے زیادہ تر لڑکیاں وائٹ روز لے جاتی ہیں۔ یہ سستا بھی ہے' صرف ڈھائی سو روپے کی ایک شیشی ہے۔"

اس نے کبھی ڈھائی روپے کا عطر نہیں خریدا تھا لیکن ڈھائی سو روپے کی وہ شیشی بلا تامل خرید لی۔ اسے لے کر ٹیکسی کی طرف آیا۔ بچے نے ٹیکسی کو صاف کرکے چمکا دیا تھا۔ اس نے لڑکے کو دو روپے دیے پھر دروازہ کھول کر بیٹھنا چاہتا تھا کہ جھورا پینٹر دوڑتا ہوا آیا۔ "استاد ہوگیا۔ بالکل پکا سچا شعر ہوگیا۔ تمہیں پسند آئے گا۔ سن لو عرض کرتا ہوں۔"

بادشاہ جانی نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکتے ہوئے کہا "شعر سنانے سے پہلے میری ایک شرط سن لو۔"

"سناؤ استاد۔"

"شرط یہ ہے کہ یہاں ڈیش بورڈ پر جو بھی شعر لکھے گا' وہ شعر لکھنے کے بعد تو اپنے گھر

کی کسی عورت کو پچھلی سیٹ پر لا کر بٹھادے گا۔ بول منظور ہے۔"

وہ ایک دم سے بھڑک گیا "استاد تم میرے گھر تک پہنچ رہے ہو' یہ اچھی بات نہیں ہے۔"

"ابے جا' اپنے گھر کی بات آتی ہے تو شریف بن جاتے ہو۔ کمینے اتنا نہیں سمجھتے کہ محبت میں پھانسا نہیں جاتا' اپنایا جاتا ہے۔ چل بھاگ یہاں سے۔"

اس نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ اسے بیک کیا۔ پھر ڈاؤ میڈیکل کالج کی طرف جانے لگا۔ وہ بار بار عقب نما آئینے میں خود کو دیکھتا اور خوش ہو کر سوچتا تھا کہ وہ اسے دیکھ کر ضرور متاثر ہوگی مگر اسے اور زیادہ کس طرح متاثر کرنا چاہیے' وہ سوچنے لگا۔ ارادہ تھا کہ میڈیکل کالج کے قریب پہنچ کر اپنے کپڑوں پر تھوڑی سی خوشبو چھڑک لے گا۔ دل نے کہا' کچھ اور بھی کرنا چاہیے۔ بعد میں افسوس نہ ہو کہ اسے اپنا بنانے کے لیے' اس پر اپنی شخصیت کی چھاپ ڈالنے کے لیے اس نے کچھ نہیں کیا تھا' اسے اور کچھ کرنا چاہیے۔

آگے بڑھتے بڑھتے' سوچتے سوچتے اس نے ایک پھول والے کی دکان کے پاس ٹیکسی روک دی۔ اس نے ڈھیر ساری گلاب کی پتیاں خریدیں اور پتیوں کے پیکٹ کو اپنے پاس رکھ کر گاڑی کو آگے بڑھادیا۔ بہت دور جانے کے بعد اس نے سڑک کے کنارے گاڑی روکی۔ پھر گلاب کی پتیوں کو لے کر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ پچھلی سیٹ کو اچھی طرح صاف کیا۔ پھر اس سیٹ پر تروتازہ خوشبودار پتیاں چھڑکنے لگا جیسے دلہن کی سیج پر پھول بکھیر رہا ہو۔

وہ آدھا گھنٹا پہلے ہی منزل کے قریب پہنچ گیا۔ سول اسپتال کے پاس پہنچ کر اس نے گاڑی روکی۔ کھڑکی کے شیشے چڑھائے ہوئے تھے۔ اس نے پرفیوم کی شیشی نکال کر اسے پچھلی سیٹ کی طرف اسپرے کیا۔ تھوڑی سی خوشبو اپنے لباس پر بھی اسپرے کی۔ اس کے بعد ڈیش بورڈ کھول کر شیشی رکھنے لگا تو وہاں چرس بھرا ہوا سگریٹ دکھائی دیا۔ اس نے جلدی سے سگریٹ نکال کر دیکھا اور سوچا' اگر لڑکی نے اس سگریٹ کو دیکھ لیا تو کیا رائے قائم کرے گی۔ یہ سوچتے ہی اس نے کھڑکی کے شیشے کو ذرا نیچے کرکے سگریٹ باہر پھینک دیا پھر شیشے چڑھائے۔ اس کے بعد ٹیکسی آگے بڑھا کر ڈاؤ میڈیکل کالج کے

دروازے کے سامنے پہنچ گیا۔ اب اس کا دل رہ رہ کر اپنی رفتار سے زیادہ دھڑکنے لگا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا' وہ آئے گی اور میں فوراً ہی ٹیکسی سے اتر کر اس کے لیے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول دوں گا پھر وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھے گی تو پھولوں کی پتیاں دیکھ کر اور خوشبودار ماحول میں پہنچ کر حیران رہ جائے گی۔ مجھے خوش ہو کر دیکھے گی پھر پوچھے گی کیا یہ جنت میرے لیے بنائی ہے؟

وہ سوچ رہا تھا اور خوش ہو رہا تھا۔ اندر سے گھبراہٹ بھی تھی۔ پسینا پسینا ہو رہا تھا۔ کھڑکی کے شیشے چڑھائے ہوئے تھے' کہیں سے ہوا نہیں آرہی تھی۔ گرمی سے برا حال تھا۔ اگر وہ شیشے نیچے اتارتا تو اسپرے کی ہوئی خوشبو ہوا میں تحلیل ہو کر معدوم ہو جاتی۔ تھوڑی دیر تک وہ گرمی برداشت کرتا رہا پھر اس نے سوچا پسینے سے اپنا حلیہ خراب ہو جائے گا لہٰذا باہر کھلی ہوا میں کھڑے رہنا چاہیے۔ وہ دروازہ کھول کر باہر نکلا پھر فوراً ہی اسے بند کر دیا تاکہ خوشبو قید رہے۔

دو بج گئے' وہ نظر نہیں آئی۔ دوسری لڑکیاں اور لڑکے دو دو' چار چار کی ٹولی میں نکل رہے تھے اور اپنے اپنے رستے جا رہے تھے۔ کچھ طلبا اور طالبات وہاں کھڑی ہوئی کالج کی ایک بس کے اندر بیٹھ رہے تھے۔ دو بج کر دس منٹ ہو گئے' پھر پندرہ منٹ ہو گئے۔ وہ نظر نہیں آرہی تھی' کیا وہ چلی گئی؟ اس کا دل ڈوبنے لگا' کیا صبح سے اب تک وہ جو سپنے دیکھ رہا تھا' وہ سچ مچ سپنے ہی بن کر رہ جائیں گے یا وہ تعبیر بن کر سامنے آئے گی؟ دو بج کر بیس منٹ پر وہ گیٹ کے پاس نظر آ ہی گئی۔

اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ بہت آہستگی سے چل رہی تھی۔ گیٹ کے پاس پہنچ کر اس نے دیوار کا سہارا لیا۔ جیسے چلنے سے معذور ہو۔ تھک گئی ہو اور بہت پریشان ہو۔ اس کی زلفیں کہیں کہیں سے بکھری ہوئی تھیں۔ چہرہ پسینے سے تر تھا۔ اس نے ابھی تک بادشاہ جانی کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ دیوار کا سہارا لیے گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔

بادشاہ نے سوچا "کیا کسی نے اسے چھیڑا ہے؟ کسی نے پریشان کیا ہے؟ ضرور کوئی بات ہے۔ اسے ستایا گیا ہے۔ وہ بہت بے حال نظر آرہی ہے۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے دو چار قدم آگے بڑھا پھر رک گیا۔ اسی وقت لڑکی نے سر اٹھا کر دیکھا۔ بادشاہ کو دیکھتے ہی جیسے وہ چونک گئی۔ اس نے نیوی بلو کلر کی پتلون اور گلابی رنگ

کی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ اس پر سیاہ رنگ کی واسکٹ تھی۔ اگرچہ کلر میچنگ بے ڈھنگی تھی لیکن رنگوں کے تضاد میں بھی وہ بڑا ہی دلکش اور بہت ہی خوبرو دکھائی دے رہا تھا یا شاید وہ حیران حیران سی ہو کر سوچ رہی تھی کہ یہ کون ہے؟ ڈرائیور نہیں ہے کوئی شہزادہ ہے جو بھیس بدل کر رعایا کا حال معلوم کرنے نکلتا ہے پھر شہزادے کے روپ میں آجاتا ہے۔

وہ جلدی سے سنبھل کر بولی "میں نے جھوٹ سمجھا تھا۔ تم سچ مچ آگئے۔"

"یہ مرد کی زبان ہے۔ گاڑی کا بریک فیل ہو سکتا ہے' مرد کی زبان فیل نہیں ہو سکتی۔"

وہ اس سے کترا کر ٹیکسی کی طرف بڑھنے لگی۔ اس کی چال سے پتا چل رہا تھا کہ وہ بری طرح تھک گئی ہے۔ اندر سے کمزور ہو گئی ہے۔ اس نے پوچھا "تم بہت پریشان ہو۔ کیا کسی نے تم سے کچھ کہا ہے؟ اگر کہا ہے تو بتاؤ۔ میں ایک ایک کا کچومر نکال دوں گا۔"

وہ پچھلی سیٹ کے دروازے کی طرف پہنچ کر بولی "نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے بھلا مجھے کوئی کیا کہہ سکتا ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے دروازہ کھولا۔ پھر اندر جانے سے پہلے ہی ٹھٹک گئی۔ خوشبو کا ایک جھونکا اندر سے آیا تھا۔ اسے ایسا لگا جیسے وہ دھوپ میں چلتے چلتے ایک دم سے ٹھنڈی چھاؤں میں پہنچ گئی ہو۔ اس نے حیرانی سے بادشاہ کی طرف دیکھا پھر گاڑی کے اندر بیٹھ کر دروازے کو بند کر دیا۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا دوسری طرف سے اسٹیئرنگ سیٹ پر پہنچا۔ اس وقت وہ پچھلی سیٹ پر بکھری ہوئی پھولوں کی پتیوں کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں ذرا خواب ناک ہو گئی تھیں' جیسے سوچ رہی ہوں کہ پھولوں کی پتیاں میرے خوابوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر یہاں کیسے بکھر گئی ہیں۔ ہائے ان پتیوں کی بارات میں دولہا کی خوشبو آرہی ہے۔

اس نے نظر اٹھا کر بادشاہ کو دیکھا۔ وہ اس سے نظریں نہ ملا سکا۔ جلدی سے سیدھا ہو کر اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ دھڑکتے ہوئے دل سے سوچنے لگا' میں نظریں کیسے ملاؤں۔ یوں لگتا ہے اس کی آنکھیں میرے چہرے پر کچھ لکھ رہی ہیں۔ میں ان پڑھ ہوں' پڑھ نہیں سکتا۔ نظروں کی زبان کس مکتب میں سیکھوں؟ مگر لڑکی تو بس لڑکی ہوتی ہے نا مگر

ایسے وقت پہیلی بن جاتی ہے' بوجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔

وہ تھوڑی دیر گم صم بیٹھا رہا۔ گاڑی اسٹارٹ کرنا بھول گیا اور انتظار میں رہا کہ کچھ بولے گی' ضرور پوچھے گی کہ یہ سب کیا ہے؟ یہاں پھولوں کی پتیاں کیوں بکھری ہوئی ہیں؟ گاڑی میں اتنی خوشبو کہاں سے آگئی ہے؟ پہلے تم عجیب سے حلیے میں تھے' واپس آئے تو شہزادے لگ رہے ہو۔ یہ سب کچھ کس کے لیے ہے؟ وہ ضرور کچھ پوچھے گی اور وہ اسی انتظار میں بیٹھا رہا۔

آخر اس نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ بندر روڈ کو کراس کرنے کے بعد اس کی بے چینی اور بڑھ گئی۔ دماغ اندر ہی اندر سوالات کر رہا تھا۔ وہ چپ کیوں ہے؟ کیا بہت ہی محتاط ہے؟ خدایا اس کے جذبے کو ایک جھٹکا لگے اور وہ بھول کر مسکرا دے اور مسکرا کر بھول جائے' اس کا بھی مان رہے کہ میں نے چوری نہیں پکڑی۔

گاڑی آرام باغ کی طرف سے گھومتی ہوئی پھر بندر روڈ پر پہنچ گئی۔ تب پچھلی سیٹ سے ایک گہری سانس لینے کی آواز سنائی دی۔ بادشاہ جانی سے رہا نہ گیا۔ اس نے عقب نما آئینے کا رخ بدل کر دیکھا۔ وہ پچھلی سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے نڈھال سی بیٹھی تھی۔ اس کا سر ایک طرف کو ڈھلکا ہوا تھا۔ اس نے پوچھا "تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو۔ میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں' مجھے بتاؤ کیا پریشانی ہے؟ میں ہر طرح سے تمہارے کام آؤں گا۔ تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہاری پریشانی اپنی جان دے کر دور کردوں گا۔"

لڑکی نے پٹ سے آنکھیں کھول کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اس کی نظریں پوچھ رہی تھیں کہ تم جان دے کر میری پریشانی کیوں دور کرو گے؟ میں تمہاری کیا لگتی ہوں؟ تم میرے کون ہو؟

وہ چپ چاپ ڈرائیو کرتا رہا۔ کبھی کبھی کن انکھیوں سے عقب نما آئینے میں دیکھتا رہا۔ اب اس کی سوچ کہہ رہی تھی "اے لڑکی! کیا تو میری کچھ نہیں لگتی؟ دیکھ ان آنکھوں کا دیکھنا تجھ سے ہے۔ یہ کان تیری آہٹ کے لیے ہیں۔ میری جان تجھ سے ہے' پہچان تجھ سے ہے۔ آج صبح سے میری ایک ایک سانس کا رشتہ تجھ سے ہے' کیا اب بھی تو میری کوئی نہیں لگتی؟"

وہ بولی "میں پریشان نہیں ہوں۔ بس کیا کہوں؟ تم نہیں سمجھ سکو گے۔"

"واہ' ایسی کیا بات ہے جو میں نہیں سمجھ سکتا۔ میں اتنے بڑے شہر کے ایک طرف سے لے کر دوسری طرف تک ٹیکسی دوڑاتا ہوں۔ ہر طرح کے آدمیوں کو سمجھتا ہوں۔ ان کی بولیاں بھی سمجھ لیتا ہوں۔"

"اچھا تو سنو' آج میری ڈس سیکشن کی کلاس تھی۔ ڈس سیکشن سمجھتے ہو۔ یعنی میں ابھی ایک لاش کے ٹکڑے کرکے آرہی ہوں۔"

"ایں؟" بادشاہ جانی نے اچانک ہی کار کی رفتار سست کردی' پھر حیرانی سے پوچھا "کیا تم لاش کے ٹکڑے کرتی ہو؟"

"ہاں' ہم اناٹومی کے لیے ایسا کرتے ہیں۔ اب تمہیں اناٹومی کا مطب سمجھانا ہوگا۔"

وہ جلدی سے بولا "ارے نہیں' میں بچہ نہیں ہوں۔ سب سمجھتا ہوں۔ تم ڈاکٹرنی ہو' لاشوں کو چیرتی پھاڑتی ہو پھر پریشان ہونے کی کیا بات ہے؟"

"ہاں' اس سے پہلے بھی میں ڈس سیکشن کلاس اٹینڈ کرچکی ہوں مگر آج ہوا یوں کہ میرا ایک ساتھی لاش کے چہرے کو ڈس سیکٹ کر رہا تھا۔ جب اس نے آدھے چہرے کی جلد کاٹ کر الگ کردی تو میرا سر چکرانے لگا۔"

"کیوں؟ سر کیوں چکرانے لگا؟"

"اس لیے کہ وہ ایک بہت حسین لڑکی کی لاش تھی۔ بہت خوب صورت تھی۔ جب اس کا آدھا چہرہ کٹ گیا تو اچانک میرے اندر کچھ ہونے لگا۔ مجھے خوب صورتی اور بدصورتی کا سنگم دکھائی دیا۔ اس لمحے احساس ہوا کہ ہم سب مکمل نہیں ہیں۔ ہم سامنے بس اپنا آدھا چہرہ رکھتے ہیں اور باقی آدھے چہرے کو چھپاتے ہیں کیونکہ وہ آدھا چہرہ بہت ہی بھیانک ہوتا ہے ہم کسی کو دکھانے کے قابل نہیں رہتے۔ دنیا والوں سے اسے چھپاتے ہیں۔ صرف اپنی خوب صورتی کا پرچار کرتے ہیں۔ اوہ' مجھے پیاس لگ رہی ہے۔"

بادشاہ جانی نے ایک جوس والے کے قریب گاڑی روک دی۔ گاڑی سے اترتے ہوئے بولا "میں ابھی مالٹے کا جوس پلاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ جوس والے کے پاس گیا۔ اسے دو گلاس کا آرڈر دیا۔ وہیں ایک ٹریفک کانسٹیبل کھڑا ہوا تھا۔ اس نے انگلی کے اشارے سے بادشاہ جانی کو اپنے قریب بلایا پھر

پوچھا "یہ گاڑی میں کسے بٹھا کر لے جا رہے ہو؟"

اس نے ذرا قریب ہو کر کانسٹیبل کے کان کے پاس کہا "یہ بہت بڑی ڈاکٹرنی ہے۔ ابھی ایک لاش کو چیر پھاڑ کر آ رہی ہیں۔ کوئی قصائی بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔"

"اچھا؟" کانسٹیبل نے حیرانی سے پوچھا۔

"ہاں' ابھی جوس پی کر دوسری لاش کی بوٹی کرنے جائے گی۔"

کانسٹیبل نے بوکھلا کر منہ کھولتے ہوئے ٹیکسی کی پچھلی سیٹ کی طرف ایسے دیکھا جیسے آنکھوں کے بجائے منہ سے اس لڑکی کو دیکھ رہا ہو۔ بادشاہ جانی نے کہا "ادھر کیا دیکھ رہے ہو' ادھر دیکھو۔ جانتے ہو ایناٹومی کسے کہتے ہیں؟"

کانسٹیبل نے مرعوب ہو کر انکار میں سرہلاتے ہوئے کہا "نہیں۔"

"مجھ سے سنو! ایناٹومی کہتے ہیں آدھے چہرے کو' آدھا چہرہ سمجھتے ہو؟"

اس نے پھر انکار میں سرہلا کر کہا "نہیں۔"

بادشاہ نے کہا "مجھ سے سنو' دیکھو ابھی تم ظہر کی نماز پڑھ کر آ رہے ہو نا؟"

"ہاں ابھی نماز پڑھ کر آ رہا ہوں۔"

"اچھا' یہاں اس تاک میں کھڑے ہو کہ کوئی غلط جگہ گاڑی کھڑی کرے گا تو اس سے کچھ لے کر قانون اپنے ہاتھ میں لے لو گے اور غلط جگہ کو صحیح جگہ بنا دو گے۔"

کانسٹیبل نے ڈھیٹ بن کر مسکراتے ہوئے کہا "بادشاہ تو بڑا سمجھ دار ہے' نکال دو روپے۔"

اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر دو روپے نکالے پھر اسے دیتے ہوئے کہا "اس کو آدھا چہرہ کہتے ہیں۔"

جوس پینے کے بعد وہ پیسے ادا کرنا چاہتی تھی لیکن بادشاہ نے بل ادا کر دیا۔ جب گاڑی دوبارہ اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھی تو اچانک لڑکی نے پوچھا "تم نے مجھ سے پیسے کیوں نہیں لیے؟"

"بس ایسے ہی۔"

"ایسے ہی کیا مطلب؟ کیا تم اس قدر خوش ہو کہ آج میرے لیے کسی سواری کو نہیں اٹھا رہے ہو۔ کمائی نہیں کر رہے ہو۔ اتنے خوش ہو کہ جوس پلا رہے ہو۔ اب میں

تم سے کہوں گی کہ بھوک لگ رہی ہے تو کھانا بھی اپنی جیب سے کھلاؤ گے۔"

"یہ میری خوش قسمتی ہوگی۔ میں ضرور کھلاؤں گا۔"

"دیکھو' میں جلدی گھر نہیں جانا چاہتی' کیا تم مجھے سمندر کے کنارے لے جاؤ گے۔ میں ٹھنڈی ہوا کھانا چاہتی ہوں۔"

وہ خوش ہو کر بولا "یہ تو میرے دل کی بات ہے' میں ابھی لے چلتا ہوں۔"

وہ خوشی میں کہہ گیا تھا کہ یہ اس کے دل کی بات ہے اور اسی بات نے بہت کچھ ظاہر کر دیا۔ ویسے بھی وہ پیچھے بیٹھنے والی نادان نہیں تھی۔ بہت دیر سے بہت کچھ سمجھتی جا رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔

"یہ تم نے پھول کی پتیاں کیوں بکھیری ہیں؟"

"وہ بات یہ ہے کہ.... ایک بارات کی سواری تھی۔ دلہن کو لے گیا تھا۔"

"جھوٹ بولتے ہو' اگر ان پتیوں پر دولہا' دلہن یا کوئی بھی بیٹھتا تو ان میں سے کچھ مسلی ہوئی ہوتیں۔ کچھ مرجھائی ہوتیں لیکن سب کی سب تر و تازہ ہیں۔"

وہ چپ رہا۔ جواب میں کہہ بھی کیا سکتا تھا۔ وہ کہنے لگی "میں نادان نہیں ہوں اور ایسی بھی نہیں ہوں کہ کسی اجنبی کے ساتھ سمندر کے کنارے ہوا کھانے تنہا چلی جاؤں۔ یہ بے حیائی نہیں ہے بلکہ میری خود اعتمادی ہے۔ مجھے اپنے آپ پر بہت اعتماد ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ جب میں کمزور نہیں ہوں تو دنیا کی کوئی طاقت مجھے کمزور نہیں بنا سکتی۔"

"میں کیا بولوں۔ بس تمہاری باتیں سن کر دل خوش ہو جاتا ہے۔"

"مجھے بتاؤ تم کون ہو؟"

"وہی ہوں جو تم دیکھ رہی ہو۔ ایک ٹیکسی ڈرائیور۔"

"تم مجھے ایسے نہیں لگتے۔ یوں لگتا ہے جیسے کسی بڑے خاندان کے یا بہت اچھے خاندان کے فرد ہو اور بہت پڑھے لکھے ہو۔ حالات سے مجبور ہو کر ٹیکسی چلا رہے ہو۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ حالات تو ہر آدمی کو مجبور کرتے ہیں۔ میں ادھر دو برس تک سعودی عرب میں کام کرتا رہا۔ وہاں سے اسی ہزار روپے لے کر آیا۔ ادھر بیس ہزار میں ایک چھوٹا سا مکان بنایا۔ پچاس ہزار میں یہ ٹیکسی خریدی۔ پانچ برس سے یہ ٹیکسی چلا رہا ہوں۔"

"تم نے شادی نہیں کی۔"

"نہیں، مجھے کبھی کبھی ایسا لگتا ہے جیسے میں آدمی نہیں ہوں، صرف ڈرائیور ہوں۔ اگر ہوں تو پورا آدمی نہیں ہوں۔ ابھی تم نے بہت اچھی بات کہی تھی کہ ہمارے پاس آدھا چہرہ ہوتا ہے اور ہم باقی آدھے کو چھپاتے ہیں۔ جو میرا ٹیکسی ڈرائیور والا چہرہ ہے، اسے میں چھپانا چاہتا ہوں مگر چھپتا نہیں ہے۔ اگر یہ کہیں چھپ جاتا ہے تو میری بہت بڑی خواہش پوری ہو جاتی کہ مجھے کسی اچھے شریف گھرانے میں لڑکی ملے۔"

"وہ تو مل گئی ہے۔"

وہ ذرا چپ رہا پھر بولا "آج مجھے جنٹلمین بن کر ٹیکسی میں بیٹھنا اچھا لگا۔ خوشبو بہت پیاری لگی۔ اپنی ٹیکسی میں پھولوں کی بارش کرنے کو جی چاہا۔ اب اگر وہ نہ ملی تو میں ایمان سے کہتا ہوں، مر جاؤں گا۔"

پچھلی سیٹ کی طرف خاموشی رہی۔ ٹیکسی اپنی مخصوص رفتار کے ساتھ بڑی سی شاہراہ پر دوڑتے ہوئے کلفٹن کی طرف جا رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد پچھلی سیٹ سے ایک سوال ابھرا "کیا مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگ سکتا ہے؟"

وہ ذرا چپ رہا، ذرا سوچتا رہا پھر بولا "میں اسی بات کو ذرا الٹا کر بولتا ہوں، میں گدڑی ہوں، مجھ میں لعل لگ سکتے ہیں۔"

بڑی ہی جوڑ توڑ کرنے والی باتیں ہو رہی تھیں۔ وہ سوچنے لگی پھر سوچ کر بولی "تم اس لڑکی کے دماغ میں بیٹھ کر سوچو جو کوٹھی میں رہتی ہے۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کرتی ہے۔ جس کا اونچی سوسائٹی میں اٹھنا بیٹھنا ہے، کیا وہ لڑکی اپنے لوگوں سے یہ بول سکے گی کہ اس نے ایک ٹیکسی ڈرائیور کو اپنا جیون ساتھی بنایا ہے۔ کیا ہمارے سماج میں الگ الگ مرتبے نہیں ہیں۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا "اسی لیے تو میں اپنے آپ کو پورا آدمی نہیں سمجھتا۔ آدھا آدمی ہوں اگر پورا آدمی ہوتا تو ٹیکسی میں نہ ہوتا۔ ایک ائرکنڈیشنڈ کار میں بیٹھ کر اس لڑکی کے دروازے پر رشتہ مانگنے جاتا۔"

"تم ایسے نہیں ہو پھر کیا ہو سکتا ہے؟"

"میں نے اپنی انورسٹی میں یہ سیکھا ہے کہ جھک کر کسی کو نیچے سے اٹھا لو اور اپنے

برابر لے آؤ۔ کیا کتابوں والی انورسٹی میں یہ سبق نہیں پڑھایا جاتا۔"

وہ ونڈ اسکرین کے پار دیکھتا ہوا اپنے جواب کا انتظار کرنے لگا۔ پیچھے خاموشی رہی۔ گاڑی اپنی رفتار سے دوڑتی رہی۔ وہ انتظار کرتا رہا۔ بہت دیر بعد آواز آئی۔ "تم مجھے ان پڑھ نہیں لگتے۔ میری بات کو بڑی سادگی سے کاٹ رہے ہو۔"

وہ بولا "ہمارے مستری چاچا ہیں نا، وہ کہتے ہیں ہمارے رسول اللہ نے کچھ نہیں پڑھا تھا مگر ساری دنیا کو پڑھا دیا۔ ان پڑھ ہونا ایک مجبوری بھی ہو سکتی ہے مگر جاہل ہونا سب سے بری بات ہے اور چاچا کہتے ہیں کہ میں جاہل نہیں ہوں، صرف ان پڑھ ہوں۔"

اس نے کلفٹن کے پارکنگ ایریا میں گاڑی کو روکتے ہوئے کہا "تم نے دوپہر کا کھانا نہیں کھایا ہے؟"

وہ بولی "کیا تم نے کھا لیا ہے؟"

وہ مسکراتے ہوئے بولا "آج پہلی بار میں نے دن کا کھانا نہیں کھایا؟"

"کیوں نہیں کھایا؟"

"بس کیا بتاؤں۔ صبح سے اتنا خوش ہوں، اتنا خوش ہوں کہ اپنے آپ کو بھولا ہوا ہوں، کھانا کہاں یاد رہے گا۔"

لڑکی کی نظریں جھک گئیں پھر وہ بولی "اگر تمہیں بھوک لگی ہے تو چل کر کھا لو۔"

"اور تم؟"

"میں ٹھہر کر کھاؤں گی۔ میں نے بتایا نا کہ ایک لاش کے ساتھ وقت گزار کر آ رہی ہوں۔ اسے اپنے ہاتھوں سے چیرا ہے، کاٹا ہے اس کی اناٹومی کی ہے۔ اس لیے ابھی میرا دل کھانے کو نہیں چاہ رہا۔"

"کوئی بات نہیں۔ میں بھی ٹھہر کر کھا لوں گا۔ ابھی بھوک نہیں ہے۔"

اس نے گاڑی کو اسٹارٹ کر کے بیک کیا پھر اسے ساحل کی طرف لے جانے لگا۔ کھڑکی کے شیشے اتر گئے تھے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا آ رہی تھی۔ اس نے عقب نما آئینے میں دیکھا۔ لڑکی کی سیاہ زلفیں ہوا کی زد میں اڑ رہی تھیں۔ سیاہ بالوں کے پیش منظر میں اس کا گورا گورا چہرہ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ آئینے سے نظریں ہٹانے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ اس کی آنکھوں، اس کی ناک، اس کے ہونٹ اور اس کے چہرے کی فن کارانہ تراش کو دیکھ کر وہ

بے چینی سے سوچتا تھا کہ شاعر کیسے اپنی محبوبہ کی ایک ایک چیز کی تعریف کرتے ہیں۔ میں تو کچھ بول بھی نہیں سکتا۔ شاید اس کی تعریف یہی ہے کہ اس کے حسن کے بارے میں کوئی بول ہی نہ سکے۔

ساحل پر مرد' عورتیں اور بچے دور دور تک نظر آرہے تھے۔ وہ ساحل کے ساتھ ڈرائیو کرتا چلا گیا۔ لوگوں کی بھیڑ سے دور نکل گیا۔ ساحل کے ایک ویران حصے میں پہنچ کر اس نے ٹیکسی روک دی۔ لڑکی نے یہ سوال نہیں کیا کہ وہ اتنی دور ویرانے میں کیوں لے آیا ہے؟ ٹیکسی میں کوئی اور ہوتی تو بادشاہ جانی اس کے متعلق اچھی رائے قائم نہ کرتا۔ اس کا تجربہ یہی تھا۔ دن رات ٹیکسی چلاتے چلاتے اس نے ایسی بے حیا عورتوں کو دیکھا تھا جو تنہا کسی مرد کے ساتھ ٹیکسی میں بیٹھ کر ویران علاقوں کی طرف جاتی تھیں۔ یہ سمندر کے ساحل پر بھی آتی تھیں لیکن اس لڑکی کے متعلق وہ کوئی غلط بات سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا بلکہ محبت کا زور وشور ایسا تھا کہ کسی کمزور پہلو سے لڑکی کے متعلق سوچنے کی فرصت ہی نہیں مل رہی تھی۔

وہ دونوں ٹیکسی کا دروازہ کھول کر باہر آگئے۔ پکی سڑک کو چھوڑ کر ساحل کی ریت پر پہنچ گئے۔ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس جگہ آئے جہاں سمندر کی لہریں زور سے آتی تھیں اور ان کے قدموں تک پہنچ کر سست پڑ جاتی تھیں پھر وہ ایک طرف چلنے لگے۔ بادشاہ جانی نے کہا "تم اپنی کوئی بات بولو؟"

"میں کیا بولوں' میں تمہاری ٹیکسی میں بیٹھ کر کالج گئی تو تمہاری باتیں بہت دلچسپ لگیں۔ تم ایسے انداز میں گفتگو کر رہے تھے کہ آج تک میں نے کسی ٹیکسی ڈرائیور کو اتنی سادگی اور اتنی نادانی سے باتیں کرتے ہوئے نہیں سنا پھر کالج جا کر میں تمہیں بھول گئی۔ ڈس سیکشن کے بعد میری طبیعت بگڑ سی گئی تھی۔ مجھے اندر سے گھبراہٹ محسوس ہو رہی تھی۔ میں تھوڑی دیر پنکھے کے نیچے بیٹھی رہی پھر وہاں سے لڑکھڑاتے ہوئے قدموں کے ساتھ باہر گیٹ پر آگئی۔ میرا جی چاہتا تھا کہ کوئی آرام دہ گاڑی ہو اور میں اطمینان سے بیٹھ کر اپنے گھر پہنچ جاؤں۔ کالج کی گاڑی میں لڑکے لڑکیاں بہت شور مچاتے ہیں اور پبلک بس میں جگہ نہیں ملتی۔ ایسے ہی وقت تم نگاہوں کے سامنے آگئے۔ میں تمہاری ٹیکسی کا دروازہ کھولا تو ایسی خوشبو' ایسی جنت ملی جس کی مجھے تلاش تھی۔ ایک لاش کے پاس سے

گزر کر آنے کے بعد مجھے ایسا لگا جیسے میں کسی مہربان کی پناہ میں آگئی ہوں اور وہ ابھی مجھے تھپک تھپک کر سلا دے گا۔"

اس نے اپنی سینڈلیں اتار کر ہاتھ میں پکڑ لیں اور ننگے پاؤں ریت پر چلتے ہوئے بولی "جب میں کالج سے آرہی تھی اس وقت میرے پاس صرف پندرہ روپے تھے۔ زیادہ رقم ہوتی اور ایسے میں تم کرایہ لینے سے انکار کرتے' خواہ تم کتنے ہی خوش ہوتے' تو مجھے وہ بات بری لگتی۔ میں غصے ہو کر پوچھتی کہ کرایہ کیوں نہیں لوگے؟ تم نے مجھے ایسی ویسی لڑکی سمجھا ہے لیکن اس وقت میں نے تمہیں ایک احمق سمجھ کر پیسے بچا لیے۔ میری امی ایک اسکول ٹیچر ہیں۔ بہت محدود آمدنی ہے۔ مجھے بہت سوچ سمجھ کر خرچ کرنا پڑتا ہے۔ میں امی پر بوجھ نہیں بننا چاہتی۔ سوچتی ہوں جلدی سے یہ آخری سال ختم ہو جائے تو پریکٹس شروع کروں۔ کچھ آمدنی کا ذریعہ ہو۔"

وہ ایک دم چونک کر بولی "اوہ' میں کیا کہنے جا رہی تھی اور کیا کہنے لگی۔ دراصل میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ مجھے تمہاری ٹیکسی میں ایک بار مفت سفر کرنے کے بعد دوسری بار نہیں بیٹھنا چاہیے تھا مگر حالات نے مجبور کر دیا۔ ایک تو میں بہت زیادہ تھکی ہوئی تھی' پریشان تھی' آرام دہ گاڑی میں سفر کرنا چاہتی تھی۔ دوسری بات یہ کہ......"

اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ سر اٹھا کر بادشاہ جانی کو دیکھا پھر کہا "تمہارے بدلے ہوئے حلیے کو دیکھ کر ہی ساری باتیں مجھ پر روشن ہو گئیں۔ تم نے یہ حلیہ میرے لیے بدلا ہے۔ ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر پھولوں کی پنکھڑیاں میرے لیے بکھیری ہیں۔ ٹیکسی میں محدود خوشبو بھی میرے لیے ہی ہے۔ میں تھوڑی دیر گم صم رہی۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ تمہیں کیا کہوں؟ تمہارے خوابوں کو کیسے چکنا چور کروں؟ پھر میرے اندر کسی نے کہا کہ تم کوئی برے آدمی نہیں ہو۔ تمہارے اندر چھچھورا پن نہیں ہے۔ اچھے پڑھے لکھے لوگ بھی بہت ہی چھچھورے اور بے ڈھنگے انداز میں اپنی پسند' اپنی محبت اور اپنی طلب پیش کرتے ہیں۔ تم ایک ان پڑھ ٹیکسی ڈرائیور ہو مگر پھولوں اور خوشبوؤں کی زبان سے اپنے دل کی بات ظاہر کر دی' اپنی زبان سے کچھ نہیں کہا۔ تمہارا یہ شاعرانہ انداز مجھے بہت اچھا لگا۔ میں اتنی دور ویران ساحل تک اس اعتماد سے آگئی ہوں کہ تم کوئی سستی طبیعت کے آدمی نہیں ہو۔"

وہ چلتے چلتے رک گئی پھر سمندر کو دور تک دیکھنے لگی۔ وہ جس جگہ کھڑی ہوئی تھی، وہاں تک سمندر کی لہریں پہنچ رہی تھیں۔ بادشاہ جانی کے جوتے بھیگ رہے تھے۔ وہ ذرا پیچھے ہٹ کر بیٹھ گیا اور اپنے جوتے اتارنے لگا۔ وہ بولی "ہم باتوں ہی باتوں میں بہت دور نکل آئے ہیں۔ واپس چلیں؟"

وہ اپنے ایک ہاتھ میں جوتے اور موزے اٹھا کر کھڑا ہو گیا پھر اس کے ساتھ واپس چلتے ہوئے بولا "اپنی بات کچھ تو بولو۔"

"اور کیا بولوں۔ مجھے شرمندگی ہے کہ میری وجہ سے تمہاری گاڑی کا پیٹرول جل رہا ہے۔ تم میرے لیے اپنی سواریاں چھوڑ کر نقصان اٹھا رہے ہو اور میں تفریح کر رہی ہوں۔"

"ایسی بات نہ بولو۔ تم پیٹرول جلنے کی بات کرتی ہو۔ میں تمہارے لیے اپنا گھر پھونک سکتا ہوں۔ اپنی زندگی کو داؤ پر لگا سکتا ہوں۔ بس تم اپنی اچھی اچھی باتیں بولتی جاؤ۔ میں سن رہا ہوں۔ بہت اچھا لگ رہا ہے، جب تم گھر چلی جاؤ گی تو میں انہی باتوں سے آج کا دن، آج کی رات گزار لوں گا۔ کل صبح تمہاری باتیں پھر سنوں گا۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اسی طرح میری زندگی گزر جائے۔ میں آگے پیچھے، دائیں بائیں دنیا کو بالکل نہ دیکھوں۔ دیکھوں تو تمہیں ہی دیکھوں۔"

"کیا میں بہت اچھی لگتی ہوں؟"

"بہت اور بہت اچھی لگتی ہو۔"

"میں تمہیں ایک بات بتا دوں کہ جیسی میں نظر آ رہی ہوں، ویسی خوب صورت نہیں ہوں۔ تم مجھے مکمل دیکھ رہے ہو اور میں آدھی ہوں۔ میرا آدھا چہرہ بہت ہی بھیانک ہے۔"

وہ اسے دیکھ کر ہنسنے لگا پھر بولا "ابھی تک تمہیں اس لاش کا چہرہ نظر آ رہا ہے۔ تم نے بتایا تھا کہ وہ ایک حسین لڑکی کی لاش تھی۔"

"ہاں، میں نے اس کا آدھا خوب صورت اور آدھا بد صورت چہرہ دیکھنے کے بعد ہی رائے قائم کی ہے کہ حسن پانی کا بلبلہ ہوتا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے فنا ہو جاتا ہے۔ اگر میرے پاس یہ حسن نہ رہے میرا چہرہ بگڑ جائے تو کیا تمہاری طلب ویسی ہی رہے گی۔"

"میں تمہیں چاہتا ہوں، تم جس صورت میں بھی ملوگی، میں تمہیں اپنا بنا لوں گا۔"

"سوچ سمجھ کر جواب دو۔ تم نے مجھے کیوں پسند کیا؟ پہلے میرا چہرہ ہی دیکھا تھا۔ لوگ پہلے ظاہری حسن کو دیکھتے ہیں۔ اس حسن کے اندر جو خوب صورتی ہوتی ہے اسے بعد میں پہچانا جاتا ہے۔ کتنی ہی بد صورت لڑکیاں ہوتی ہیں جو اندر سے خوب صورت ہوتی ہیں لیکن کوئی انہیں پسند نہیں کرتا کیونکہ ان میں بظاہر متاثر کرنے والی کوئی بات نہیں ہوتی۔"

"میں تو بس اتنا جانتا ہوں کہ زندگی میں پہلی بار تمہیں پسند کیا ہے۔ تمہیں ہی صبح سے اب تک بار بار دیکھا ہے ورنہ میں کسی کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا۔ اب تم جیسی بھی صورت لے کر مجھے ملوگی، تم ہی رہوگی۔ کوئی دوسری لڑکی نہیں بن جاؤ گی پھر میں تم سے منہ کیسے پھیر سکوں گا۔"

وہ باتیں کرتے کرتے ٹیکسی کے پاس آ گئے۔ بادشاہ جانی نے آگے بڑھ کر ٹیکسی کا پچھلا دروازہ کھولا۔ لڑکی نے کھلے ہوئے دروازے کو دیکھا پہلے تو آگے نہیں بڑھی پھر اس نے آگے بڑھ کر دروازے کو بند کر دیا۔ ٹیکسی کے دوسری طرف گھوم کر گئی اور آگے والے دروازے کو کھول کر سامنے کی طرف بیٹھ گئی۔ بادشاہ جانی خوشی سے کھل گیا۔ اس نے اسٹیرنگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کار کو اسٹارٹ کیا پھر اسے واپس موڑ کر کلفٹن کے ریستوران کے سامنے پہنچ گیا۔ "اب تو بہت زور کی بھوک لگی ہے۔ تمہیں میرا ساتھ دینا ہی ہوگا۔"

وہ گاڑی سے اتر گئی۔ اس نے گاڑی کو لاک کیا پھر وہ ریستوران میں آ کر بیٹھ گئے۔ اس نے کہا "سچی بات بتا دوں کہ میں نے بڑے ہوٹلوں میں کبھی نہیں کھایا۔ تم خود ہی کھانے کا آرڈر دے دو۔"

جب بیرا آیا لڑکی نے کھانے کا آرڈر دیا۔ بیرے کے جانے کے بعد بادشاہ جانی نے پوچھا "تم کالج سے نکل کر میرے ساتھ چلی آئی ہو۔ تمہارے گھر والے پریشان نہیں ہوں گے۔ جب تم جاؤ گی تو معلوم نہیں وہ لوگ کیا کیا پوچھیں گے؟"

وہ بڑے اعتماد سے بولی "میری امی کو مجھ پر بھروسا ہے۔ میں یہاں سے جا کر بتاؤں گی کہ میں تمہارے ساتھ وقت گزار رہی تھی۔ میری امی نے بچپن ہی سے سچ بولنے کی تعلیم

دی ہے' جہاں سچائی ہوتی ہے' وہاں بے اعتمادی نہیں ہوتی۔ ماں کو بیٹی پر اعتماد ہے اور بیٹی کو ماں پر فخر ہے۔"

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے مگر سوچ کے دیکھو تو خون کے رشتوں میں اتنا اعتماد نہیں ہوتا جتنا کہ ایک ٹیکسی ڈرائیور پر ہوتا ہے۔ کوئی بھی اکیلی عورت ٹیکسی میں سفر کرتے وقت ڈرائیور پر بھروسا کرتی ہے کہ وہ اسے بھگا کر نہیں لے جائے گا۔ جو منزل بتادی ہے' اسی منزل پر پہنچائے گا۔ اس سے بڑا اعتماد اور کسی پر نہیں ہو سکتا۔ تمہارا نام کیا ہے؟"

اس نے پلکیں اٹھا کر دیکھا۔ نظریں ٹکرائیں تو اس نے نظریں جھکالیں۔ کرسی پر ذرا بے چینی سے پہلو بدلا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ نام بتانا نہیں چاہتی ہو یا اپنا نام بھول گئی ہو اور یاد کررہی ہو پھر اس نے بتادیا "رخسانہ فرید۔"

میز پر کھانا چن دیا گیا۔ کھانے کے دوران بادشاہ نے پوچھا "تمہارے ابا کیا کرتے ہیں؟"

"تاش کھیلتے ہیں' شعروشاعری کرتے ہیں۔ ان سے محنت نہیں ہوتی۔ کبھی ایک ملازمت کرتے ہیں پھر دوسری ملازمت کرتے ہیں' چھوڑ دیتے ہیں۔ اکثر بے کار رہتے ہیں۔ گھر کا زیادہ بوجھ امی کے کاندھوں پر ہے۔ وہ اسکول ٹیچر ہیں۔ میرے تعلیمی اخراجات پورے کرنے کے لیے ٹیوشن بھی پڑھاتی ہیں۔ میری امی بہت اچھی ہیں۔"

"میں تمہاری امی کا بوجھ تھوڑا ہلکا کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تم کہو تو میں مستری چاچا کو رشتے کی بات کرنے کے لیے تمہارے گھر بھیج دوں۔"

اس نے ایک دم حیران ہو کر دیکھا جیسے کوئی انہونی بات کہی گئی ہو پھر وہ سر جھکا کر بولی "یہ کیا کہہ رہے ہو؟ ہم آج ہی ملے ہیں اور آج ہی تم اس حد تک بڑھنا چاہتے ہو۔ پہلے ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھنا ضروری ہوتا ہے۔ ٹھیک ہے کہ ہم آپس میں اس طرح اتنی جلدی مل بیٹھے ہیں۔ یہ ابتدائی اعتماد کی بات ہے اس اعتماد کے ذریعے آگے ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔"

"تم اپنی جگہ ٹھیک کہتی ہو لیکن میں اپنے چاروں طرف یہی دیکھتا ہوں کہ شادی بیاہ کے معاملے میں لڑکی اور لڑکا ایک دوسرے کو دیکھتے بھی نہیں ہیں۔ سمجھنے کی بات تو دور کی ہے' تم بولو' ہمارے ملک میں ایسا ہوتا ہے کیا؟"

"نہیں ہوتا لیکن ہمارا معاملہ الگ ہے۔ ہمارے درمیان سماجی مرتبے کی جو اونچ نیچ ہے' اسے کیسے برابر کیا جائے۔ اس مسئلے پر ذرا غور کرنا ہوگا۔"

"تو دیر کیا ہے' ہم ابھی غور کرلیتے ہیں۔"

وہ کھانا کھانے لگے۔ دونوں چپ تھے۔ جیسے اپنی اپنی جگہ سوچ رہے ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد بادشاہ جانی نے پوچھا "تم غور کررہی ہو نا؟"

"یہ تمہارے سوچنے کی بات ہے۔ تمہیں سوچنا چاہیے کہ کس طرح ایک ٹیکسی ڈرائیور کی سطح سے اٹھ کر سفید پوشوں کی سطح تک پہنچ سکتے ہو۔ تم مرد ہو' اپنی جدوجہد کو خود سمجھ سکتے ہو۔"

"ایک ہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ ٹیکسی چلانا چھوڑ دوں تاکہ یہ ٹیکسی ڈرائیور والا جو سائن بورڈ میرے اوپر لگا ہوا ہے' یہ ہٹ جائے۔"

"تم کہتے ہو کہ ٹیکسی سے تمہیں کافی منافع حاصل ہوتا ہے۔ اچھا کماتے ہو' اچھا کھاتے ہو' ایک مکان بھی بنالیا ہے پھر آمدنی کے اتنے اچھے ذریعے کو کیوں ختم کرو گے۔"

"تو پھر کیاں کروں؟"

"کچھ ایسا کرو کہ ٹیکسی بھی چلتی رہے اور تم ٹیکسی ڈرائیور بھی نہ کہلاؤ مثلاً یہ کہ تم کسی اور سے ٹیکسی چلوایا کرو اور خود مہاجن بن کر رہو۔"

وہ ذرا چپ رہا پھر نیم دلی سے بولا "ہاں' ایسا ہو سکتا ہے۔"

وہ سر جھکائے کھانے میں مصروف تھی۔ ایک لقمہ چباتے ہوئے بولی "اور اس میں جھوٹ بھی کیا ہے۔ ٹیکسی تمہاری ہے اور تم مالک ہو' میں اپنے گھروالوں سے بے دھڑک کہہ سکتی ہوں کہ تم ٹیکسی ڈرائیور نہیں ہو۔"

وہ چپ چاپ کھاتا رہا' کھانا ختم ہونے کے بعد انہوں نے بل ادا کیا پھر وہاں سے ٹیکسی میں آگئے۔ وہ پہلے کی طرح اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ بادشاہ جانی چپ چاپ سا تھا۔ گاڑی اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھی تو رخسانہ نے پوچھا "کیا بات ہے' تم بالکل خاموش ہوگئے۔ کچھ سوچ رہے ہو؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا "میں نے ابھی کہا تھا کہ میرے اوپر سے ٹیکسی

ڈرائیور کا سائن بورڈ کیسے ہٹ سکتا ہے۔ تم نے طریقہ بتا دیا۔ اچھا طریقہ ہے۔ اس سے میں تمہارے گھرانے میں اپنی عزت بنا سکتا ہوں مگر اندر سے میرا دل کہتا ہے کہ یہ اچھی بات نہیں ہے۔ میں ٹیکسی ڈرائیور ہوں۔ اس میں برائی کیا ہے؟ کیا میں محنت نہیں کرتا ہوں کہ لوگ میری طرف انگلی اٹھا کر کہیں کہ یہ بدمعاش ہے' مجرم ہے' گناہ گار ہے۔ اگر میں یہ سب نہیں ہوں تو ٹیکسی ڈرائیور ہونا بری بات کیوں ہے۔"

"تم ایسے نہیں ہو' دوسرے تو ایسے ہیں۔ مسافروں کو لوٹتے ہیں۔ ٹیکسی کا میٹر تیز سے تیز کر دیتے ہیں۔"

"تم لوٹنے کی بات نہ کرو۔ ہمارے شہر میں کون سی ایسی جگہ ہے جہاں ایک آدمی دوسرے کو نہیں لوٹتا ہے۔ یہ ڈاکٹر لوگ' جنھوں نے بڑی بڑی بلڈنگوں میں اپنی اپنی دکان کھول رکھی ہے اور ایک مریض سے سو روپے فیس لیتے ہیں تو ان کے میٹر کتنے تیز ہیں۔ میں نے سنا ہے یہ اسپیشل ڈاکٹر لوگ ایک دن میں دو تین ہزار روپے کماتے ہیں۔ یہ اندھی کمائی' یہ اندھا میٹر کتنی تیز رفتاری سے چل رہا ہے لیکن انہیں کوئی یہ نہیں کہتا کہ یہ لوٹ رہے ہیں۔ ایک غریب آدمی کیا سو روپے دے کر ان سے علاج کرا سکتا ہے۔ کیا بڑے آدمیوں کو ہی اسپیشل مرض ہوتا ہے کہ وہ اسپیشل ڈاکٹر بیٹھتے ہیں۔ لوٹ گھسوٹ بڑے لوگوں میں زیادہ ہے' ہم چھوٹے لوگ ذرا میٹر تیز کر دیتے ہیں تو بدنام ہو جاتے ہیں۔"

"دوسروں کو برا کہنے سے اپنی برائی ختم نہیں ہوتی۔"

"کیا دولت کمانے والے لوگ ٹیکسی ڈرائیوروں کو بدمعاش کہہ کر برائی ختم کر دیتے ہیں؟ اصل بات یہ ہے جی کہ ہم سب لوگوں نے مل کر اپنی اپنی ایک جماعت بنائی ہے اور ہم اپنی اپنی جماعت میں بیٹھ کر اپنے اپنے کو شریف بولتے ہیں۔ تم سفید پوش لوگ اپنے گن گاتے ہو۔ اپنی شرافت کا ڈھنڈورا پیٹتے ہو۔ دولت والے کسی کو منہ نہیں لگاتے کیونکہ ان کی نظر میں ہم سب لوگ نیچ ہیں۔ اس طرح ہم ٹیکسی ڈرائیور بھی اپنے بارے میں یہی سمجھتے ہیں کہ ہم جو کرتے ہیں' اچھا کرتے ہیں۔ جو کچھ ہمیں دنیا والوں سے ملتا ہے' وہ ہم انہیں واپس لوٹا دیتے ہیں۔ کوئی پولیس افسر ہماری گاڑی میں مفت بیٹھ کر پیٹرول جلاتا ہے تو ہم مسافروں کو جلاتے ہیں۔ ائیرپورٹ اور ریلوے اسٹیشن کے

مسافروں سے ہم تین گنا وصول کرتے ہیں کیونکہ وہاں کے ٹیکسی اسٹینڈ میں گاڑی کھڑی کرنے کے لیے پولیس والوں کو روزانہ بھتا دینا پڑتا ہے پھر ہم یہ پیسے کہاں سے لائیں گے؟ ہمارے پاس ایک ہی راستہ ہوتا ہے اور وہ ہے' مسافروں کی جیب۔ جب دو چار مسافر ٹیکسی میں بیٹھ کر نفرت سے بولتے ہیں "ابے اِدھر کہاں جاتا ہے' اُدھر چل۔" تو ہم اندر ہی اندر غصے سے کھولنے لگتے ہیں۔ ان دو چار آدمیوں کا اکیلے کچھ بگاڑ نہیں سکتے اس لیے دوسرے مسافروں سے انتقام لینے کے لیے ہم بھی نفرت اور بدتمیزی سے باتیں کرتے ہیں' پھر ہم یہ نہیں دیکھتے کہ جن سے ہم بدتمیزی کر رہے ہیں' وہ بدمعاش ہیں یا شریف؟ ہمارے یہاں ایسی کوئی کسوٹی نہیں ہے۔ جس سے ہم شریفوں اور بدمعاشوں میں تمیز کر سکیں۔ اگر ہے تو مجھے بتا دو۔"

وہ کوئی جواب نہ دے سکی۔ ونڈ اسکرین کے پار دیکھتی رہی۔ راستہ خاموشی سے کٹ رہا تھا۔ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد بادشاہ جانی نے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھا پھر پوچھا "معلوم ہوتا ہے کہ تم ناراض ہو گئی ہو؟"

وہ چونک کر بولی "آں' کیا کیا؟ نہیں تو ناراض کیوں ہو سکتی ہوں۔"

"اس لیے کہ میں نے تمہاری جماعت کے لوگوں کو برا کہا ہے۔ دیکھو نا برائی تو ہر جگہ ہے جہاں انسان ہوں گے' وہاں برائی ہو گی تم خود ہی تو کہہ رہی تھیں نا کہ ہم سب کے آدھے آدھے چہرے ہیں اور ہم سب اپنے آدھے چہرے کو دوسروں سے چھپا کر رکھتے ہیں پھر ہم سب پورے شریف تو نہ ہوئے نا؟ آدھے بدمعاش' آدھے شریف ہیں۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولی "واقعی ہم دوسروں کو نیچا دکھانے میں اتنے مصروف رہتے ہیں کہ ہمیں اپنی گری ہوئی حیثیت یاد نہیں رہتی۔"

"تو پھر ہماری بات کہاں تک پہنچی؟"

وہ سوچنے لگی' پھر بولی "ہم ایک دوسرے کی سچی اور کھری باتوں کو مان لیں گے مگر ہمارے گھر والے نہیں مانیں گے۔ یہاں بات بات پر پردہ پوشی ہوتی ہے' یہاں ہر لمحہ یہ سوچا جاتا ہے کہ ہم دوسروں سے کیسے برتر رہیں اور برتری قائم رکھنے کا سب سے آسان طریقہ یہی ہے کہ دوسروں کو کمتر ظاہر کریں۔ میرے گھر والے تم کو کمتر سمجھیں گے۔ ہاں اگر تم ٹیکسی کے مالک بن جاؤ گے تو تمہاری حیثیت بدل جائے گی۔"

"تو بات یہاں تک پہنچی کہ میں اپنی حیثیت بدل دوں گا' اس کے بعد اور کوئی بات غور کرنے کے لیے رہ گئی ہے۔"

"کیا تم نشہ کرتے ہو؟"

"ایسی باتیں پوچھنے کا کیا فائدہ ہے؟ جب ہم اس بات کو مان گئے ہیں کہ ہر آدمی اپنا آدھا چہرہ چھپاتا ہے معلوم نہیں ہم دونوں بھی کیا چھپا رہے ہیں' جو بات چھپی ہوئی ہے اسے چھپی ہی رہنے دو۔"

وہ چپ رہی' جیسے اس نے بھی کوئی بات چھپا رکھی ہو اور اسے چھپائے رکھنا چاہتی ہو۔ بادشاہ جانی نے کہا "ویسے میں یہ بتادوں کہ کل تک نشہ کرتا تھا لیکن آج میں نے اپنے ڈیش بورڈ سے چرس کا سگریٹ نکال کر پھینک دیا۔ اب کبھی نشے کو منہ نہیں لگاؤں گا۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی "تمہاری سچائی نے مجھے بہت متاثر کیا ہے۔ میں جانتی ہوں کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو' وہ سچ ہوگا۔ تم آئندہ کبھی نشہ نہیں کرو گے۔ صبح سے میں نے تمہاری بہت ساری سیدھی سادی باتیں سنی ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ میں ....."

وہ بات پوری نہ کر سکی سر جھکا کر چپ ہوگئی۔ اس کے چہرے پر حیا کی لالی تھی۔ عباسی اسپتال کے قریب پہنچ کر اس نے رہنمائی کی۔ بادشاہ جانی نے اس کے گھر کے سامنے گاڑی روک دی۔ وہ دروازہ کھولتے ہوئی بولی "میں ابھی تمہیں بلاؤں گی' انتظار کرو۔"

وہ ذرا گھبرا کر بولا "تت ..... تم مجھے گھر بلاؤ گی۔ تمہارے گھر والے کیا بولیں گے؟"

وہ مسکراتے ہوئے بولی "میں نے کہا نا کہ امی صرف میری امی ہی نہیں' میری سہیلی بھی ہیں۔ میں ابھی آتی ہوں۔"

وہ چلی گئی۔ بادشاہ جانی سیٹ پر بے چینی سے پہلو بدلنے لگا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اسے اس طرح کسی گھر میں ہونے والے داماد کی حیثیت سے جانا ہوگا اور جب جانا ہی ہوگا تو وہ وہاں کیسے بیٹھے گا۔ کس طرح باتیں کرے گا' اگر اس کے ماں باپ نے کہہ دیا کہ میاں ہماری لڑکی بے حد حسین ہے' بے حد ذہین ہے۔ لیڈی ڈاکٹر بننے والی ہے۔ بڑے

بڑے گھرانوں سے اس کے رشتے آ رہے ہیں۔ وہ بہت بڑی ڈاکٹرنی بن کر سیکڑوں' ہزاروں اور لاکھوں روپے کمائے گی۔ تم نے اپنی حیثیت دیکھی ہے' تب وہ کیا جواب دے گا؟

اگر صرف داماد بننے والی بات ہوتی تو وہ وہاں سے بھاگ جاتا لیکن رخسانہ کی کشش نے اسے بٹھائے رکھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ آئی اور مسکراتے ہوئے بولی "اندر آجاؤ' میں نے امی سے تمہارا غائبانہ تعارف کرادیا ہے۔"

اس نے ٹیکسی کو لاک کیا' پھر سہمے ہوئے انداز میں اس کے پیچھے چلتا ہوا اس مکان کے پہلے کمرے میں داخل ہوا۔ وہ ایک چھوٹا سا ڈرائنگ روم تھا۔ پرانے فرنیچر تھے اور ایک پرانا ٹی وی رکھا ہوا تھا۔ اس کمرے کو ڈرائنگ روم بنانے کی ایک ناکام کوشش کی گئی تھی۔ فرش پر قالین کی جگہ دری بچھی ہوئی تھی پھر بھی ڈرائنگ روم بادشاہ جانی کو متاثر کرنے کے لیے کافی تھا کیونکہ وہاں جو بھی پرانی اور سستی چیزیں رکھی ہوئی تھیں' وہ بڑے سلیقے سے رکھی ہوئی تھیں اور ایسا سلیقہ بادشاہ جانی کی زندگی میں نہیں تھا۔ اس کے لیے ایک گھر والی کی ضرورت ہوتی ہے۔

ایک معمر خاتون کمرے میں داخل ہوئیں۔ انہیں دیکھتے ہی بادشاہ ہڑبڑا کر کھڑا ہوگیا۔ جلدی سے ہاتھ اٹھا کر سلام کیا۔ خاتون نے مسکرا کر جواب دیا اور اسے بیٹھنے کے لیے کہتے ہوئے خود سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئیں۔ اس کا نام پوچھا۔ نام کے بعد مقام کا پوچھا۔ "کہاں رہتے ہو۔ تمہارے کون کون رشتے دار ہیں؟"

"میرا کوئی نہیں ہے۔ دور کے رشتے دار بنگلہ دیش میں ہیں۔"

"تمہاری تعلیم کیا ہے؟"

"آٹھ جماعتیں پاس کرچکا ہوں۔"

"آگے تعلیم جاری کیوں نہیں رکھی؟"

"کوئی کمانے والا ہوتا' مجھے کھلانے اور پڑھانے والا ہوتا تو میں آگے پڑھ لیتا۔ اپنی زندگی گزارنے کے لیے پیٹ بھرنے کے لیے مزدوری کرنا پڑی۔"

"کیا ٹیکسی چلاتے ہو؟"

"کبھی ڈرائیور نہیں ہوتا تو مجبوراً چلانی پڑتی ہے۔ نہیں تو ڈرائیور چلاتے ہیں۔"

"تمہارے پاس کتنی ٹیکسیاں ہیں؟"

"ابھی تو ایک ہے۔ انشاء اللہ جلد ہی دوسری خرید لوں گا۔"

"کیا تمہارا مکان اپنا ہے۔"

"جی ہاں' اپنا ہی ہے۔"

"کتنے گز کے پلاٹ پر ہے؟"

"ابھی تو اسی گز کا پلاٹ ہے۔ کل اس کے ساتھ ایک اور اسی گز کا پلاٹ خرید لوں گا۔"

وہ تھوڑی دیر سر جھکا کر سوچتی رہیں پھر بولیں "رخسانہ کو تم نے دیکھا ہے' وہ ایسی ہے کہ اس کے لیے بڑے بڑے گھروں سے رشتے آتے ہیں۔ لڑکے والے میری بیٹی کے نام اپنا مکان لکھنے کو تیار ہیں۔ پکے کاغذ پر یہ بھی لکھنا چاہتے ہیں کہ وہ ہر مہینے دو ہزار روپے لڑکی کو خرچ کے لیے دیا کریں گے۔ کتنے ہی ایسے ہیں جو مہر کی رقم ایک لاکھ روپے تک مقرر کرنے کو تیار ہیں۔"

وہ سر جھکا کر سن رہا تھا اور احساس کمتری میں مبتلا ہو رہا تھا۔ اس نے آہستگی سے کہا "میں جو کچھ بھی ہوں' آپ کے سامنے ہوں' اپنے سے جو کچھ بھی ہو سکے گا' میں کروں گا۔"

رخسانہ ایک ٹرے میں چائے اور ناشتا لے کر کمرے میں داخل ہوئی۔ ہولے سے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا پھر ایک ہاتھ سے اپنے سر پر آنچل درست کیا۔ سر کو جھکایا اور اپنی امی کے سامنے بڑے ادب سے چلتے ہوئے آئی۔ ایک تپائی پر ناشتے کی ٹرے رکھی پر اس تپائی کو بادشاہ جانی کے قریب کر دیا۔ ایسا کرنے کے دوران میں جب بھی وہ بادشاہ جانی کی طرف رخ کرتی تھی تو پلکیں اٹھا کر بڑے ہی میٹھے انداز میں دیکھتی تھی۔ اس کی نظریں سیدھی دل میں اتر جاتی تھیں۔ وہ اتنی بھولی بھالی' اتنی پیاری پیاری سی لگ رہی تھی۔ اس کی اداؤں میں ایسی اپنائیت تھی کہ اس کے لیے وہ اپنا سب کچھ قربان کر سکتا تھا' اپنا گھر' اپنی ٹیکسی اور اپنی جان بھی۔ بشرطیکہ اس کی امی یہ سب کچھ قبول کر لیتیں۔

وہ ناشتا رکھ کر چلی گئی۔ خاتون نے کہا "ناشتا کرو۔"

وہ بولا "میں نے ابھی تھوڑی دیر پہلے دوپہر کا کھانا کھایا ہے اس لیے صرف چائے پیوں گا۔"

پھر اس نے چائے کی پیالی اٹھاتے ہوئے کہا "مجھ کو کبھی کسی کی محبت نہیں ملی۔ میں اتنی بڑی دنیا میں ہمیشہ اکیلا اکیلا رہا۔ آج ایک مدت کے بعد کسی گھر میں آیا ہوں۔ آپ سے محبت چاہتا ہوں' آپ مجھے بیٹا بنا لیں گی تو میرا سب کچھ آپ ہی لوگوں کے لیے ہوگا۔ میں بہت زیادہ پیسے والا نہیں ہوں مگر اتنا کما لیتا ہوں کہ کبھی تنگی نہیں ہوئی' آرام سے گزر بسر ہو جاتی ہے۔"

وہ چائے پینے لگا۔ اسے خاطر خواہ جواب نہیں مل رہا تھا۔ وہ خاموشی سے بیٹھی ہوئی اسے دیکھے جا رہی تھیں اور وہ نظریں جھکائے ہوئے تھا۔ چائے حلق سے نہیں اتر رہی تھی۔ وہ جبراً زہر مار کر رہا تھا' پھر پیالی خالی ہو گئی۔ اس نے ٹرے پر پیالی رکھ دی اور جواب کے انتظار میں اسی طرح سر جھکائے بیٹھا رہا۔ خاتون نے بہت دیر بعد کہا "ٹھیک ہے' میں رخسانہ کے ابو سے بات کروں گی' پھر تم سے باتیں ہوں گی۔ میں اکیلی عورت اتنی جلدی اتنا بڑا فیصلہ نہیں کر سکتی۔ تم ابھی جاؤ۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا' پھر سلام کرنے کے بعد سر جھکا کر کمرے سے نکل گیا۔ جب وہ باہر ٹیکسی کے پاس پہنچا تو وہاں رخسانہ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ دروازہ کھولتے ہوئے بولا "معلوم نہیں تمہاری امی کب جواب دیں؟ کیا جواب دیں؟ میرا دل اندر سے گھبرا رہا ہے۔ بڑے بڑے رشتے تمہارے لیے آئے ہوئے ہیں۔"

یہ کہتے ہوئے وہ اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ رخسانہ نے کہا "اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں کل بتاؤں گی کہ امی کا فیصلہ کیا ہے؟ تم بالکل اطمینان رکھو۔"

"میں کل تمہارے کالج جانے کے وقت گاڑی لے کر آؤں گا۔"

"یہاں گھر کے پاس مت آنا۔ امی شاید پسند نہ کریں۔ عباسی اسپتال کے پاس انتظار کرنا۔ میں ٹھیک نو بجے وہاں پہنچ جاؤں گی۔"

اس کی امی کی آواز سنائی دی "رخسانہ! یہاں آؤ۔"

وہ جلدی سے سر پر آنچل رکھ کر وہاں سے پلٹ کر جانے لگی۔ بادشاہ جانی نے ایک سرد آہ بھر کر بڑی حسرت سے دیکھا پھر گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ جہانگیر روڈ پر گیراج ابھی کھلا ہوا تھا۔ مزدور اسے دیکھ کر مسکرائے۔ مستری چاچا نے پوچھا "کیا بات ہے' بڑی جلدی ٹیکسی لے آیا۔ کیا گاڑی بند کرنے کا ارادہ ہے؟"

"چاچا' آج میں نے کوئی سواری نہیں اٹھائی۔ اس لڑکی کے ساتھ تمام دن گھومتا رہا۔"

یہ سنتے ہی تمام مزدور اچھل پڑے۔ سب اس کے قریب آنے لگے۔ وہاں دو ٹیکسی والے بھی تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا "ہاں بھئی' سنا ہے کوئی سونے کی چڑیا پھانسی ہے۔"

بادشاہ نے غرا کر کہا "منہ سنبھال کر بات کرو۔ وہ میری گھر والی بننے والی ہے۔"

اس نے کہا "ارے تو بادشاہ جانی ناراض کیوں ہوتے ہو۔ ایسی بات ہے تو ہم اپنی ہونے والی بھابی کا نام عزت سے لیں گے مگر نام کیا ہے؟"

وہ اکڑ کر بولا "رخسانہ' لیڈی ڈاکٹر رخسانہ ہے۔ وہ بہت بڑی ڈاکٹرنی ہے۔ معلوم ہے' وہ لاشوں کی چیر پھاڑ کرتی ہے۔"

سب لوگ اور قریب آ گئے۔ حیرانی سے اس کی باتیں سننے لگے۔ مستری چاچا بھی اس کی طرف متوجہ تھا۔ بادشاہ جانی کو خیال آیا کہ وہ ریسٹورنٹ میں کیسے کھا رہی تھی۔ اس نے کہا "معلوم ہے' وہ چھری کانٹے سے کھاتی ہے۔"

کہتے ہی لوگوں کے حلق سے حیرت بھری چیخ نکلی پھر ایک نے کہا "کیا مطلب! وہ لاشوں کو چیرتی پھاڑتی ہے؟ اور چھری کانٹے سے کھاتی ہے؟"

وہ ایک دم سے بھڑک کر بولا "ابے گدھے کہاں کی بات کہاں ملاتا ہے۔ میں نے کب کہا کہ وہ لاشوں کو کھاتی ہے۔ کوئی انسان ایسا کر سکتا ہے کیا؟ کمینے بات ہی نہیں سمجھتے' جاہل کے جاہل ہو۔ کبھی کسی پڑھی لکھی لڑکی کے ساتھ وقت گزارا ہو تو میری بات سمجھ میں آئے۔"

مستری چاچا نے کہا "ارے تم لوگ اپنا کام کرو۔ کیوں اسے پریشان کر رہے ہو۔ بادشاہ ادھر آ۔ مجھ سے بات کر۔ وہ لڑکی آج پھر تجھے ملی۔ سارا دن تیرے ساتھ گھومتی رہی اور تیری گھر والی بننے .... کے لیے راضی ہو گئی۔ دیکھ مجھے گڑبڑ لگتی ہے۔ تجھے اس کے بزرگوں سے ملنا چاہیے۔"

"چاچا اس کے سارے خاندان سے مل کر آ رہا ہوں۔ معلوم ہے اس کے لیے بڑے بڑے گھرانوں سے رشتے آئے ہیں۔ اس کے نام کتنے ہی لوگ کوٹھی لکھنا چاہتے

ہیں۔ لاکھوں روپے مہر کی رقم دینا چاہتے ہیں۔ اس کے ماہانہ خرچ کے لیے کاغذ پر لکھنے کو تیار ہیں۔"

"اس کی اتنی اونچی بولیاں لگ رہی ہیں' کیا وہاں تیری بولی قبول ہو جائے گی؟ کیا تو گھاس کھا گیا ہے۔ کچھ عقل سے کام لے۔"

"چاچا' آج صبح سے عقل میرے ساتھ نہیں ہے۔ بس وہی سامنے رہتی ہے۔ میں کچھ نہیں جانتا' بس اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

"خدا تیرے حال پر رحم کرے۔ پتا نہیں کہاں جا کر پھنسنے والا ہے۔"

اس نے مستری چاچا کا ہاتھ پکڑ کر عاجزی سے کہا "ایسا مت بولو۔ میرا دل چھوٹا مت کرو۔ میری ہمت بندھاؤ۔ تم نے وعدہ کیا تھا کہ کوئی شریف لڑکی پسند آ جائے گی' تو اس کے گھر جا کر میرا رشتہ مانگو گے۔ میں شروع میں ہونے والی ساری باتیں اس کی ماں سے کر چکا ہوں۔ اب آگے کی بات ہو گی' تم ضرور جاؤ گے چاچا۔"

"جوانی دیوانی ہوتی ہے۔ یہ بات ہم بوڑھے اچھی طرح جانتے ہیں' اسی لیے اپنی اولاد کا رشتہ خوب چھان بین کے بعد طے کرتے ہیں۔ اگر تو مجھے اس کے متعلق اچھی طرح چھان بین کا موقع دے گا تو میں تیرے رشتے کی بات کروں گا۔ اگر دیوانہ ہو کر' آنکھیں بند کر کے اس لڑکی کو قبول کرنا چاہے گا' تو میں پہلے سے کہے دیتا ہوں کہ مجھے بیچ میں نہ ڈالو۔"

"چاچا' میں چاہتا ہوں کہ تم میرے بڑے بن کر وہاں جاؤ مگر کوئی ایسی بات نہ کرو جو ان لوگوں کو پسند نہ آئے۔ نہیں تو بات بگڑ جائے گی۔"

"بیٹا' میں وہی بات کروں گا جو عقل سمجھاتی ہے اور تجربہ سکھاتا ہے۔ اگر وہ اصول کے خلاف کوئی بات کریں گے' تجھے لوٹنا چاہیں گے تو میں کیسے برداشت کر سکوں گا۔"

"چاچا' لوٹنے کی بات نہیں ہے۔ میں نے بتایا نا کہ ان کے ہاں بڑے بڑے گھرانوں سے رشتے آ رہے ہیں جو اس کے نام کوٹھی بھی لکھنا چاہتے ہیں۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ لوگ تیرا وہ مکان اپنی لڑکی کے نام لکھوائیں گے۔ دیکھ میں پیشن گوئی کرتا ہوں کہ وہ اچھی طرح پکے کاغذ پر لکھا پڑھی کریں گے اور تیری ساری چیزیں ہتھیا لینے کے بعد تجھے اپنی لڑکی دیں گے۔ تو اپنا سب کچھ ہارنے کے لیے تیار ہے تو

پھر ہماری کیا ضرورت ہے؟ خود جا کے بات کرلے اور دلہن بنا کر لے آ۔ ہم اپنے اوپر یہ الزام کیوں لیں کہ ہمارے ہوتے ہوئے تو لٹ گیا۔"

"چاچا، تم تو پہلے ہی دل توڑنے والی بات کرنے لگے ہو۔ ٹھیک ہے کل میں اس سے ملوں گا۔ دیکھوں گا کہ بات کہاں تک پہنچتی ہے۔"

وہ پلٹ کر اپنی ٹیکسی کے پاس جانے لگا۔ ٹیکسی کا دروازہ کھولتے ہوئے اس نے کہا "چاچا، اچھا یاد آیا۔ مجھے آٹھ ہزار روپے کی ضرورت ہے۔ میں اپنے بازو والا پلاٹ خریدنا چاہتا ہوں۔ کیا تم دے دو گے؟"

"ٹھیک ہے، کل بینک کھلے گا تو میں پیسے نکال کر دے دوں گا مگر یاد رکھنا، اپنے نام پلاٹ خریدنا۔ لڑکی کے نام جو کچھ بھی خریدنا ہے، وہ شادی کے بعد کرنا، میری نصیحت پر عمل نہیں کرو گے تو پچھتاؤ گے۔"

ایک ٹیکسی ڈرائیور نے کہا "بادشاہ، تیری زندگی میں بڑی خوشی آئی ہے۔ اسی خوشی میں بوتل کھول لی جائے۔"

وہ انکار میں ہاتھ ہلاتے ہوئے بولا "مجھ سے ایسی بات مت بولو۔ میں نے نشہ چھوڑ دیا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ گاڑی میں بیٹھ گیا پھر اسے اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دیا۔ ٹیکسی ڈرائیور نے کہا "یہ تو بالکل ہی دیوانہ ہو گیا ہے۔ عورت بھی کیا چیز ہوتی ہے۔ اس کے لیے نشہ چھوڑ دیا ہے، کیا کام ہے۔"

دیوانہ اپنی دیوانگی کو سمجھ نہیں سکتا، کوئی سمجھائے تب بھی بات سمجھ میں نہیں آتی۔

آج بادشاہ نے اتنا خوب صورت دن گزارا تھا۔ اتنا خوب صورت کہ اسے اپنی ساری گزشتہ زندگی بیکار معلوم ہوئی۔ یہ دن اس کی تقدیر سے زیادہ خوب صورت تھا۔ آج اسے اتنی مسرتیں ملی تھیں جو اس کی جھولی سے زیادہ تھیں۔ اسے رخسانہ کے سوا کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ ونڈ اسکرین پر گزرے ہوئے حسین لمحات کی فلم چل رہی تھی۔ رخسانہ کی ایک ایک ادا یاد آرہی تھی۔ اب رات کیسے گزرے گی، اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ آج سے وہ رت جگے کا سبق شروع کرنے والا تھا۔

اس نے اسٹیٹ ایجنسی میں جا کر پانچ سو روپے ایڈوانس دیے اور ان سے کہہ دیا کہ

وہ کل کاغذات تیار رکھیں۔ وہ بازو والے پلاٹ کی رقم ادا کر کے کاغذات اپنے نام سے لے جائے گا۔ وہاں سے وہ گھر آگیا۔ شام کو کھانا کھا چکا تھا۔ بھوک نہیں لگ رہی تھی۔ رات گزرنے لگی تو پتا چلا کہ نیند نہیں آئے گی۔ وہ تمام رات چارپائی پر کروٹیں بدلتا رہا۔ اپنے گھر کا نقشہ بدلنے کے متعلق سوچتا رہا۔ وہ اس کمرے کو رخسانہ کے ڈرائنگ روم کے مطابق بنانا چاہتا تھا۔ وہ سوچتا رہا اور رات گزرتی رہی۔ تین بجے کے قریب اسے نیند آنے لگی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ یہ خیال آیا کہ اب سوئے گا تو صبح پتا نہیں کس وقت آنکھ کھلے گی۔ دیر سے سونے کا مطلب تو یہی ہوتا ہے کہ دیر تک سوتا رہے گا۔

وہ پریشان ہو کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اب نیند دشمن بن رہی تھی۔ اسے تھپک کر سلا دینا چاہتی تھی۔ اگر الارم والی گھڑی ہوتی تو وہ اطمینان سے سو سکتا تھا یا پھر اپنے پڑوسی سے کہہ دے کہ اسے صبح جگا دیا جائے تو؟

لیکن اتنی رات کو وہ پڑوسی کے دروازے پر دستک دے کر یہ نہیں کہہ سکتا تھا۔ وہ گھر سے باہر نکل گیا۔ باہر چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ چاند کو دیکھتے ہی وہ مسکرانے لگا۔ دل نے پوچھا، وہ کیا کر رہی ہوگی۔ رات اتنی زیادہ گزر چکی ہے۔ سو رہی ہوگی۔ نہیں اس کی طرح جاگ رہی ہوگی۔ کیا دونوں طرف برابر کی آگ لگی ہوئی ہے؟

چاندنی ستا رہی تھی۔ اس لیے نیند پھر اڑ گئی۔ وہ بازو والے خالی پلاٹ کو دیکھ کر اس کے لیے محل بنانے لگا۔ چار بجے کے قریب پڑوسی کا دروازہ کھلا۔ روشنی باہر آئی۔ اس نے گھوم کر دیکھا اس کا پڑوسی تیزی سے چلتا ہوا اس کی طرف آرہا تھا۔ وہ بہت پریشان تھا۔ اس نے کہا "بادشاہ جانی، اچھا ہوا آپ جاگ رہے ہیں۔ میری بچی کی طبیعت بہت خراب ہے۔ اسے اسپتال لے جانا بہت ضروری ہے۔"

بادشاہ نے کہا "اوہ، میں تو بھول ہی گیا۔ ہماری بھابی صاحبہ نے کہا تھا کہ شام کے وقت بچی کو ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں مگر میں دیر سے واپس آیا۔ کوئی بات نہیں، ابھی لے چلتا ہوں۔"

وہ گھر کے اندر آگیا۔ وہاں سے گاڑی کی چابی لی۔ باہر آکر گھر کے دروازے کو مقفل کیا، پھر گاڑی میں بیٹھ کر اسے آگے بڑھاتے ہوئے پڑوسی کے دروازے کے سامنے اسے روک دیا۔ پڑوسی اور پڑوسن اپنی دس سالہ بچی کو سہارا دے کر آہستہ آہستہ چلاتے ہوئے

پچھلی سیٹ پر آکر بیٹھ گئے۔ ان لوگوں نے کہا کہ قریبی اسپتال میں لے جانا چاہیے۔ بادشاہ نے مشورہ دیا کہ عباسی شہید اسپتال چلا جائے' اگرچہ وہ دور ہے لیکن ٹیکسی میں جلدی پہنچ جائیں گے۔

اس نے گاڑی کو عباسی اسپتال کی طرف بڑھادیا۔ اسے خوشی ہو رہی تھی کہ وہ اپنی محبوبہ کی گلی کی طرف جارہا تھا۔ پچھلی سیٹ پر لڑکی تکلیف سے کراہ رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا۔ بس کچھ دنوں کی بات ہے' پھر پڑوس میں ایک اسپتال کھل جائے گا۔ لیڈی ڈاکٹر رخسانہ علاج کیا کرے گی' پھر اتنی دور عباسی اسپتال جانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

اس نے پڑوسیوں کو ایمرجنسی وارڈ میں پہنچادیا۔ اس وقت پانچ بج رہے تھے۔ ایک گھنٹے بعد پتا چلا کہ لڑکی کو اسپتال میں داخل کردیا گیا ہے۔ وہ اسپتال کے ایریا سے ٹیکسی نکال کر لے آیا۔ اب دن کا اجالا پھیل رہا تھا۔ اس نے اسپتال کے سامنے ہی ایک طرف گاڑی روک دی' پھر پچھلی سیٹ پر آکر لیٹ گیا۔ وہاں سے وہ گلی دکھائی دے رہی تھی جہاں رخسانہ کا گھر تھا۔ اس نے سوچا' جب وہ گلی سے نکلے گی تو اسے دیکھتے ہی گاڑی آگے بڑھادے گا۔ جب تک نہیں آئے گی۔ اس وقت تک اس کی گلی کی طرف دیکھتا رہے گا۔

پھر وہ اِدھر اُدھر دیکھتے دیکھتے سوگیا۔ اتنی گہری نیند آئی کہ اپنی بھی خبر نہیں رہی۔ اچانک ہی اس کی آنکھ کھلی تو کوئی کھڑکی کے شیشے پر دستک دے رہا تھا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ شیشے کے باہر رخسانہ کا چہرہ نظر آرہا تھا۔ وہ دروازہ کھول کر باہر نکلتے ہوئے بولا "میری آنکھ لگ گئی تھی۔ پتا نہیں چلا کہ نو بج گئے۔"

وہ بولی "ساڑھے نو ہوچکے ہیں۔ میں آدھے گھنٹے سے ادھر کھڑی ہوئی تھی۔ ادھر آکر دیکھا تو تم سوتے ہوئے نظر آئے۔ کیا رات بھر یہیں تھے۔ گھر نہیں گئے؟"

"گیا تھا' مگر وہاں ڈر لگ رہا تھا کہ صبح آنکھ نہیں کھلے گی۔ اس لیے رات بھر جاگتا رہا۔ صبح چار بجے پڑوس کی ایک لڑکی بیمار پڑگئی۔ اسے یہاں اسپتال لے کر آیا۔ یہاں پہنچ کر دن نکل گیا۔ میں نے سوچا' یہیں تھوڑی دیر آرام کرلیتا ہوں۔ تم آؤ گی تو تمہیں یہیں سے لے کر چلوں گا۔"

وہ بول رہا تھا اور وہ یک ٹک اس کے چہرے کو دیکھتے جارہی تھی' پھر بڑے جذباتی

اس نے اس کی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے کہا "تمہاری آنکھیں بھی کچھ ایسی لگ رہی ہیں مگر کیا تم رو رہی تھیں؟"

وہ ایک دم سے چونک گئی پھر نظریں جھکا کر بولی "نہیں تو' میں بھلا کیوں روؤں گی؟" یہ کہتے ہوئے وہ ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ بادشاہ جانی اسٹیئرنگ سیٹ پر آکر بیٹھتے ہوئے بولا "کیا بات ہے' تم پیچھے بیٹھ گئی ہو؟"

"یہ ہمارا محلہ ہے' بہت سے جان پہچان کے لوگ ہیں۔ آگے جاکر گاڑی روک دینا میں اگلی سیٹ پر آجاؤں گی۔"

وہ گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے بولا "میرا دل گھبرا رہا ہے' کوئی خوش خبری سناؤ۔"

"گھبرانے سے کام نہیں چلتا۔ تم مرد ہو' ہمت سے کام لینا جانتے ہو۔ کبھی راستے میں رکاوٹیں بھی پیدا ہوتی ہیں اور پھر وہ رکاوٹیں دور ہوجاتی ہیں' حوصلے سے کام لینا چاہیے۔"

"ایک بات سچ بتاؤ گی؟"

"ہاں پوچھو۔"

"تم کیوں رو رہی تھیں؟"

"یہ تمہارا خیال ہے' میں بالکل نہیں رو رہی تھی۔"

"جھوٹ بول رہی ہو' تمہاری آنکھیں بتارہی ہیں۔"

"وہ تو میں جاگ رہی تھی۔ سو نہیں سکی اس لیے ذرا سرخ پڑگئی ہیں۔ میری ایک بات مانو گے۔"

"ہاں بولو۔"

"کسی چیز کی تمنا بہت شدت سے نہ کرو۔ کبھی وہ چیز حاصل نہ ہو تو دل کو سنبھالنا مشکل ہوجاتا ہے۔"

"میں نے کبھی کسی کی تمنا نہیں کی۔ پہلی بات تم کو چاہتا ہوں۔ تمہارے بعد اور کسی کو نہیں چاہوں گا۔ تمہاری باتوں سے مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ صاف صاف بولو کیا بات ہے' کیا تمہاری امی نے مجھ کو پسند نہیں کیا ہے؟"

انتظار کر رہے ہیں۔ تم مجھے کالج تک پہنچا کر میرے گھر چلے جاؤ' پھر ابو تمہارے گھر جائیں گے۔ وہ تمہارے مکان اور ٹیکسی کے کاغذات دیکھنا چاہتے ہیں۔ میں کالج میں دو بجے تمہارا انتظار کروں گی۔"

اس کی باتوں سے کچھ ڈھارس بندھی۔ جائداد کی انکوائری کرنے کا مقصد یہی تھا کہ اسے پسند کیا جارہا ہے۔ وہ رخسانہ کو کالج تک پہنچانے کے بعد اس کے گھر پہنچا۔ وہاں انہی معمر خاتون نے جو رخسانہ کی امی تھیں' ایک شخص سے اس کا تعارف کرایا جو رخسانہ کے ابو تھے۔ ان کا نام فرید احمد تھا۔ فرید احمد ایک چھوٹے سے قد کا آدمی تھا۔ چہرے پر کہیں کہیں جھریاں تھیں' آنکھیں کسی قدر دھنسی ہوئی تھیں۔ اس نے بغیر استری کیے ہوئے شکن آلود کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ ان کپڑوں میں اس کی شخصیت بھی سکڑی ہوئی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ دوئم قسم کا آدمی ہے اور اس گھر میں اس کی زیادہ اہمیت نہیں ہے۔

وہ انکوائری کے لیے بادشاہ جانی کے ساتھ آکر ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ گاڑی آگے بڑھ گئی۔ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد اس نے کہا "اوہو' میں تو اپنا سگریٹ گھر میں بھول آیا ہوں۔"

بادشاہ جانی نے ایک پان کی دکان کے سامنے ٹیکسی روکتے ہوئے پوچھا "آپ کون سا برانڈ پیتے ہیں؟"

"بیٹا تم کیوں تکلیف کرتے ہو میں گھر جا کر سگریٹ پی لوں گا۔"

"آپ نے مجھے بیٹا کہا ہے تو پھر جھجکنے کی کیا بات ہے۔ آپ مجھے بیٹا سمجھ کر حکم دیں' کون سا برانڈ پیتے ہیں۔"

وہ دانت نکال کر ہی ہی کرتے ہوئے' ذرا شرماتے ہوئے بولا "گولڈ لیف پیتا ہوں۔"

وہ گولڈ لیف کا مہنگا پاکٹ اور ایک ماچس خرید کر لے آیا پھر ٹیکسی آگے بڑھ گئی۔ فرید احمد مہنگے سگریٹ کا کش لگانے لگا۔ بادشاہ جانی سب سے پہلے گیرج میں پہنچا۔ وہاں مستری چاچا اس کے لیے بینک سے آٹھ ہزار روپے نکال کر لے آیا تھا۔ اس نے مستری چاچا اور فرید احمد کا تعارف کرایا۔ مستری چاچا نے خوش ہو کر اس سے مصافحہ کیا۔ پھر چائے پینے کی پیش کش کی۔ فرید احمد نے اپنے کالر کو درست کرتے ہوئے کہا "بہت گرمی ہے' اس گرمی میں چائے نہیں پی جاسکتی۔"

"کوئی بات نہیں۔ ٹھنڈی بوتل پی لیں۔"

اس کے لیے ٹھنڈی بوتل منگوائی گئی۔ پاس والی دکان سے ایک کرسی منگوا کر اسے بٹھایا گیا' پھر مستری چاچا کسی کام کے بہانے بادشاہ جانی کو ذرا دور لے گیا اور بولا "بیٹے یہ کیا معاملہ ہے۔ لڑکی کا باپ تمہارے ساتھ کیوں گھوم رہا ہے؟"

"دیکھو نا چاچا' ایک ٹیکسی ڈرائیور ہوں اور شریف گھرانے میں جارہا ہوں۔ وہ انگریزی میں کیا کہتے ہیں۔ ہاں انکوائری' یہ لوگ میرے بارے میں انکوائری کررہے ہیں کہ میں اچھا آدمی ہوں یا برا آدمی ہوں۔ میرے پاس اپنی کچھ جائداد ہے یا میں ننگوں کی طرح فٹ پاتھ پر رہتا ہوں۔ یہ تو ان کا فرض ہے نا؟"

مستری چاچا نے دور بیٹھے فرید احمد کو دیکھا پھر مایوسی سے سر ہلا کر کہا "دیکھو بیٹا' فرض تو ہے مگر مجھے یہ لڑکی کا باپ نہیں لگتا۔ وہ لڑکی کل کتنی صاف ستھری' پیاری پیاری اور معصوم سی لگ رہی تھی۔ یہ آدمی اس کے برعکس ہے جو بغیر استری کیے ہوئے کپڑے پہنتا ہو اور گولڈ لیف جیسا مہنگا سگریٹ پیتا ہو تو یہ بالکل کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ وہ اپنی شرم بیچ کر اپنا مہنگا سگریٹ پیتا ہوگا۔ میرے تجربے کو تم جھٹلا نہیں سکتے۔"

بادشاہ جانی جھٹلا نہیں سکتا تھا کہ اس نے مہنگا پاکٹ خرید کر دیا تھا۔ یہ بات اگر چاچا کو معلوم ہو جاتی تو وہ اسے اور آڑے ہاتھوں لینا شروع کر دیتے۔ اس نے کہا "چاچا آپ نہیں جانتے' یہ شاعر لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ ان کو اپنے پہننے اوڑھنے کا خیال نہیں رہتا۔ یہ بہت بڑے شاعر ہیں۔"

"جو بھی ہوں' میں پھر کہتا ہوں جس طرح لڑکی کے بزرگ تمہارے متعلق چھان بین کر رہے ہیں' اسی طرح مجھے تم لڑکی والوں کے متعلق چھان بین کرنے کا موقع دو۔ اگر تم چھپاؤ گے اور صرف لڑکی کی تمنا کرتے رہو گے تو کہیں نہ کہیں ٹھوکر کھاؤ گے۔ مجھے حالات سے پتا چل رہا ہے۔ بیٹا میں بوڑھا ہوں' میرے تجربے کو سمجھنے کی کوشش کرو۔"

بادشاہ جانی اس کے آگے باتیں بناتا رہا پھر جلدی سے فرید احمد کو ٹیکسی میں بٹھا کر وہاں سے ناگن چورنگی کی طرف گیا۔ اسٹیٹ ایجنسی میں اس کے کاغذات تیار ہو رہے تھے۔ بازو والے پلاٹ کی قیمت ساڑھے پانچ ہزار نکال کر اس نے ان کے آگے رکھ دی۔ تھوڑی دیر میں وہ کاغذات مکمل ہو گئے پھر وہ وہاں سے فرید احمد کو لے کر اپنے پلاٹ

پر آگیا۔ اس نے کہا ”ابھی میرا یہ مکان خالی سا ہے۔ بس ایک چارپائی اور ایک میز ہے کوئی رہتا نہیں ہے اس لیے میں نے سامان نہیں رکھا ہے۔ بہت جلدی نئے فرنیچر اور ضرورت کا سارا سامان لے آؤں گا۔ ابھی صرف مکان کو دیکھیں باقی کی بعد میں پوری کردوں گا۔“

فرید احمد نے کہا ”کوئی بات نہیں۔ ٹھیک ہے۔ میں نے دیکھ لیا ہے۔ تم نے میرے سامنے ہی بازو والا پلاٹ بھی خریدا ہے۔ اب اس مکان کے اور ٹیکسی کے کاغذات بھی مجھے دکھادو۔“

وہ مکان کے اندر آکر بیٹھ گئے۔ بادشاہ جانی نے اپنے سوٹ کیس سے وہ تمام کاغذات نکال کر اسے دکھادیے۔ فرید احمد انہیں اچھی طرح دیکھنے کے بعد مطمئن ہوگیا پھر بولا ”اب گھر چلیں گے، وہاں باتیں ہوں گی۔“

ٹیکسی تو جیسے ہوائی جہاز تھی۔ وہ دونوں گھر پہنچ گئے۔ وہ تھوڑی دیر تک ٹیکسی میں بیٹھا رہا۔ فرید احمد گھر کے اندر چلا گیا تھا۔ شاید اپنی بیگم کو اس کے متعلق تفصیلات بتارہا تھا پھر اسے گھر کے اندر بلایا گیا۔ وہی کمرا تھا جہاں وہ پچھلے دن بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے وہی معمر خاتون بیٹھی ہوئی تھیں۔ فرید احمد نظر نہیں آرہا تھا۔ شاید اس کا کام ختم ہوگیا تھا۔ اب اس کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ معمر خاتون نے کہا ”میرے شوہر نے تمہارے تمام کاغذات دیکھ لیے ہیں اور ہم ان کاغذات سے مطمئن ہیں۔ تمہارا جو رشتہ یہاں ہوگا تو کیا اس سلسلے میں تمہاری طرف سے کچھ لوگ آئیں گے؟ وہ رشتے دار ہوں گے یا یونہی جان پہچان والے؟“

”میں تو پہلے ہی بول چکا ہوں۔ میرا یہاں اپنا کوئی نہیں ہے۔ ایک مستری چاچا ہیں۔ وہ گیرج کے مالک ہیں۔ وہی میرے بزرگ ہیں۔ آپ کہیں تو میں انہیں بات کرنے کے لیے بھیج دوں گا۔“

خاتون نے کہا ”دیکھو جب تمہارا کوئی رشتے دار نہیں تو غیر آدمی تمہاری ضمانت کیسے لے سکتا ہے اور ہم ایسی ضمانت کیسے قبول کرسکتے ہیں۔ اپنے خون کے رشتے دار ہوں، پورا ایک خاندان ہو تو اس خاندان کو دیکھ کر کوئی بھی اپنی بیٹی دیتا ہے۔ میرے کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ میں تمہیں مایوس کرنا چاہتی ہوں۔ میں ایک اصولی بات کہہ رہی

ہوں۔ جب کوئی تمہارا اپنا نہیں ہے تو کوئی غیر بھی تمہارے معاملے میں نہ ہو، ہمیں اپنا بزرگ سمجھو اور خود ہی ہم سے معاملات طے کرو۔“

وہ سرہلا کر بولا ”جیسے آپ کہیں گی، ویسے ہی کروں گا۔ آپ فرمایئے مجھے کیا کرنا چاہیے۔“

”سب سے پہلے ہمیں مطمئن کرو کہ شادی کے بعد ہماری بیٹی کو کوئی دھوکا نہیں ہوگا۔ تم اسے چھوڑ کر نہیں جاؤ گے۔ اسے پریشان نہیں کرو گے۔ اسے تکلیف نہیں پہنچاؤ گے۔ بھوکا نہیں رکھو گے..... فٹ پاتھ پر نہیں سلاؤ گے۔“

”آپ کیسی باتیں کررہی ہیں۔ میں ایسا کبھی سوچ بھی نہیں سکتا۔“

”ٹھیک ہے، تم بہت اچھے لڑکے ہو مگر کوئی کسی کے دل میں جھانک کر تو نہیں دیکھ سکتا۔ میں کیا جانوں کہ تم آگے چل کر کیا روپ دکھاؤ گے اس لیے ہمیں ضمانت چاہیے اور ضمانت اس طرح ہوسکتی ہے کہ تم شادی سے پہلے ہماری بیٹی کے نام وہ دونوں پلاٹ اور اس پر بنا ہوا مکان لکھ دو پھر پکے کاغذ پر یہ لکھنا ہوگا کہ تم ہماری بیٹی کو ہر ماہ.....“
یہ کہہ کر وہ ذرا رکیں پھر بولیں ”ہاں، یہ تو پوچھنا ہی بھول گئی کہ تمہاری آمدنی کیا ہے؟“

”کوئی ٹھیک نہیں ہے۔ کبھی کم کبھی زیادہ ہوتی ہے۔ مہینے میں کم از کم پانچ ہزار روپے کمالیتا ہوں۔ اس میں سے گاڑی خراب ہوئی تو دو تین ہزار نکل جاتے ہیں۔ بس یوں سمجھ لیں کہ میرے پاس مہینے میں دو ہزار ضرور ہوتے ہیں۔“

”اتنے پیسے تم کیا کرتے ہو؟“

”دوستوں میں اڑاتا تھا۔ کبھی بچانے کے متعلق نہیں سوچا..... مستری چاچا نے زبردستی مجھ سے روپے لے لے کر بارہ ہزار بچالیے تھے۔ اس میں سے آٹھ ہزار آج لے لیے۔ آپ کے شوہر کے سامنے پلاٹ خریدا ہے۔“

وہ تائید میں سرہلا کر بولیں ”ہاں میں نے سب سن لیا ہے۔ تم پکے کاغذ پر کیا یہ لکھ کر دو گے کہ تم ہر ماہ میری بیٹی کو دو ہزار روپے گھر کے اخراجات کے لیے دیا کرو گے۔“

”جی ہاں، میں لکھ دوں گا۔“

”دیکھو بیٹے، ہم تمہارے ساتھ سودے بازی نہیں کررہے ہیں۔ ہم بیٹی والے ہیں۔

بیٹی کا تحفظ چاہتے ہیں۔ شادی کے بعد تمہاری بیوی ہوگی' تمہارا نقصان' تمہارا منافع' سب کچھ اس کا ہوگا۔ وہ تمہارے حکم کی پابند ہوگی۔ جیسا تم رکھو گے' ویسے رہے گی۔ پکے کاغذ پر صرف اتنا لکھنا ہوگا کہ اسے آگے پڑھنے سے نہیں روکو گے۔ یہ آخری سال ہے اگر وہ ڈاکٹر بن جائے گی تو تمہارا ہی فائدہ ہوگا۔ آمدنی کا ذریعہ ہو جائے گا' کیوں ٹھیک ہے نا؟"

"آپ ہمارے بزرگ ہیں۔ ہمارے لیے برا نہیں چاہیں گی۔ میں آپ کی باتوں کو مانتا ہوں' میں نے بھی یہ سوچ کر بازو والا پلاٹ خریدا ہے۔ ہم وہاں ایک چھوٹا سا اسپتال بنائیں گے۔"

"میں بیٹی کو جلدی یہاں سے رخصت کرنا چاہتی ہوں۔ تم سے سارے معاملات طے ہو رہے ہیں اس لیے میں اپنے گھر کی یہ بات تم سے نہیں چھپاؤں گی کہ ہمارے مالی حالات بہت خراب ہیں۔ بیٹی کا یہ آخری سال ہم پر بھاری ہے۔ اس کے کالج کی فیس سر پر چڑھی ہوئی ہے اور آگے پڑھانا ہمارے لیے ممکن نہیں رہا ہے' ہم نے سوچا کہ بیاہ دی جائے گی تو اپنے شوہر کی کمائی سے پڑھ لے گی اسی لیے ہم جلد سے جلد شادی کر دینا چاہتے ہیں۔"

"آپ تو میرے دل کی بات کہہ رہی ہیں۔ آپ جب کہیں گی' میں بارات لے کر آجاؤں گا۔"

"میں بارات پسند نہیں کرتی۔ یہاں تمہارا کوئی اپنا نہیں ہے۔ ہاں تمہارے دو چار دوست ہوں تو انہیں ساتھ لے آنا تاکہ وہ اس شادی کے گواہ رہیں اور تمہاری خوشی میں شریک ہو سکیں۔ نکاح نہایت سادگی سے پڑھایا جائے گا اور ہم رخسانہ کو دلہن بنا کر تمہارے ساتھ رخصت کر دیں گے مگر دو ایک روز میں مکان کے کاغذات تم رخسانہ کے نام منتقل کر دو گے۔ جب یہ سارا کام ہو جائے گا تو ایک ہفتے بعد ہی شادی ہو جائے گی۔"

بادشاہ جانی خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ ابھی وہاں سے اڑ کر رخسانہ کے پاس پہنچ جائے اور اسے یہ خوش خبری سنائے۔ تھوڑی دیر بعد وہ وہاں سے رخصت ہو کر کالج پہنچ گیا۔ ابھی دو نہیں بجے تھے اس لیے وہ بے چینی سے گیٹ کے باہر ٹہلنے لگا۔ دوسری طرف بھی بے چینی تھی۔ وہ دو بجے سے بہت پہلے ہی گیٹ سے باہر آگئی

مگر وہ پریشان نظر آرہی تھی۔ پچھلے دن بھی جب وہ کالج سے نکل رہی تھی تو اسی طرح پریشان اور تھکی تھکی سی لگ رہی تھی۔ بادشاہ جانی نے اسے دیکھتے ہی پوچھا "کیا آج بھی لاش کے پاس سے آرہی ہو؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی "بس میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

یہ کہتے ہوئے وہ ٹیکسی کا اگلا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔ بادشاہ جانی دوسری طرف سے گھوم کر اسٹیئرنگ سیٹ پر آگیا' پھر بیٹھتے ہوئے بولا "میں فوراً ہی تمہیں یہ خوش خبری سنا دوں کہ تمہاری امی راضی ہو گئی ہیں۔ انشاء اللہ ایک ہفتے کے اندر ہماری شادی ہو جائے گی۔"

رخسانہ اس کی بات سن رہی تھی اور یک ٹک اس کو دیکھ رہی تھی۔ اس وقت اسے شرمانا چاہیے تھا۔ ذرا مسکرانا چاہیے تھا۔ اپنا منہ چھپانا چاہیے تھا' یا کچھ نہیں تو اپنی شادی کی بات سن کر خوش ہونا چاہیے تھا مگر اس کا چہرہ تاثرات سے خالی تھا۔ اگر کوئی تاثر ہوگا بھی تو اسے بادشاہ جانی سمجھ نہیں سکتا تھا۔

اس نے حیرانی سے پوچھا "کیا تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟"

"آں!" وہ جیسے خیالات سے چونک گئی۔ فوراً ہی اس نے نظریں جھکا لیں پھر گھوم کر ونڈ اسکرین کے پار دیکھنے لگی۔ ذرا توقف کے بعد آہستگی سے بولی "مجھے بتاؤ' امی سے کیا باتیں ہوئی ہیں؟"

اس نے گاڑی اسٹارٹ کی پھر اسے آگے بڑھاتے ہوئے بتانے لگا کہ اس کے ابو کس طرح اس کے ساتھ گئے تھے پھر واپسی میں اس کی امی نے اس کے ساتھ کس طرح معاملات طے کیے ہیں اور وہ راضی ہو گیا ہے۔

"تم راضی ہو گئے۔" وہ گہری سانس لے کر بولی "کیوں راضی ہو گئے؟ تم اتنا مہنگا سودا کیوں کر رہے ہو۔ مجھے اتنا کیوں چاہتے ہو؟"

"تم ایسے بات پوچھ رہی ہو جیسے کوئی بچہ پوچھتا ہے کہ میں سانس کیوں لیتا ہوں؟ یہ ہنسنے کی بات ہے۔ میں محبت کرتا ہوں' تمہارے لیے سب کچھ قربان کیوں کرنا چاہتا ہوں اس لیے کہ میں تمہارے لیے پیدا ہوا ہوں اور آج تک جو بھی میں نے کیا ہے' وہ تمہارے ہی لیے کیا ہے اور اب تمہارے نام کر رہا ہوں تو یہ کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں

ہے۔ بولو کہاں چلوں۔"

"بہت دور۔" وہ ونڈ اسکرین کے پار بہت دور تک دیکھتے ہوئے بولی "اتنی دور چلو کہ آج کی یہ ملاقات ختم نہ ہو۔"

"ختم ہوگی تو کیا ہوگا۔" بادشاہ نے مسکرا کر کہا "کل ہم پھر ملیں گے۔"

وہ انکار میں سرہلا کر بولی "نہیں، کل سے ہم نہیں ملیں گے۔ امی نے کہہ دیا تھا کہ باتیں طے ہو جائیں گی تو میں کالج جانا چھوڑ دوں گی اور تم مجھے نہیں دیکھ سکو گے' ان کے پاس بھی نہیں آسکو گے۔ آج بھی ....." وہ کہتے کہتے رک گئی پھر بڑے کرب سے بولی "آخری ملاقات ہے۔"

"ہاں، آج آخری ہو سکتی ہے ایک ہفتے کے بعد تو ہم ہمیشہ کے لیے مل جائیں گے۔"

رخسانہ نے آنکھیں بند کرلیں۔ جیسے حقیقت سے منہ چھپا رہی ہو۔ جب اس نے آنکھیں کھولیں تو ان میں پانی بھر آیا تھا۔ اس نے آہستگی سے پوچھا "تم نے اپنے مستری چاچا کا ذکر کیا تھا' کیا وہ تجربہ کار بزرگ ہیں؟"

"ہاں بہت تجربے والے ہیں، بڑی گہری گہری باتیں بولتے ہیں۔"

"ایسے بزرگ کے ہوتے ہوئے تم نے اکیلے امی سے معاملہ کیوں طے کیا؟ ہم جوان ہیں، اپنے آپ کو بہت سمجھ دار سمجھتے ہیں لیکن ہم سے کہیں نہ کہیں غلطی ہو سکتی ہے۔ اگر تم اپنے مستری چاچا کو بھی ان باتوں میں شریک کرلیتے تو کیا برا تھا؟"

"میں چاہتا تھا مگر تمہاری امی نے کہا جب میرا کوئی خون کا رشتہ یہاں موجود نہیں ہے' اپنا کوئی سگا بھی نہیں ہے تو پھر ایسے لوگوں کو شریک کرنے کا کیا فائدہ جن سے صرف زبان کا رشتہ ہے' میں تمہاری امی سے بحث نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اب وہ تمہاری ہی نہیں، میری بھی امی ہیں۔ ویسے تم بولو' کیا میں ان کی بات مان کر غلطی کر رہا ہوں۔"

وہ تھوڑی دیر تک سوچتی رہی پھر بولی "زندگی میں کوئی سا بھی سودا کرو' تو بہت زیادہ جھک کر نہ کرو۔ بہت زیادہ منگانہ کرو اور بہت زیادہ اپنے اوپر اعتماد نہ کرو۔ اپنے آس پاس کچھ تجربہ کار لوگ ہوں' اپنے بزرگ ہوں تو انہیں ضرور شریک کرنا چاہیے۔ میں ایک اصولی بات کہہ رہی ہوں۔ دیکھو یہ بات کہیں تم امی کے سامنے نہ کرنا ورنہ وہ مجھ سے ناراض ہو جائیں گی۔"

"تم بہت اچھی باتیں کرتی ہو۔ سچ جھک کر سودا نہیں کرنا چاہیے مگر میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ زندگی میں پہلی بار محبت کے لیے جھک گیا ہوں ورنہ کوئی مجھے جھکا نہیں سکتا۔ اب جو کچھ ہوگیا' وہ ایک مرد کی زبان سے ہوگیا۔ میں اپنی بات سے پھر نہیں سکتا اور پھرنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ جو کچھ بھی کیا ہے' تمہارے لیے کیا ہے۔ شادی کے بعد اگرچہ میرا سب کچھ تمہارے نام ہوگا لیکن تم تو میرے نام ہوگی پھر اس میں نقصان اٹھانے یا دھوکا دینے والی بات کیا ہے؟"

وہ موضوع بدل کر باتیں کرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد بادشاہ جانی ان باتوں میں بہل گیا۔ وہ ٹیکسی میں بیٹھے سڑکوں پر گھومتے رہے۔ کبھی پارک میں گئے' کبھی اوپن ریسٹورنٹ میں۔ بادشاہ جانی نے اسے کھانے کے لیے مجبور کیا تو اس نے طبیعت خراب ہونے کا بہانہ کرکے انکار کر دیا۔ شام تک اس نے ضد کرکے ایک جگہ اسے دہی بڑے کھلائے اور ٹھنڈی بوتل پلائی۔ آخر پانچ بجے وہ ناظم آباد کی طرف واپس جانے لگے۔

جب ٹیکسی ناظم آباد کی حدود میں پہنچی تو اچانک ہی وہ دوپٹے میں منہ چھپا کر رونے لگی۔

بادشاہ جانی نے پریشان ہو کر پوچھا "کیا ہوا' کیا بات ہے۔ تم کیوں رو رہی ہو؟"

وہ بدستور منہ چھپائے انکار میں سرہلاتے ہوئے بولی "کچھ نہیں۔"

"کیسے کچھ نہیں' کچھ تو ہے۔ ایسی کیا بات ہے جو تمہیں رلا رہی ہے؟"

"بس یونہی' تم اتنے اچھے ہو کہ میں خود کو بھلا کر بھی ہمیشہ تمہیں یاد رکھوں گی۔"

"تم دل چھوٹا کر رہی ہو' بھئی ایک ہفتے کی بات ہے اس کے بعد تو ہم ہمیشہ کے لیے ایک ہو جائیں گے۔"

دوپٹے میں منہ چھپا ہوا تھا۔ اسی دوپٹے میں سے چھپی چھپی "آہ" نکلی پھر وہ آہ وہیں گھٹ کر رہ گئی۔

○☆○

وہ ایک ہفتہ بڑی مصروفیت میں گزرا۔ اس دوران میں بادشاہ جانی نے اپنے دونوں پلاٹ اور اس پر بنا ہوا مکان رخسانہ کے نام پکے کاغذ پر منتقل کر دیا اور پکے کاغذ پر یہ بھی لکھ دیا کہ وہ رخسانہ کو ہر ماہ دو ہزار روپے گھریلو اخراجات کے لیے دیا کرے گا۔ اس کو آگے پڑھنے سے نہیں روکے گا۔ وہ ان مصروفیات کے بعد رخسانہ کو ایک نظر دیکھنے کے

کے لیے کبھی عباسی اسپتال کی طرف جاتا تھا۔ کبھی کالج کی طرف پہنچ جاتا تھا مگر صبح کالج آنے اور دو بجے کالج سے واپس جانے کے وقت وہ کبھی نظر نہیں آئی۔ شاید اس کے والدین نے اسے کالج جانے سے روک دیا تھا کیونکہ ایک ہفتے ہی میں وہ دلہن بننے والی تھی۔ ایسے موقع پر لڑکیوں کو گھر سے نکلنے کی اجازت نہیں ملتی۔

اس نے اپنے گھر کو سجا بنا کر رکھنا شروع کر دیا تھا۔ کم قیمت کے فرنیچر، پلنگ اور دوسری ضروریات کے سامان خرید لیے تھے۔ ایک گھر گرہستی کے لیے جو کچھ بھی ضروری ہوتا ہے، وہ سب کچھ جمع کر لیا تھا۔ دیواروں پر چونا قلعی کرائی تھی لیکن مستری چاچا اس کے خلاف تھے۔ جب بھی ملاقات ہوتی تو وہ ناراضگی ظاہر کرتے تھے۔ کہتے تھے "تم نے مجھے اس معاملے سے الگ رکھ کر اچھا نہیں کیا۔ مجھ پر بھروسا نہیں تھا تو کسی دوسرے بزرگ کو اس معاملے میں شریک کر لیتے یا اپنے کسی اچھے سمجھ دار دوست کو ساتھ لے جاتے۔"

بادشاہ جانی ایسے وقت ان کے ہاتھ پاؤں دباتا ان کی خوشامد کرتا تھا "چاچا، غصہ تھوک دو۔ سمجھ لو کہ میں اندھا ہوں، دیوانہ ہوں، مجھے کچھ دکھائی نہیں دیتا، کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ مجھے رخسانہ چاہیے۔ اس کے لیے میں اپنا سب کچھ داؤ پر لگا رہا ہوں۔ تم مجھے نادان سمجھ کر ہی میرا ساتھ دو اور شادی کے دن ضرور میرے ساتھ چلو، چچی اور بچوں کو بھی ضرور لے آؤ۔"

"نہیں بیٹے، تمہارے سسرال والوں نے تم پر پابندی لگائی ہے کہ تم دو چار دوستوں کے ساتھ آسکتے ہو اس لیے ہم میں سے کوئی اپنی عورتوں کو تمہاری شادی میں نہیں لے جائے گا۔ ہاں دوسرے دن تم ولیمہ کرو گے تو ہم پورے خاندان کے ساتھ تمہارے گھر آئیں گے اور تمہاری دلہن کو اپنے ہاتھوں سے تحفے اور اپنے دل سے دعائیں دیں گے۔"

☆☆

شادی کے دن اس کے گھر میں بڑی ویرانی سی تھی حالانکہ کمرے کو پھولوں سے سجایا گیا تھا۔ دلہن کی سیج کو بھی پھولوں سے مہکایا گیا تھا۔ باہر ٹیکسی کو بھی پھولوں کی لڑیوں سے دلہن بنا دیا گیا تھا۔ اس کے باوجود کچھ ویرانی سی تھی۔ شادی بیاہ کے گھروں میں جب تک

عورتیں اور بچے نہ ہوں، اس وقت تک شادی بیاہ کا ہنگامہ مکمل نہیں ہوتا۔ ان کے بغیر شادی کی خوشیاں ادھوری رہتی ہیں۔ جب وہ بارات لے کر چلا تو اس کے ساتھ پانچ ساتھی تھے۔ بزرگوں میں ایک مستری چاچا، دو ٹیکسی ڈرائیور، ایک بس کنڈیکٹر اور ایک پولیس والا تھا جس سے بہت پرانی دوستی تھی۔

نکاح سے پہلے قاضی صاحب نے رخسانہ اور بادشاہ جانی کے نام اور ولدیت لکھنے کے بعد پوچھا "مہر کی رقم کتنی ہوگی۔"

لڑکی کے باپ نے کہا "پچاس ہزار روپے۔"

مستری چاچا یہ سنتے ہی ایک دم بھڑک گئے۔ "صاحب آپ کیسی باتیں کرتے ہیں۔ بڑی بڑی کوٹھیوں میں بھی پچاس ہزار مہر کی رقم نہیں ہوتی۔ آپ ہمارے لڑکے کی حیثیت اور آمدنی دیکھیں۔ اس کے پاس جو ٹیکسی ہے، وہ بھی پچاس ہزار کی نہیں ہوگی۔ آپ زیادہ سے زیادہ دس ہزار لکھوائیں۔"

وہاں لڑکی والے بھی زیادہ نہیں تھے۔ مردوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ پچاس ہوگی البتہ عورتیں کی زیادہ بھیڑ تھی۔ گھر کے اندر عورتوں اور بچوں کا شور سنائی دے رہا تھا۔ اسی شور میں رخسانہ کی امی کی آواز سنائی دی "یہ کیا بے ہودگی ہے، جب پہلے سے تمام باتیں طے ہو چکی ہیں تو پھر نکاح کے وقت بحث کرنے کا کیا فائدہ ہے۔ مہر کی رقم پچاس ہزار ہو یا پچاس لاکھ ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دینے والوں کے لیے اس وقت رقم زیادہ ہوتی ہے جب لڑکی کو چھوڑنے کا ارادہ ہو۔ جب شرافت سے نباہ کرتا ہے تو مہر کی رقم کو کیا دیکھنا؟؟"

بات بڑھنے لگی۔ بادشاہ جانی نے خوشامدانہ انداز میں مستری چاچا کا ہاتھ تھام کر کہا "چاچا جو بھی ہو رہا ہے، ہونے دو۔ میں پہلے ہی زبان ہار چکا ہوں۔ اب پچاس ہزار لکھانے سے کیا ہوتا ہے۔ دیکھو نا، میں لڑکی کو چھوڑنے کے لیے تو شادی نہیں کر رہا تا۔ اس کے ساتھ ساری زندگی نباہ کروں گا تو پچاس ہزار روپے دینے کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔"

مستری چاچا اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا کر کھڑے ہو گئے پھر بولے "میاں جہاں لڑکے کے بزرگوں کی کوئی عزت نہ ہو، وہاں ہمارا کیا کام؟ یہاں مردوں کی نہیں عورتوں کی

باتیں چلتی ہیں۔ اب تم عورت ہی کے غلام بنے رہو۔ میں ایسی جگہ کا پانی بھی نہیں پیوں گا۔"

یہ کہہ کر وہ غصے سے پاؤں پٹختے ہوئے جانے لگے۔ ایک ٹیکسی ڈرائیور نے آگے بڑھ کر انہیں روکنا چاہا۔ انہوں نے ڈانٹ دیا۔ غصہ دکھاتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔ بادشاہ جانی پریشان ہو کر سہرے کے پیچھے سے انہیں دیکھتا رہا۔ کوئی دوسرا ہوتا تو ان کے پیروں پر گر کر انہیں روک لیتا لیکن اس وقت وہ دولہا بنا ہوا تھا پھر یہ کہ رخسانہ کو چھوڑ کر ان کے پیچھے نہیں جا سکتا تھا اس لیے پچاس ہزار مہر کی رقم لکھوا کر اس نے نکاح پڑھوالیا۔

شادی کی خوشیاں جاری رہیں۔ کھانا کھلایا گیا پھر رات کے آٹھ بجے دولہا کو کچھ رسمیں ادا کرنے کے لیے اندر بلایا گیا۔ وہاں دلہن کے سامنے اسے بٹھا کر عورتیں رسمیں ادا کرنے لگیں۔ بادشاہ جانی کا دل خوشی سے دھڑک رہا تھا۔ وہ کبھی کبھی چور نظروں سے اس گھونگٹ کی طرف دیکھتا تھا جس کے پیچھے تھوڑا تھوڑا سا چہرہ جھلک رہا تھا۔ وہ اتنی خوب صورت لگ رہی تھی کہ پہچانی نہیں جاتی تھی۔ چہرے پر بڑی سی نتھ نے گھیرا کر رکھا تھا۔ افشاں کی چمک اور میک اپ کا نکھار ایسا تھا کہ وہ بار بار چور نظروں سے اسے دیکھنے لگتا تھا۔ کئی بار عورتوں نے اس کے سر کو پکڑ کر زبردستی جھکاتے ہوئے کہا "کیا بے شرموں کی طرح دلہن کو دیکھ رہے ہو' اپنے گھر لے جا کر دل بھر کے دیکھ لینا۔" اس پر تمام عورتیں قہقہے لگاتی تھیں۔

رخصتی کا وقت آیا تو قہقہے آنسوؤں میں بدل گئے۔ کتنی ہی عورتیں رو رہی تھیں۔ رخسانہ کی امی نے اس کا ہاتھ دلہن کے ہاتھ میں دے کر اس سے وعدے لیے' قسمیں لیں کہ وہ ایک شریف آدمی کی طرح اس رشتے کو عمر بھر نبا ہے گا۔ اس کے بعد دولہا دلہن کو وہاں سے اٹھنے کے لیے کہا گیا۔ دولہا نے دلہن کو سنبھالا' پھر دونوں کلام پاک کے سائے میں گزرتے ہوئے اس مکان سے باہر نکلے اور ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر آ کر بیٹھ گئے۔

بادشاہ جانی کے ساتھیوں نے اس کے گھر کے باہر قمقموں کی لڑیاں سجا دی تھیں تاکہ رات کو وہ شادی کا گھر معلوم ہو' پڑوسی اپنی بیوی اور بچی کے ساتھ اپنے ملک چلا گیا تھا۔

سے چابی لے کر دروازہ کھولا اور لائٹ آن کر دی۔ اس کے ساتھ ہی باہر رنگ برنگے قمقمے جلنے بجھنے لگے۔ بادشاہ جانی خوش ہو کر قمقموں اور گھونگٹ میں لپٹی دلہن کو دیکھ کر بولا "میرا سہارا لے کر ٹیکسی سے باہر آجاؤ۔ مجھے افسوس ہے کہ میرا کوئی خاندان نہیں ہے۔ میرے گھر میں کوئی عورت نہیں ہے جو تمہیں سہارا دے کر گھر کے اندر لے جائے' یہاں میں ہی سب کچھ ہوں۔"

وہ اسے سہارا دے کر ٹیکسی سے باہر لے آیا۔ اس کے ساتھ آہستہ آہستہ مکان کے اندر پہنچا۔ سیج دلہن کی طرح سجی ہوئی تھی۔ وہاں اس نے دلہن کو آرام سے بٹھا دیا اس کے بعد باہر آ کر اپنے ساتھیوں سے بولا "تم سب یہاں سے نہ جانا' پتا نہیں ہمیں کس چیز کی ضرورت پڑ جائے۔"

ایک ساتھی نے کہا "استاد دودھ اور مٹھائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ تو ہم لانا ہی بھول گئے۔ تمہاری ٹیکسی لے کر جاتے ہیں اور ابھی لے آتے ہیں۔"

دوسرے نے کہا "تم دلہن کے پاس جاؤ' وہ اکیلی ہے۔"

بادشاہ جانی نے ذرا جھینپ کر مسکراتے ہوئے کہا "یار میرے دل میں کچھ عجیب سا ہو رہا ہے۔ کیسے جاؤں' کیا بولوں؟ اس سے کیسے باتیں کروں گا؟"

"یار جا کر دروازے کو اندر سے بند کر لو۔ اس کے بعد خود ہی بولنا آجاتا ہے۔ تم جاؤ تو سہی۔"

وہ ان کے پاس سے پلٹ کر کمرے میں داخل ہوا پھر کانپتے ہوئے ہاتھوں سے دروازے کو اندر سے بند کرنے لگا۔ کھڑکیاں پہلے سے بند تھیں۔ ان پر پردے پڑے ہوئے تھے۔ اسے اپنی حماقت کا احساس ہوا کہ دلہن کو بٹھا کر چلا گیا اور پنکھا چلانا بھول گیا' بے چاری گھونگٹ کے پیچھے پسینے میں نہا رہی ہوگی۔ اس نے فوراً ہی چھت کے پنکھے کو آن کرتے ہوئے کہا "میں بھی عجیب ہوں پنکھا چلانا بھول گیا تھا اب چل رہا ہے۔ ہوا لگ رہی ہے نا۔"

وہ تھوڑے فاصلے پر کھڑا دلہن کو تکنے لگا۔ اس کے بعد بولا "میں بھی عجیب ہوں۔ تمہارے بولنے کا انتظار کر رہا ہوں بھلا دلہن بھی کبھی بولتی ہے۔"

پھر [illegible] ہو گیا۔ ایک قدم آگے بڑھ کر قریب آیا "اگر تم [illegible] میں

باتیں چلتی ہیں۔ اب تم عورت ہی کے غلام بنے رہو۔ میں ایسی جگہ کا پانی بھی نہیں پیوں گا۔"

یہ کہہ کر وہ غصے سے پاؤں پٹختے ہوئے جانے لگے۔ ایک ٹیکسی ڈرائیور نے آگے بڑھ کر انہیں روکنا چاہا۔ انہوں نے ڈانٹ دیا۔ غصہ دکھاتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔ بادشاہ جانی پریشان ہو کر سہرے کے پیچھے سے انہیں دیکھتا رہا۔ کوئی دوسرا ہوتا تو ان کے پیروں پر گر کر انہیں روک لیتا لیکن اس وقت وہ دولہا بنا ہوا تھا پھر یہ کہ رخسانہ کو چھوڑ کر ان کے پیچھے نہیں جا سکتا تھا اس لیے پچاس ہزار مہر کی رقم لکھوا کر اس نے نکاح پڑھوا لیا۔

شادی کی خوشیاں جاری رہیں۔ کھانا کھلایا گیا پھر رات کے آٹھ بجے دولہا کو کچھ رسمیں ادا کرنے کے لیے اندر بلایا گیا۔ وہاں دلہن کے سامنے اسے بٹھا کر عورتیں رسمیں ادا کرنے لگیں۔ بادشاہ جانی کا دل خوشی سے دھڑک رہا تھا۔ وہ کبھی کبھی چور نظروں سے اس گھونگٹ کی طرف دیکھتا تھا جس کے پیچھے تھوڑا تھوڑا سا چہرہ جھلک رہا تھا۔ وہ اتنی خوب صورت لگ رہی تھی کہ پہچانی نہیں جاتی تھی۔ چہرے پر بڑی سی نتھ نے گھیرا کر رکھا تھا۔ افشاں کی چمک اور میک اپ کا نکھار ایسا تھا کہ وہ بار بار چور نظروں سے اسے دیکھنے لگتا تھا۔ کئی بار عورتوں نے اس کے سر کو پکڑ کر زبردستی جھکاتے ہوئے کہا "کیا بے شرموں کی طرح دلہن کو دیکھ رہے ہو، اپنے گھر لے جا کر دل بھر کے دیکھ لینا۔" اس پر تمام عورتیں قہقہے لگاتی تھیں۔

رخصتی کا وقت آیا تو قہقہے آنسوؤں میں بدل گئے۔ کتنی ہی عورتیں رو رہی تھیں۔ رخسانہ کی امی نے اس کا ہاتھ دلہن کے ہاتھ میں دے کر اس سے وعدے لیے، قسمیں لیں کہ وہ ایک شریف آدمی کی طرح اس رشتے کو عمر بھر نبا ہے گا۔ اس کے بعد دولہا دلہن کو وہاں سے اٹھنے کے لیے کہا گیا۔ دولہا نے دلہن کو سنبھالا، پھر دونوں کلام پاک کے سائے میں گزرتے ہوئے اس مکان سے باہر نکلے اور ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر آ کر بیٹھ گئے۔

بادشاہ جانی کے ساتھیوں نے اس کے گھر کے باہر قمقموں کی لڑیاں سجا دی تھیں تاکہ رات کو وہ شادی کا گھر معلوم ہو، پڑوسی اپنی بیوی اور بچی کے ساتھ اپنے ملک چلا گیا تھا۔

سے چابی لے کر دروازہ کھولا اور لائٹ آن کر دی۔ اس کے ساتھ ہی باہر رنگ برنگے قمقمے جلنے بجھنے لگے۔ بادشاہ جانی خوش ہو کر قمقموں اور گھونگٹ میں لپٹی دلہن کو دیکھ کر بولا "میرا سہارا لے کر ٹیکسی سے باہر آجاؤ۔ مجھے افسوس ہے کہ میرا کوئی خاندان نہیں ہے۔ میرے گھر میں کوئی عورت نہیں ہے جو تمہیں سہارا دے کر گھر کے اندر لے جائے، یہاں میں ہی سب کچھ ہوں۔"

وہ اسے سہارا دے کر ٹیکسی سے باہر لے آیا۔ اس کے ساتھ آہستہ آہستہ مکان کے اندر پہنچا۔ سیج دلہن کی طرح سجی ہوئی تھی۔ وہاں اس نے دلہن کو آرام سے بٹھا دیا اس کے بعد باہر آ کر اپنے ساتھیوں سے بولا "تم سب یہاں سے نہ جانا، پتا نہیں ہمیں کس چیز کی ضرورت پڑ جائے۔"

ایک ساتھی نے کہا "استاد دودھ اور مٹھائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ تو ہم لانا ہی بھول گئے۔ تمہاری ٹیکسی لے کر جاتے ہیں اور ابھی لے آتے ہیں۔"

دوسرے نے کہا "تم دلہن کے پاس جاؤ، وہ اکیلی ہے۔"

بادشاہ جانی نے ذرا جھینپ کر مسکراتے ہوئے کہا "یار میرے دل میں کچھ عجیب سا ہو رہا ہے۔ کیسے جاؤں، کیا بولوں؟ اس سے کیسے باتیں کروں گا؟"

"یار جا کر دروازے کو اندر سے بند کر لو۔ اس کے بعد خود ہی بولنا آجاتا ہے۔ تم جاؤ تو سہی۔"

وہ ان کے پاس سے پلٹ کر کمرے میں داخل ہوا پھر کانپتے ہوئے ہاتھوں سے دروازے کو اندر سے بند کرنے لگا۔ کھڑکیاں پہلے سے بند تھیں۔ ان پر پردے پڑے ہوئے تھے۔ اسے اپنی حماقت کا احساس ہوا کہ دلہن کو بٹھا کر چلا گیا اور پنکھا چلانا بھول گیا، بے چاری گھونگٹ کے پیچھے پسینے میں نہا رہی ہوگی۔ اس نے فوراً ہی چھت کے پنکھے کو آن کرتے ہوئے کہا "میں بھی عجیب ہوں پنکھا چلانا بھول گیا تھا اب چل رہا ہے۔ ہوا لگ رہی ہے نا۔"

وہ تھوڑے فاصلے پر کھڑا دلہن کو تکنے لگا۔ اس کے بعد بولا "میں بھی عجیب ہوں۔ تمہارے بولنے کا انتظار کر رہا ہوں بھلا دلہن بھی کبھی بولتی ہے۔"

پھر [illegible] ہو گیا۔ ایک قدم آگے بڑھ کر قریب آیا "اگر تم [illegible]

تمہارے پاس بیٹھ جاؤں۔"

وہ پھر دلہن کو دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد پھر اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا "کیا ہو گیا ہے مجھے، تم بولو گی ہی نہیں، پھر میں اجازت کیوں لے رہا ہوں۔ اچھا بیٹھ جاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ وہ گھونگٹ میں چھپی ہوئی تھی۔ کمرے میں تیز روشنی تھی۔ گھونگٹ کے اندر سے اس کا چہرہ تھوڑا سا جھلک رہا تھا۔ اس نے کہا "میں تمہارا حسین چہرہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ دیکھو مجھ کو زیادہ بولنا نہیں آتا۔ سنا ہے ایسے وقت محبت بھری باتیں کی جاتی ہیں۔ دلہن کو بہت بہلایا پھسلایا جاتا ہے مگر مجھے کچھ بھی نہیں آتا۔ پہلی پہلی شادی ہے۔ آہستہ آہستہ سب کچھ سیکھ جاؤں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے گھونگٹ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ دو خوب صورت حنائی ہاتھوں نے اس کے ہاتھوں کو روک دیا۔ بادشاہ جانی نے اس کے گورے گورے گلابی ہاتھوں میں سے ایک ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر سہلاتے ہوئے کہا "تم کتنی حسین ہو۔ سر سے پاؤں تک حسین ہی حسین ہو۔ تمہارے چہرے کو دیکھنے کے لیے تڑپ رہا ہوں۔ ایسے تو میں نے تمہیں دو دونوں تک نہیں دیکھا مگر دلہن کے روپ میں تم کیسی لگتی ہو۔ یہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ کیا تم نہیں دکھاؤ گی؟"

دوسری طرف خاموشی رہی۔ وہ ایک ہاتھ سے اپنے گھونگٹ کو سنبھالتی رہی اس نے کہا "میں تو بھول ہی گیا تھا۔ مستری چاچا نے سمجھایا تھا کہ دلہن کا چہرہ دیکھنے سے پہلے اسے کچھ دینا پڑتا ہے۔ انہوں نے کہا تھا کہ میں ایک انگوٹھی پہنا دوں۔ وہ میری جیب میں رکھی ہوئی ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے جیب سے ایک چھوٹی سی ڈبیا نکالی۔ اس ڈبیا میں سے ایک سونے کی انگوٹھی نکال کر اس کی ایک انگلی میں پہنانے لگا۔ انگوٹھی پہنانے کے بعد اس نے اس کی ہتھیلی کی پشت پر اپنے ہونٹ رکھ دیے۔ اس نے جلدی سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ وہ دونوں ہاتھ بڑھا کر گھونگٹ کو تھامنے لگا، اسی وقت باہر سے "آں چھیں" کی آواز آئی۔ وہ رک گیا۔ باہر کی طرف ناگواری سے دیکھنے کے بعد دلہن کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا "باہر باراتی بیٹھے ہیں۔ کمبخت ٹیکسی ڈرائیور ہیں نا، ٹھیک سے نہیں جانتے کہ ایسے وقت چھینکنا نہیں چاہیے۔"

یہ کہہ کر اس نے گھونگٹ آہستگی سے اٹھانا چاہا۔ دلہن دونوں ہاتھوں سے اپنے گھونگٹ کو مضبوطی سے تھام کر چہرے کو چھپانے لگی۔ وہ خوشامدیں کرنے لگا۔ "میری بات مان جاؤ۔ مجھے اور نہ تڑپاؤ۔ میں تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔ رخسانہ ایک ہفتے تک میں نے تمہیں دیکھے بغیر کیسے دن گزارے ہیں۔ میں جانتا ہوں اور میرا خدا جانتا ہے، بس اب میری بات مان لو۔"

مگر وہ بات نہیں مان رہی تھی۔ خود کو چھپائے جا رہی تھی۔ اس نے اس کے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر اپنے شانے سے لگا لیا۔ اسے بڑی محبت سے تھپکنے لگا۔ اسے پیار بھری قسمیں دینے لگا۔ آخر اس نے راضی کر لیا۔ اس بار دلہن نے مزاحمت نہیں کی۔ وہ آہستہ آہستہ گھونگٹ اٹھانے لگا۔ آہستہ آہستہ بلب کی روشنی دلہن کے چہرے کو واضح کرنے لگی پھر یکبارگی بادشاہ جانی کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ وہ ایک دم سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ لڑکھڑا کر ایک قدم پیچھے گیا اور دیدے پھاڑ پھاڑ کر اپنی دلہن کو دیکھنے لگا۔ اس کے سامنے جیسے ایک لاش تھی اور اس لاش کے آدھے چہرے کو جیسے ڈس سیکٹ کیا گیا تھا۔ ڈس سیکشن کرنے والے نے آدھے چہرے کو چھوڑ دیا تھا اور آدھے کو چیر پھاڑ کر رکھ دیا تھا۔ اس دلہن کا آدھا چہرہ تھا۔

وہ آدھا چہرہ بے حد حسین تھا۔ اس آدھے چہرے کی خوب صورت آنکھ سے آنسو بہہ رہے تھے۔ بادشاہ جانی نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھام لیا۔ اس کا سر چکرا رہا تھا۔ پھر اس نے غور سے دیکھا تو اسے حماقت کا احساس ہوا۔ دراصل رخسانہ نے ڈس سیکشن والی جو بات کہی تھی، وہی اس کی کھوپڑی میں سما گئی تھی ورنہ دلہن کے آدھے چہرے کو کسی نے چیرا پھاڑا نہیں تھا۔ وہ آدھا چہرہ بھی سلامت ہی تھا لیکن جلا ہوا تھا۔ کچھ مٹا مٹا سا تھا۔ اس آدھے چہرے پر ہلکی ہلکی سی ایسی لالی تھی جیسے گوشت جل رہا ہو۔ وہ حصہ کچھ بھیانک سا تھا۔ بادشاہ جانی اسے غور سے دیکھتے ہوئے بولا "تم کون ہو؟"

اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرے کو چھپا لیا پھر روتے ہوئے بولی "میں رخسانہ ہوں، وہی رخسانہ۔"

وہ چیخ کر بولا "تم جھوٹ بول رہی ہو۔"

"میں سچ کہہ رہی ہوں۔ میں لاش کے ٹکڑوں کو تیزاب میں گلا رہی تھی۔ ایسے ہی،

وقت تیزاب میرے چہرے پر پڑ گیا تھا۔ میری یہ حالت ہو گئی۔"

وہ غصے سے بولا "تم کبھی لاش سے کھیلتی ہو۔ کبھی تیزاب سے کھیلتی ہو' تم کس قسم کی عورت ہو۔ تمہیں دیکھنے سے پتا ہی نہیں چلتا کہ تم وہی رخسانہ ہو' اپنے چہرے کو کیوں چھپا رہی ہو۔ ہاتھ ہٹاؤ' مجھے اچھی طرح دیکھنے دو۔"

اس نے اپنے چہرے سے ہاتھ نہیں ہٹائے اور انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولی "مجھے نہ دیکھو' میں پہلے ہی ڈر رہی ہوں۔ تم مجھے دیکھتے ہی مجھ سے نفرت کرنے لگو گے' مجھے پہچاننے سے انکار کرو گے۔ انسان صرف مکمل حسن کی پوجا کرتا ہے۔ اس حسن میں ذرا بھی عیب پیدا ہو جائے تو وہی محبت نفرت میں بدل جاتی ہے۔"

"تم میرے سامنے پچھے دار باتیں نہ کرو۔ میں اچھی طرح سمجھ گیا ہوں کہ تم وہ رخسانہ نہیں ہو۔"

وہ غصے سے پاؤں پٹختا ہوا دروازے کے پاس آیا پھر ایک جھٹکے سے دروازے کو کھول کر برآمدے کے پاس پہنچ گیا۔ اس وقت دودھ اور مٹھائی لانے والے ٹیکسی میں واپس آ گئے تھے اور برآمدے میں کھڑے ہو کر اس کی چیخ پکار سن رہے تھے۔ اسے دیکھتے ہی ایک نے پوچھا "کیا ہوا استاد؟"

وہ بھڑک کر بولا "ہو گا کیا؟ یہ شریف لوگ بہت بڑے بدمعاش ہوتے ہیں۔ ہم جیسے بدمعاشوں کو بھی دھوکا دے جاتے ہیں۔ کمینوں نے لڑکی بدل دی ہے۔"

ایک ساتھی دودھ سے بھرا ہوا جگ اور مٹھائی کا ڈبہ پکڑے ہوئے کھڑا تھا۔ بادشاہ جانی نے ایک ہاتھ مار کر ان چیزوں کو پرے پھینکتے ہوئے کہا "یہ سب ڈھکوسلے ہیں۔ اس کتیا کو دودھ نہیں زہر پلانا چاہیے مگر پہلے میں اس کی ماں سے اور اس کے باپ سے سمجھوں گا اور اسے یہاں سے لے جا کر دروازے پر دھکا دے دوں گا۔ انہوں نے مجھے سمجھا کیا ہے؟"

ایک ساتھی نے اسے بازو سے پکڑ کر سمجھاتے ہوئے کہا "بادشاہ جانی' غصے کو تھوک دے۔ ذرا ٹھنڈے دماغ سے کام لے' ان لوگوں نے قانون کے اور مذہب کے مطابق لڑکی کو رخصت کر کے تیرے حوالے کیا ہے۔ اگر تو اس لڑکی پر ظلم کرے گا یا وہاں جا کر ہنگامہ کرے گا تو سارے لوگ یہی کہیں گے کہ تو اندھا بن کر شادی کیسے کر رہا تھا' کیا تو

نے پہلے لڑکی نہیں دیکھی تھی؟"

"ہاں دیکھی تھی' جیسی دیکھی تھی' ویسی نہیں ہے۔"

"تو پھر اسے کیا ہو گیا ہے؟"

"وہ کہتی ہے کہ چہرے پر تیزاب پڑ گیا ہے۔ آدھا چہرہ بگڑ گیا ہے۔"

"اگر یہ بات ہے تو اس لڑکی کا کیا قصور ہے؟"

وہ چیخ کر بولا "میں اسے طلاق دے دوں گا۔"

"بادشاہ ذرا ہوش کی بات کر طلاق دینے کے لیے پچاس ہزار روپے کہاں سے لائے گا۔"

یہ سنتے ہی بادشاہ جانی جھاگ کی طرح برآمدے میں بیٹھ گیا۔ اس کے ساتھی بھی اس کے آس پاس برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ ایک نے کہا "ہمارا مستری چاچا بہت پتے کی بات بولتا ہے اور جب بولتا ہے تو اس کی بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی ہے۔"

بادشاہ جانی نے شرمندگی سے کہا "یار مستری چاچا کا نام نہ لو۔ اب میں چاچا کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔"

ایک نے کہا "چاچا کو تو کل منہ دکھانا۔ ابھی کی سوچ کہ دلہن کا کیا کرے گا۔ تجھے تو اسے قبول کرنا ہی پڑے گا۔ نہیں کرے گا تو یہ پلاٹ اور یہ مکان اس کے نام لکھ چکا ہے پھر پچاس ہزار روپے تیرے پاس نہیں ہیں۔ تو طلاق نہیں دے سکتا۔ ٹیکسی بیچ کر طلاق دے بھی دے گا تو نہ ٹیکسی رہے گی' نہ یہ مکان رہے گا۔ نہ پلاٹ رہے گا اور تو فٹ پاتھ پر نظر آئے گا۔"

وہ جھنجلا کر چیختے ہوئے بولا "میں فٹ پاتھ پر پہنچ جاؤں گا۔ سب کچھ بیچ دوں گا مگر یہ دھوکا' یہ مکاری برداشت نہیں کروں گا۔ ارے کہیں سے بھی کچھ لے کر آؤ میں نشہ کرنا چاہتا ہوں۔ اتنا نشہ کرنا چاہتا ہوں کہ ان مکاروں کو بھول جاؤں۔"

ایک ڈرائیور نے کہا "بادشاہ ہم تم سے چھپا کر ایک بوتل لائے تھے۔ ہم نے سوچا ادھر تم سہاگ رات مناؤ گے اور ہم نشہ کریں گے۔ اب ہم بوتل کھول لیتے ہیں۔ وہاں ٹیکسی کی ڈگی میں رکھی ہوئی ہے' ابھی لاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ ٹیکسی کی طرف چلا گیا۔ بادشاہ نے سامنے کھڑی ہوئی ٹیکسی کی طرف

دیکھا پھر پوچھا "ہماری ٹیکسی کا رنگ کیسا ہوتا ہے؟"

ایک نے کہا "اور کیسا ہوگا۔ اوپر سے پیلا ہوتا ہے اور نیچے سے کالا ہوتا ہی۔"

بادشاہ نے نفرت سے کہا "ہت تیری ایسی کی تیسی۔ یہ دلہن بھی ایسی ہی ملی ہے۔ آدھی کالی ہے' آدھی پیلی ہے۔"

دوسرے ساتھی نے کہا "سنا ہے اللہ شکر خورے کو شکر دیتا ہے اور ٹیکسی والوں کو ٹیکسی جیسی چیز دیتا ہے۔ تجھے بھی ایسی ہی چیز ملی' پر اب غم کیا کرنا ہے چیز آگئی ہے' غم غلط کر۔"

اس کے سامنے بوتل کھل گئی۔ ایک ساتھی باورچی خانے میں گیا اور وہاں سے چار گلاس اور پانی کا جگ اٹھا کر لے آیا پھر پینے کا دور شروع ہوا۔ پہلا گلاس پینے کے دوران بادشاہ نے کہا "اب سوچنا یہ ہے کہ ہم کیا کریں گے؟ ان شریف لوگوں نے جیسے ہمیں دھوکا دیا ہے' ویسے ہی میں بھی ان کے ساتھ کروں گا مگر کیا کروں گا' یہ سوچنے کی بات ہے۔"

ایک نے کہا "بادشاہ تو لڑکی سے بڑی محبت کرتا تھا۔ اس کا دیوانہ بن گیا تھا۔ مستری چاچا کی بات بھی نہیں سنتا تھا۔ پہلے تو اس بات کا یقین کرلے کہ یہ وہی لڑکی ہے یا نہیں؟ اگر وہی لڑکی ہوگی تو پھر یہ ظلم ہوگا' وہ تیری محبت ہے۔ تجھے اس محبت کی قدر کرنی ہوگی۔ دنیا والوں کو بتانا ہوگا کہ ہم ٹیکسی والے بھی شریف ہوتے ہیں۔ شرافت سے اپنی عورت کے ساتھ نباہ کرتے ہیں۔"

بادشاہ نے ایک سانس میں گلاس خالی کردیا پھر دوسری بار گلاس بھرنے کے لیے دیتے ہوئے کہا "ٹھیک ہے' پہلے یہ سمجھنا ہوگا کہ یہ میری رخسانہ ہے یا نہیں ہے؟ میں ابھی اس کو پہچان کر آتا ہوں۔ میرا گلاس بھردو۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہوا۔ کھڑے ہوتے ہی اچانک اس کا سر چکرایا۔ کیونکہ ایک ہی سانس میں گلاس خالی کیا تھا کچھ تو اثر ہونا ہی تھا پھر وہ سنبھل گیا اور کمرے کے اندر پہنچا' پھر بولا "اے! تم نے چہرے سے ہاتھ ہٹالیا ہے یا نہیں۔"

اس نے ذرا آگے جھک کر دیکھا۔ وہ گھٹنوں میں منہ چھپائے رو رہی تھی۔

"ارے روتی کیوں ہو؟ مجھے ساری زندگی رلانے کے لیے آئی ہو۔ تیرے ماں باپ -

نے جو فراڈ کیا ہے' وہ کوئی قاتل' بدمعاش اور اسمگلر بھی نہیں کرتا ہوگا۔ اب منہ کیوں چھپاتی ہو۔ ذرا دیکھنے تو دو کہ تم وہی رخسانہ ہو یا نہیں ہو۔ وہی ہوگی تو میں معافی مانگ لوں گا..... تمہارے ساتھ بڑی محبت سے زندگی گزار لوں گا۔ میں محبت کرتا ہوں' مذاق نہیں کرتا۔"

وہ اپنے گھٹنوں پر سے چہرے کو اٹھاتے ہوئے بولی "تم مذاق کر رہے ہو۔ محبت نہیں کرتے۔ اگر کرتے تو میرا مذاق نہ اڑاتے' دوستوں میں بیٹھ کر شراب نہ پیتے۔ تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ آئندہ نشہ نہیں کروگے۔"

وہ سر کھجاتے ہوئے سوچنے لگا "کہتی تو تم ٹھیک ہو۔ میں نے تم سے وعدہ کیا تھا۔ دیکھو ایسا کرو' تم اپنے گھونگٹ سے اپنے آدھے چہرے کو چھپالو اور وہ جو اچھا والا چہرہ ہے نا اسے دکھاؤ' ذرا میں ٹھیک سے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"میں نہیں دکھاؤں گی۔ مجھے مت ستاؤ۔ مجھ سے نفرت کرو۔ میں کون ہوتی ہوں تمہاری۔ چلے جاؤ یہاں سے۔ اگر تمہاری محبت تمہیں مجبور کرے تب میرے پاس آجانا۔"

وہ کمرے سے باہر آگیا۔ برآمدے کی سیڑھیوں پر اپنے باراتیوں کے درمیان بیٹھ گیا۔ ایک نے اس کی طرف گلاس بڑھاتے ہوئے پوچھا "کیا ہوا؟"

وہ بے بسی سے بولا "باتوں سے تو وہی لگتی ہے لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔"

"لے تھوڑی سی پی لے۔ دماغ صاف ہوجائے گا۔ ہر بات سمجھ میں آنے لگے گی۔"

اس نے گلاس کو لے کر منہ لگایا پھر بولا "یارو ایک بات بتاؤ' اگر آدھا چہرہ بگڑ جائے تو باقی آدھا چہرہ بھی بدل جاتا ہے کیا؟ پہچانا نہیں جاتا؟"

ایک نے کہا "بھئی' ہم نے تو ایسا آدھا چہرہ دیکھا نہیں ہے' ہم کیسے کہہ سکتے ہیں؟"

"دیکھا کیوں نہیں ہے۔ یہ ہم سب جو ہیں نا' سب آدھے چہرے والے ہوتے ہیں۔ یہ میری رخسانہ کہتی تھی' ہم سب اپنا آدھا بھیانک چہرہ چھپا کر رکھتے ہیں مگر یہ کمبخت اپنا آدھا بھیانک چہرہ لے کر آئی ہے۔ اسے کہاں چھپاؤں؟ اور یہ چھپتا نہیں ہے تو دوسرا آدھا اچھا چہرہ پہچان میں نہیں آتا ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے گلاس کو دوبارہ منہ سے لگایا اور غٹاغٹ پینے لگا۔ ایک ساتھی نے سامنے والی کوٹھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "استاد' وہ سامنے والی کوٹھی دیکھ رہے ہو' وہ پوری کی پوری کتنی اچھی اور کتنی خوب صورت لگتی ہے۔ اگر اس کوٹھی کو آدھا توڑ کر گرا دیں تو پھر وہ کچھ بھی نہیں رہے گی۔"

ایک نے کہا "آدھی کوٹھی رہے گی۔"

اس نے کہا "آدھی کوٹھی کی بات نہیں ہے پہلے جیسی کوٹھی کا نقشہ تو نہیں رہے گا نا' اب آدھی کوٹھی کا نقشہ رہ جائے گا۔ یعنی نقشہ بدل جائے گا۔ پہلے جو لوگ اس کوٹھی کو پہچان کر ادھر گلی میں مڑ جاتے تھے۔ اب وہاں کھڑے ہو کر سوچیں گے کہ یہ وہی کوٹھی ہے؟ کیا اسی گلی میں مڑنا ہے؟ بات اصل میں پہچان کی ہوتی ہے' نقشے والی بات ہوتی ہے۔ اگر آدھی کوٹھی ٹوٹ جائے تو نقشہ بدل جاتا ہے' اس طرح اس لڑکی کا چہرہ ذرا سا بدل گیا ہوگا۔ اسی لیے استاد تم پہچان نہیں رہے ہو۔ ایک بار پھر جاؤ اور اس آدھے چہرے کو پہچاننے کی کوشش کرو۔"

بادشاہ جانی نے دوسرا گلاس خالی کر دیا۔ اب ذرا نشہ ہو رہا تھا۔ ذرا جھومنے کو جی چاہتا تھا اور ذرا اٹھ کر بڑک مارنے کو دل کرتا تھا۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور ہاتھی کی طرح جھومتا ہوا کمرے میں داخل ہو گیا۔ دلہن سیج پر بیٹھی اپنی نتھ اور زیورات اتار رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی رک گئی۔ وہ ذرا لڑکھڑاتا ہوا اس کے قریب آیا پھر ایک دم قریب بیٹھ گیا۔

وہ گم صم بیٹھی رہی۔ اس بار نہ تو اس نے اپنے چہرے کو چھپایا اور نہ ہی کوئی التجا کی۔ بادشاہ جانی کے بہکتے ہوئے ہاتھوں نے اس کے گرے ہوئے گھونگٹ کو تھام لیا پھر اس گھونگٹ کو اٹھا کر اس کے آدھے بگڑے ہوئے چہرے پر رکھ دیا۔ آدھا چہرہ چھپ گیا اور آدھا حسین چہرہ نظر آنے لگا۔

اب وہ غور سے اس چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ پہلے دونوں آنکھوں سے دیکھتا رہا پھر ایک آنکھ بند کر کے غور کرنے لگا۔ اس کے بعد اس نے پوچھا "یہ بتاؤ' اگر آدھی کوٹھی گرا دی جائے تو کیا آدھی کوٹھی کا نقشہ بدل جاتا ہے۔"

وہ نظر جھکا کر بولی "کچھ نہیں بدلتا۔ مرد کی نظریں بدل جاتی ہیں۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا پھر بولا "تم ویسی تگڑی باتیں کرتی ہو۔ ٹھہرو میں ابھی آتا

ہوں۔"

وہ لڑکھڑاتا ہوا باہر گیا۔ وہاں تیسرا گلاس تیار تھا۔ باقی دو ساتھی ٹیکسی لے کر دوسری بوتل لانے گئے تھے۔ اس نے گلاس کو منہ سے لگا لیا۔ پیتے وقت کچھ کہا نہیں جا سکتا "اوں' اوں" کی آواز نکلنے لگی۔ ایک نے پوچھا "استاد کیا بول رہے ہو؟"

اس نے گلاس کو منہ سے ہٹا کر کہا "اب سمجھ میں آیا۔ یہ وہی ہے۔ میری جان ہے۔ میری رخسانہ ہے۔ بات اصل میں کیا ہے۔ جانتے ہو؟"

"کیا بات ہے استاد؟"

"یہ جو کمرے میں روشنی ہے نا' یہ گڑبڑ کرتی ہے۔ اگر اندھیرا ہوگا تو چہرہ نہیں دکھائی دے گا اور چہرہ دکھائی نہیں دے گا تو آنکھیں دھوکا نہیں کھائیں گی اور میری جو رخسانہ ہے نا' وہ مجھے مل جائے گی۔"

سب نے واہ واہ کرتے ہوئے کہا "کیا بات کہی ہے استاد۔ جب چہرہ نظر نہیں آئے گا تو وہ دھوکا کہاں رہے گا۔ وہ تو خالی دلہن رہے گی۔"

وہ تیسرے گلاس کو خالی کر کے اسے ایک طرف پھینکتے ہوئے لڑکھڑاتے ہوئے کمرے میں آیا پھر دروازے کو ایک دھڑاکے سے بند کر دیا۔ اس کے بعد لائٹ آف کرتے ہوئے کہا "اے اپنی جگہ سے مت ہلنا۔ میں سوال کرتا ہوں۔ تم جواب دیتی جاؤ۔ پہلا سوال' ہم پہلے دن کالج سے کہاں گئے تھے۔"

اندھیرے میں جواب ابھرا۔ وہ بول رہی تھی "مجھے پیاس لگی تھی تم نے ایک جگہ مجھے جوس پلایا تھا۔ وہاں ایک سپاہی کو دو روپے رشوت دیے۔ وہاں سے ہم کلفٹن گئے' پھر ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر کھانا کھایا۔"

وہ نشے میں لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے بولا "بس' بس تم پاس ہو گئی ہو۔ میں گدھا اُلو کا پٹھا ہوں۔ تم کو ابھی تک پہچان نہیں سکا۔ کہاں ہو تم! ہاں ادھر ہو۔"

وہ ایک طرف بڑھا۔ کسی چیز سے ٹکرایا۔ "ارے' ادھر تو نہیں ہو۔"

وہ دوسری طرف بڑھا۔ کسی چیز سے ٹکرایا "وہ کبھی اِدھر جا رہا تھا کبھی اُدھر' آخر اِدھر سے اُدھر بھٹکتے ہوئے سیج کے قریب پہنچا اور آدھے چہرے کی پناہ میں گر پڑا۔

○☆○

وہ گہری نیند سو رہا تھا۔ اس کے کانوں میں میٹھی رس بھری آواز ٹپک رہی تھی
"اٹھو' اٹھ بھی جاؤ۔ صبح ہو چکی ہے۔ پلیز اٹھ جاؤ' میری امی آنے والی ہیں' وہ ناشتا لے کر آئیں گی۔ اس سے پہلے تمہیں نہا دھو کر تیار ہو جانا چاہیے۔"

اسے ہولے ہولے جھنجوڑا جا رہا تھا۔ اس نے بڑی مشکلوں سے آنکھیں کھولیں۔ پہلے تو اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کہاں ہے؟ وہ اوندھے منہ بستر پر پڑا ہوا تھا۔ سر گھما کر دیکھا تو سامنے ریشمی لباس میں کھڑی ہوئی کوئی نظر آئی۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو ایک آدھا حسین چہرہ نظر آیا۔ باقی آدھا چہرہ اس وقت نظر نہیں آ رہا تھا کیونکہ چہرے کے اس حصے پر اس نے بڑے سلیقے سے سفید پٹیاں چپکا دی تھیں۔ تیزاب نے آدھے چہرے کو کہیں کہیں سے بگاڑ دیا تھا لیکن دونوں آنکھیں سلامت تھیں۔ ان غزالی آنکھوں میں کاجل کی لکیریں بڑی خوب صورت لگ رہی تھیں۔ وہ اتنی حسین لڑکی تھی کہ بادشاہ جانی اسے چند لمحوں تک دم بہ خود ہو کر دیکھتا رہا پھر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا' اسے احساس ہوا کہ کسی اجنبی لڑکی کے پاس ہے۔

غسل خانے میں اس کے لیے پتلون' قمیص' بنیان' صابن' تولیا' سب کچھ پہلے سے رکھ دیا گیا تھا۔ وہاں کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ اس نے نلکے کے نیچے بالٹی رکھ کر اسے کھول دیا۔ نلکے سے پانی کی دھار گرنے لگی۔ وہ اسے غور سے دیکھ رہا تھا اور سر کھجاتے ہوئے سوچ رہا تھا۔ اس سے کیسی غلطی ہو گئی۔ اسے شراب نہیں پینی چاہیے تھی۔ نشے میں وہ بہک گیا تھا۔ اب کیا ہو گا۔

وہ غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر غسل خانے سے باہر آیا۔ برآمدہ خالی تھا۔ باہر ٹیکسی نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس کی دلہن نے دروازے میں آ کر کہا "تمہارے ساتھی نشے میں دھت پڑے ہوئے تھے۔ وہاں برآمدے میں عجب تماشا تھا۔ میں نے انہیں پہلے تو آواز دے کر اٹھانے کی کوشش کی' جب کوئی ٹس سے مس نہ ہوا تو پانی سے بھری ہوئی بالٹی لے کر آئی اور ان پر پانی پھینکا تو وہ سب ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے پھر ٹیکسی لے کر چلے گئے۔ ایک نے کہا ہے کہ وہ تھوڑی دیر کے بعد گاڑی واپس لے آئے گا۔"

وہ پلٹ کر کمرے میں چلی گئی۔ بادشاہ جانی تیزی سے چلتا ہوا اس کے پیچھے کمرے میں داخل ہوا پھر دروازے کو بند کرتے ہوئے سخت لہجے میں پوچھا "تم نے جواب نہیں

دیا' بتاؤ تم کون ہو؟"

وہ پلٹ کر بولی "میں تمہاری شریک حیات ہوں۔ اس گھر کی عزت ہوں۔ میرا نام رخسانہ ہے۔"

"تم جھوٹ بولتی ہو۔ یہ رات کا وقت نہیں ہے' میں اس وقت دھوکا کھا گیا تھا۔ تم اس وقت دلہن کے روپ میں تھیں۔ تم بھی سمجھ میں آتی تھیں کبھی نہیں آتی تھیں پھر نشے نے مجھے بہکا دیا لیکن اب دن کی روشنی میں' میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ تم وہ رخسانہ نہیں ہو۔"

وہ اس سے ذرا دور گئی پھر پلٹ کر بولی "تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ مجھے ایک حادثہ پیش آیا اور تم پہچاننے سے انکار کر رہے ہو۔ کیا میری آواز اور میرا لب و لہجہ بھی کسی دوسری لڑکی جیسا ہے؟"

وہ سر کھجا کر غور کرنے لگا پھر بولا "میں یہ نہیں سمجھ پا رہا ہوں۔ اصل بات یہ ہے کہ تم سے دو بار ملاقات ہوئی اور تم جیسی باتیں کرتی ہو' تو باتیں ویسی ہی ہیں لیکن آواز و لہجہ میں نہیں پہچان سکتا۔ مجھے تو ویسا ہی لگ رہا ہے۔"

"جب سب کچھ ویسا ہی ہے تو یہ نہیں سمجھ سکتے کہ تیزاب نے میری شکل بدل کر رکھ دی ہے۔"

وہ اسے سر سے پاؤں تک دیکھنے لگا۔ رخسانہ نے کہا "ہاں اچھی طرح دیکھ لو۔ مجھ سے دو بار مل چکے ہو۔ کیا میرا قد نہیں ہے۔ میں نہ تو موٹی ہوں' نہ دبلی۔ جیسا تم دیکھ چکے ہو' ویسی ہی ہوں۔ اگر کچھ فرق ہے تو مجھے بتا دو۔"

وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کے کرسی پر بیٹھ گیا۔ رخسانہ نے آگے بڑھ کر کہا "امی تمہیں بتانا چاہتی تھیں کہ میرا چہرہ بگڑ گیا ہے لیکن میں نے منع کر دیا تھا۔ مجھے اپنی محبت پر اور تم پر بڑا اعتماد تھا۔ میں جانتی تھی کہ تم مجھے ہر صورت کے ساتھ قبول کر لو گے لیکن یہاں میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچ رہی ہے۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ تم شش و پنج میں مبتلا ہو اور مجھے قبول کرنے سے کترا رہے ہو۔ اب بھی تم جس طرح چاہو' تصدیق کر سکتے ہو۔"

اس نے سر اٹھا کر پوچھا "کیا تم کالج میں پڑھتی ہو؟"

"بے شک پڑھتی ہوں۔ تمہارے ساتھ دو بار جا چکی ہوں اور اب بھی تمہارے

ساتھ کالج جاؤں گی۔ وہاں رجسٹر میں تمہیں اپنا نام دکھاؤں گی۔ میرا نام رخسانہ ہے اور یہ میرا آخری سال ہے۔ اس کے بعد میں ڈاکٹر بن جاؤں گی۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے قریب آیا پھر ایک دم قریب پہنچ کر اس کے چہرے کو غور سے دیکھنے لگا۔ دیکھنے پر بھی کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو وہ انگلیوں سے اس کے چہرے کو چھونے لگا پھر اچانک ہی پیچھے ہٹ کر بولا "ارے تم کیا بولتی ہو۔ ٹماٹر کو آدھا کاٹ کر پھینک دینے سے کیا باقی آدھا ٹماٹر صورت بدل کر بینگن بن جائے گا۔ میں جس رخسانہ کو جانتا ہوں' وہ ٹماٹر کی طرح سرخ تھی' ٹماٹر کی طرح اور تم بینگن ہو۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی "ایک طرح سے تم میری تعریف کر رہے ہو کیونکہ میں رخسانہ ہوں۔ دوسری طرف تم میری توہین کر رہے ہو کیونکہ موجودہ صورت میں' میں تمہارے لیے قابل قبول نہیں ہوں۔ میں سمجھتی ہوں کہ کچھ دنوں تک تمہاری یہی حالت رہے گی لیکن رفتہ رفتہ یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاؤ گے کہ جس کے لیے تم دیوانے تھے' وہی تمہارے پاس ہے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی باہر گاڑی کی آواز سنائی دی۔ رخسانہ نے آگے بڑھ کر کھڑکی کا پردہ ہٹا کر دیکھا پھر پلٹ کر بولی "امی ہمارے لیے ناشتا لے کر آئی ہیں۔ خدا کے لیے ان کے سامنے میری توہین نہ کرنا یہ میرا اور تمہارا ذاتی معاملہ ہے۔ ہم ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ جب تم مجھے سمجھ نہ سکو اور اپنی رخسانہ تسلیم کرنے سے انکار کر دو' تب ہم یہ معاملہ بڑوں تک پہنچائیں گے اور دس آدمیوں کے سامنے فیصلہ رکھیں گے۔ دیکھتے ہیں کہ دنیا مجھے جھوٹا کہتی ہے یا تمہیں؟"

وہ اس کی باتیں سنتا جا رہا تھا۔ اسے دیکھتا جا رہا تھا اور اندر ہی اندر کہتا جا رہا تھا کہ مجھے اس کی صورت کو اور اچھی طرح دیکھنا اور سمجھنا چاہیے۔ پہلے تو اس کی آنکھوں کو دیکھتا رہوں۔ کیا اس رخسانہ کی آنکھیں بھی ایسی ہی تھیں مگر مجھے تو ٹھیک طرح یاد نہیں آ رہا ہے لیکن جب وہ نظریں اٹھا کر مجھے دیکھتی تھی تو میں نظریں جھکا لیتا تھا۔ یوں دیکھا جائے تو میں نے اس کے چہرے کو ٹھیک طرح سے دیکھا نہیں تھا۔ مجھے شرم آتی تھی۔ میں مرد ہو کر اس سے جھجک جاتا تھا اور ادھر ادھر دیکھنے لگتا تھا۔ میں اُلّو کا پٹھا ہوں۔ اس کو دو دن میں اتنی اچھی طرح نہیں دیکھ سکا کہ اس رخسانہ اور اس رخسانہ کا بہت زیادہ فرق معلوم

کر سکوں۔ میں کیا کروں۔ میرا دل نہیں مانتا کہ یہ وہی رخسانہ ہے۔

اس کی ساس ایک بڑا سا ناشتے کا تھال اٹھا کر کمرے میں داخل ہوئیں۔ رخسانہ نے سر جھکا کر ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا "امی آداب۔"

وہ بیٹی کو دعائیں دیتے ہوئے اپنے داماد کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگیں کیونکہ وہ یک ٹک رخسانہ ہی کو دیکھتا جا رہا تھا اور سوچتا جا رہا تھا۔ رخسانہ نے پوچھا "آپ اکیلی ہی آئی ہیں؟"

"ہاں بیٹی' میں نے سوچا یہاں تم نے معلوم نہیں کیسا وقت گزارا ہوگا؟ بادشاہ جانی نے تمہیں اس صورت میں قبول کیا ہوگا یا نہیں؟ یہی سب کچھ سوچ کر میں کسی کو ساتھ نہیں لائی۔ اکیلی آئی ہوں۔ کیوں بیٹے تم اس طرح گم صم کیوں بیٹھے ہو؟"

وہ ویسے ہی بیٹھا رہا۔ رخسانہ نے قریب آ کر اسے جھنجوڑتے ہوئے آہستگی سے کہا "کیا ہو گیا ہے تمہیں' امی آئی ہیں' اٹھ کر سلام کرو۔"

وہ جلدی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا پھر سلام کرنے کے بعد رخسانہ کو دیکھنے لگا۔ وہ اپنی ماں کے ہاتھوں سے ناشتے کا تھال لے کر میز پر رکھ رہی تھی۔ بادشاہ جانی نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا "محترمہ' میں نہیں جانتا کہ آپ کو کس طرح مخاطب کرنا چاہیے۔ کیا میں امی بولوں؟"

وہ مسکراتے ہوئے بولیں "اس سے اچھی بات کیا ہو گی بیٹے۔ اب تو میں تمہاری بھی ماں ہوں۔"

"دیکھیے' اگر آپ میری ماں ہیں تو سچ سچ ایک ماں کی طرح مجھے جواب دیجیے۔ کیا یہ وہی رخسانہ ہے جس کے ساتھ میں پہلی بار آپ کے گھر آیا تھا؟"

اس کی ساس نے حیرانی سے اسے دیکھا پھر اپنی بیٹی کو دیکھنے کے بعد بولیں "ہاں' یہ وہی رخسانہ ہے۔ کیا یہ تمہیں کوئی دوسری لڑکی لگ رہی ہے؟"

"آپ خود انصاف سے بولیے۔ کیا جب میں پہلی بار اس رخسانہ کے ساتھ آیا تھا تو اس کا چہرہ ایسا ہی تھا۔"

"نہیں ایسا نہیں تھا۔ یہ بات میں مانتی ہوں۔ اب تھوڑا سا بدل گیا ہے۔ میں تمہیں پہلے بتانا چاہتی تھی لیکن اس نے مجھے منع کر دیا۔ کہتی تھی کہ اس کی صورت جیسی

بھی ہوگی، تم اسے قبول کرلوگے۔ تمہیں اس کی صورت کے متعلق پہلے سے بتادینے سے شاید کوئی ہنگامہ کھڑا ہوجائے۔ تم شادی سے انکار کردیتے۔ یوں ہمارے خاندان میں، ہمارے محلے میں بڑی بے عزتی ہوتی، بہت ساری باتیں اس سلسلے میں ہوسکتی تھیں اس لیے ہم نے تم سے بات چھپائی۔"

"وہ تو ٹھیک ہے کہ بات چھپائی۔ مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔ میں تو صرف یہ سوچ رہا ہوں کہ یہ چہرہ اس چہرے سے بالکل الگ کیسے ہوگیا؟"

"بالکل الگ نہیں ہے بیٹے، آدھے چہرے کی خرابی نے باقی آدھے چہرے پر اثر ڈالا ہے اس لیے جو اچھا چہرہ نظر آرہا ہے، اس سے ہلکی سی تبدیلی پیدا ہوگئی ہے جس کی وجہ سے تم گڑبڑا گئے ہو۔ پہلے جس توجہ سے تم نے رخسانہ کو دیکھا تھا اسی توجہ سے اور اپنائیت سے اب بھی دیکھو گے تو تمہیں فرق نظر نہیں آئے گا۔ چلو اب ناشتا کرلو۔"

وہ میز کے اطراف کرسیاں کھینچ کر بیٹھ گئے۔ اس کی ساس نے کہا "میں کھا کر آئی ہوں۔ تم دونوں ناشتا کرو، میں پانی لے کر آتی ہوں۔"

وہ باورچی خانے کی طرف جانے لگیں۔ اس وقت دوسری گاڑی کی آواز سنائی دی۔ بادشاہ جانی نے کہا "شاید میری ٹیکسی آگئی ہے۔ مجھے کسی ایسے آدمی سے یہ سب کچھ پوچھنا چاہیے جو سچ اور انصاف کی بات کرتا ہو۔ میرے مستری چاچا بہت سچے اور کھرے ہیں، وہ کھرے تجربے کی باتیں کرتے ہیں۔ انہوں نے پہلے مجھے بہت سمجھایا تھا مگر میری کھوپڑی میں بات نہیں آئی۔ اب میں ان کو بلا کر لاؤں گا۔ وہ رخسانہ کو ایک بار اپنے گیرج کے سامنے دیکھ چکے ہیں۔ جب وہ پہلی بار میری ٹیکسی میں آکر بیٹھی تھی۔ مستری چاچا ضرور تمہیں پہچان لیں گے وہی فیصلہ کریں گے کہ تم کون ہو؟"

وہ لقمہ چباتے ہوئے بولی "دیکھو جانی! کیا میں بدصورت ہوں کیا اتنی بری ہوں کہ تم صرف میرے ہی بارے میں سوچتے جارہے ہو اور مجھے اپنی زندگی سے نکال دینے کے لیے میری مخالفت ہی میں بولتے جارہے ہو۔"

"یہ بات نہیں ہے۔ تم بری نہیں ہو، تم تو اتنی اچھی ہو کہ کوئی بھی تمہارے آدھے چہرے پر قربان ہوسکتا ہے لیکن میں کیا کروں۔ مجھے تو وہی صورت یاد آتی ہے اور وہی صورت اچھی لگتی ہے۔ میں اسی صورت سے پیار کرتا ہوں، اسی صورت پر مرتا ہوں۔"

"اگر تقدیر ظالم بن گئی اور اس نے اس صورت کو ذرا سا بدل دیا ہو تو کیا تم اسے سمجھنے کی کوشش نہیں کروگے؟"

وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا پھر بولا "یہ ناشتا تو بہت اچھا ہے مگر میرے حلق سے نہیں اتر رہا ہے۔ جب تک میں مستری چاچا سے تمہارے متعلق فیصلہ نہیں کراؤں گا، اس وقت تک مجھے سکون نہیں ملے گا، میں ابھی ان کو بلا کر لاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے جانے لگا۔ رخسانہ نے اسے آواز دی "کہاں جاتے ہو، ناشتا تو کرلو۔"

وہ تیزی سے جارہا تھا۔ دوسری طرف سے اس کی ساس پانی کے دو گلاس بھر کر لارہی تھی۔ دونوں دروازے پر ٹکرا گئے۔ گلاس فرش پر گر پڑے۔ اس کی ساس نے حیرانی سے پوچھا "کیا ہوا؟"

وہ بولا "میں اندھا ہوگیا ہوں۔ مستری چاچا سے آنکھیں مانگنے جارہا ہوں، ابھی آجاؤں گا۔"

یہ کہہ کر وہ باہر آیا۔ اس کی ٹیکسی کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے اسٹیئرنگ سیٹ سنبھال لی پھر دوسرے ہی لمحے گاڑی کو اسٹارٹ کرکے اسے پیچھے کی طرف موڑ کر تیزی سے آگے بڑھتا چلا گیا۔ وہاں سے چاچا کا گیرج بہت دور تھا۔ تمام راستے ونڈ اسکرین کے پار اسے دو چہرے نظر آتے رہے۔ ایک اس رخسانہ کا تھا جو اس کی محبوبہ تھی لیکن اس کا چہرہ دھندلا دھندلا سا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کون سا چہرہ اصل ہے۔ قصور اس کا ہی تھا کہ اس نے پوری توجہ سے نظر بھر کر اسے نہیں دیکھا تھا۔ اب جو دلہن بنی ہوئی تھی اس کا چہرہ بالکل صاف تھا۔ ونڈ اسکرین کے پار وہ آئینے کی طرح نظر آتی تھی اور اس چہرے پر پہلے والی رخسانہ کا چہرہ گڈمڈ ہوجاتا تھا۔ کبھی وہ آنکھیں بدل جاتی تھیں اور کبھی دلہن کی آنکھیں نظر آنے لگتی تھیں۔ چہرہ بھی یوں لگتا تھا کہ کبھی ادھر ہورہا ہے اور کبھی ادھر ہورہا ہے۔ اس کی دماغی حالت بڑی عجیب سی ہورہی تھی۔ شاید وہ پاگل ہونے والا تھا۔

وہ گیرج کے سامنے پہنچ گیا۔ مستری چاچا اس وقت کہیں جانے کی تیاری کررہے تھے اور مزدوروں کو سمجھا رہے تھے۔ بادشاہ جانی کو دیکھتے ہی انہوں نے ناراضگی سے منہ

پھیر لیا پھر اپنے ایک مزدور سے باتیں کرنے لگے۔ بادشاہ گاڑی سے اتر کر ان کے پاس آیا پھر ہاتھ جوڑ کر بولا "چاچا مجھے معاف کر دو۔ میں دولہا بنا ہوا تھا۔ آگے بڑھ کر آپ کو روک نہیں سکتا تھا۔ اتنے سارے لوگ کیا کہتے۔ ہم تماشا بن جاتے۔ آپ کو نہیں آنا چاہیے تھا۔ برے وقت میں بھلا کوئی اپنوں کا ساتھ چھوڑتا ہے۔"

مستری چاچا نے ہاتھ ہلا کر کہا "بس کر' چلا جا یہاں سے۔ اپنا پن جتانے آیا ہے۔ اگر میری بات مان لیتا تو تیرے ساتھ وہ کیوں ہوتا جو کل رات سے ہو رہا ہے۔ ارے' مجھے ساری بات معلوم ہے۔ تیرے باراتیوں نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔"

"پھر تو بہت اچھا ہوا چاچا۔ اب مجھے کچھ بتانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ بس ابھی میرے ساتھ چلو۔"

"نہیں' اب میں تمہارے معاملے میں نہیں پڑوں گا۔ نہ شادی میں شریک ہوا اور نہ اب تمہاری ازدواجی زندگی کے معاملے میں کچھ بولوں گا۔"

"چاچا' میرا قصور معاف کر دیں۔ میں گدھا ہوں' اُلّو کا پٹھا ہوں' مجھے دو جوتے مار لو مگر ابھی میرے ساتھ چلو۔"

"مگر مجھے کیوں ساتھ لے جانا چاہتا ہے؟ اب میں کیا کروں گا؟"

"تم اس لڑکی کو دیکھ کر صرف اتنا بتا دو کہ یہ وہی ہے کہ نہیں جو اس روز یہاں گیرج میں آئی تھی اور پوچھ رہی تھی کہ ٹیکسی خالی ہے اور میں پہلی بار اسے بٹھا کر لے گیا تھا۔ اس لڑکی کو تم نے دیکھا تھا؟"

"ہاں دیکھا تھا۔"

"تم اسے پہچان لوگے نا"

مستری چاچا سوچنے لگے پھر ذرا انکار میں سر ہلا کر بولے "دیکھو بیٹے' میں پرائی بہو بیٹیوں کو توجہ سے نہیں دیکھتا۔ میں نے ایک بار نظر اٹھا کر اسے دیکھا تھا پھر نظریں جھکا لی تھیں۔ اب اتنے میں' میں کیا جانوں' وہ کیسی ہے اور میں اسے دوسری لڑکیوں میں پہچان سکوں گا یا نہیں۔"

"چاچا' میرے گھر میں دس لڑکیاں نہیں ہیں۔ وہ ہے' اس کی ماں ہے۔ بس اسے دیکھ کر اتنا بول دو کہ یہ وہی رخسانہ ہے یا نہیں۔"

"میں کیسے بولوں۔ کہہ تو رہا ہوں کہ اسے غور سے نہیں دیکھا تھا۔"

"چلو غور سے نہیں دیکھا تھا مگر دیکھا تو تھا ناں۔"

مستری چاچا نے اسے گہری نظروں سے دیکھا پھر آہستگی سے پوچھا "کیا تو نے اس کے ساتھ رات گزاری؟"

"ہاں گزاری۔"

"سوچ سمجھ کر جواب دے۔ دولہا' دلہن والی رات گزاری۔"

"آں۔" وہ بوکھلا گیا۔ نظریں جھکا لیں پھر کترانے کے انداز میں دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"دیکھو بادشاہ' مجھ سے جھوٹ مت بولنا۔"

اس نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا "چاچا' میری تقدیر خراب ہے۔ کل رات کو میری کھوپڑی الٹ گئی تھی۔ میں نشہ کر کے پچھتا رہا ہوں۔ بس غلطی ہو گئی۔"

"ابے او غلطی کے بچے' جب تو نے اسے دلہن بنا لیا' دلہن مان لیا اور دلہن کا رشتہ پورا کر دیا' تب یہ پوچھنے کا تجھے کیا حق ہے کہ وہ پہلے والی رخسانہ ہے یا نہیں؟ وہ جو بھی ہے اب تیری بیوی ہے' تیری عزت ہے۔"

"عزت کی ایسی کی تیسی' جہاں دھوکا ہوتا ہے' وہاں عزت نہیں ہوتی۔"

"ایک تو بڑی مصیبت یہ ہے کہ تیری کھوپڑی الٹی ہے۔ تجھے سمجھانے میں دیر لگتی ہے۔ سن ذرا توجہ سے سن۔ مان لے کہ وہ جو تیری بیوی ہے' وہ تیری پہلے' والی رخسانہ نہیں ہے۔"

وہ سر ہلا کر بولا "یہی تو میں کہتا ہوں۔"

"ابے سن' بڑا کہنے والا آیا۔ جب تو یہ سمجھ رہا ہے کہ وہ تیری رخسانہ نہیں ہے تو پھر تو نے اس کے ساتھ رات کیوں گزاری؟"

"وہ تو نشے میں غلطی ہو گئی۔"

"ابے تو کیا تھانے اور کچہری میں جا کر یہی بولے گا۔ بولے گا تو جوتے پڑیں گے۔ بات سمجھنے کی کوشش کر۔ فرض کر لے کہ وہ تیری رخسانہ نہیں ہے کوئی دوسری لڑکی ہے جسے تیری بیوی بنایا گیا ہے۔ ساری پنچایت' ساری عدالتیں تجھ سے یہی سوال کریں گی کہ

جب وہ تیری رخسانہ نہیں تھی، تجھے اس پر شک تھا تو شک کو برقرار رکھتا۔ پنچایت میں فیصلہ کراتا لیکن ایسا تو نے نہیں کیا۔ اسے بیوی مان لیا۔ اس کے ساتھ رات سے صبح کردی۔ اب وہ جو کوئی بھی ہو، تجھے اس کا شوہر بن کر رہنا پڑے گا۔ انکار کرے گا تو اسے طلاق دینا ہوگی۔ طلاق دے گا تو پچاس ہزار روپے دینے ہوں گے۔ پچاس ہزار روپے دے دے گا تو تیرے دونوں پلاٹ اور مکان، سب کچھ تیرے ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ تیرے پاس رہے گا کیا؟ ابے عقل کے اندھے تو نے اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری ہے تو اب اس کی چوٹ کو بھی برداشت کر۔"

"چاچا، میں اس لیے نہیں آیا کہ تم میرے زخم پر نمک چھڑکو۔ میں بہت بری طرح پھنس گیا ہوں، مجھے اس مصیبت سے نکالو۔ بس ایک بار کسی طرح یہ معلوم کرلو کہ وہ میری رخسانہ ہے یا نہیں ہے۔"

"بادشاہ تو جوان ہے۔ تیری آنکھوں کی روشنی تیز ہے۔ تو نے شادی سے پہلے دو دنوں تک اسے دیکھا، کل رات سے صبح تک اسے دیکھتا رہا۔ جب تو جوان ہو کر اسے نہیں پہچان رہا ہے تو میری بوڑھی آنکھیں اسے کیسے پہچانیں گی۔"

"چاچا، پہچاننے کے لیے صرف آنکھ ہی ضروری نہیں ہے، عقل بھی ضروری ہے اور وہ میرے پاس نہیں ہے۔ تمہارے پاس ہے۔ تم اپنی عقل لڑاؤ اور جو سچ ہے اسے معلوم کرلو۔"

مستری چاچا سر جھکا کر سوچنے لگے، پھر اس سے دور جا کر ٹہلنے لگے۔ بادشاہ جانی انہیں سوالیہ نظروں سے اور کبھی التجا آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ آخر انہوں نے سر اٹھا کر کہا "چل میں تیرے ساتھ چلتا ہوں۔ میں اسے آزمالوں گا کہ وہ پہلے والی رخسانہ ہے یا نہیں ہے۔"

بادشاہ نے خوشی سے اچھل کر نعرہ لگایا "واہ چاچا زندہ باد۔ یہ بات ہوئی نا۔ مجھے یقین تھا کہ تم کسی نہ کسی طرح تدبیر سے اصل بات معلوم کرلو گے۔"

وہ دونوں وہاں سے ناگن چورنگی پہنچے۔ وہاں گھر میں دونوں ماں بیٹی بادشاہ کا انتظار کررہی تھیں۔ اس کے ساتھ مستری چاچا کو آتے دیکھا تو دونوں نے اپنے اپنے سروں پر آنچل رکھ لیے۔ بادشاہ نے کہا "چاچا آجاؤ، اپنا ہی گھر ہے۔ یہ تو آپ ہی کی بہو ہے،

پردے کی کوئی بات نہیں ہے۔ امی شاید آپ بھی پردہ نہیں کرتی ہیں۔"

اس کی ساس نے کہا "ہاں ہاں کوئی بات نہیں ہے۔ آیئے اندر تشریف لے آیئے۔"

مستری چاچا اندر آئے۔ انہیں ایک کرسی پر بٹھایا گیا۔ رخسانہ نے سر جھکا کر آداب کیا۔ مستری چاچا نے اسے دعائیں دیں پھر اسے ایک نظر دیکھا۔ اس کے بعد نظریں جھکالیں۔ رخسانہ کی امی نے کہا "دیکھئے کل مہر کی رقم کے سلسلے میں ہمارے درمیان جھگڑا ہوگیا تھا، آج آپ کو ماننا پڑے گا کہ میں نے پچاس ہزار روپے کی رقم لکھوا کر دانشمندی کا ثبوت دیا ہے۔ آج کل کے نوجوان بہت گرم مزاج ہوتے ہیں۔ اگر بادشاہ غصے میں آکر میری بیٹی کو طلاق دے دیتا تو میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتی لیکن اس پچاس ہزار کی رقم نے اس کے منہ پر تالا لگادیا۔ آپ یقین کریں ہم شریف لوگ ہیں۔ ہمارے یہاں طلاق کو بہت برا سمجھا جاتا ہے۔ میری بیٹی اب جیسی بھی ہے، بادشاہ کی عزت ہے یہ اسے اپنے پاس عزت سے رکھے یا اس پر ظلم کرے، یہ ہر حال میں بادشاہ کے ساتھ زندگی گزارے گی لیکن پچاس ہزار کے لالچ میں کبھی طلاق کا نام بھی اپنی زبان پر نہیں لائے گی۔"

مستری چاچا سر جھکائے سن رہے تھے اور کبھی کبھی نظریں اٹھا کر رخسانہ کو دیکھ لیتے تھے۔ اسے پہچاننے کی کوشش کررہے تھے۔ بے چارے نے ایک ہی بار رخسانہ کو دیکھا تھا اس لیے آنکھوں کے ذریعے فیصلہ نہیں کرسکتے تھے۔ اب عقل سے ہی فیصلہ کیا جاسکتا تھا اس لیے انہوں نے کہا "بیٹی میں کچھ پوچھوں گا۔ برا نہیں ماننا جب تم پہلی بار میرے گیرج آئیں تو تم نے ٹیکسی کے پاس آکر بادشاہ سے کیا پوچھا تھا؟"

رخسانہ نے کہا "محترم بزرگ، اس کا جواب ایک بچہ بھی دے دے گا کیونکہ ایک ٹیکسی کے پاس آکر یہی پوچھا جاتا ہے کہ ٹیکسی خالی ہے یا نہیں۔"

"ہاں بیٹی تم درست کہتی ہو۔ میں دوسرا سوال کرتا ہوں اس کے بعد تم نے انگریزی میں کچھ کہا تھا، بتاؤ تو کیا کہا تھا؟"

"وہاں گاڑی کا پہیہ لگایا جارہا تھا۔ میں نے اپنی رسٹ واچ کو دیکھ کر کہا تھا۔ آئی ایم گیٹنگ لیٹ۔"

یہ کہتے ہی وہ منہ دبا کر ہنسی پھر بولی "اس کے بعد بادشاہ نے کہا تھا کہ یہ بھی انگریزی جانتے ہیں۔ کوئی انگریزی سواری آتی ہے تو یہ اس سے کہتے ہیں کہ میٹر سے نہیں جائیں گے آنا ہے تو "کم" نہیں تو "گو"۔"

یہ کہہ کر وہ پھر ہنسنے لگی۔ مستری چاچا نے تائید میں سر ہلا کر کہا "بیٹی تم بالکل درست کہتی ہو۔ یہی سب کچھ ہوا تھا۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ تم وہی رخسانہ ہو۔ اس لڑکے کا دماغ خراب ہوگیا ہے۔"

رخسانہ کی امی نے کہا "میری بیٹی ابھی بادشاہ کے ساتھ میڈیکل کالج جائے گی۔ وہاں یہ ثابت کردے گی کہ یہ میڈیکل کی طالبہ ہے اور یہ اس کا آخری سال ہے۔ اس کا نام رخسانہ ہے۔ یہ اب تک کلاسیں اٹینڈ کرتی رہی تھی۔ یہ ساری باتیں بادشاہ کو کالج پہنچ کر معلوم ہوجائیں گی۔ اب اس کے بعد میری سمجھ میں نہیں آتا کہ بادشاہ کو کس طرح یقین دلایا جائے۔"

مستری چاچا نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا "بس محترمہ، مجھے تو یقین آگیا ہے۔ یہ لڑکا پہلے ہی الٹی کھوپڑی کا ہے۔ اس کی سمجھ میں جلدی کوئی بات نہیں آتی ہے، آہستہ آہستہ سیدھا ہوجائے گا۔"

وہ رخسانہ کے پاس آئے پھر اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیر کر کہا "بیٹی بڑے افسوس کی بات ہے کہ تمہارے چہرے کے ساتھ ایسا ہوگیا۔ اس کے باوجود تم خوب صورت ہو، بہت پیاری ہو۔ میں تمہیں بیٹی کہتے ہوئے خوشی محسوس کر رہا ہوں۔"

انہوں نے جیب سے سو کا ایک نوٹ نکالا پھر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "میں تمہارے لیے کوئی تحفہ نہ لا سکا۔ اسے ایک غریب چاچا کی طرف سے قبول کرلو۔"

بادشاہ نے دانت نکال کر کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے کہا "میں تو پہلے ہی سمجھتا تھا کہ یہ میری رخسانہ ہے، بس ذرا دل میں شک ہو رہا تھا۔ جب تم نے مان لیا چاچا تو مجھے بھی شک نہیں رہا، میں بھی مانتا ہوں۔"

مستری چاچا نے اس کی ساس کو دیکھتے ہوئے کہا "بہن چلو، میں تمہیں گھر پہنچا دوں گا۔ ان دونوں کو آپس میں اچھی طرح سمجھوتا کرنے دو۔"

وہ کمرے سے باہر جانے کے لیے دروازے تک گئے پھر وہاں سے پلٹ کر کہا "بادشاہ

میں تمہاری ٹیکسی لے جا رہا ہوں۔ اپنے کسی چھوکرے سے واپس بھیج دوں گا اور ٹنکی بھی فل کرا دوں گا۔"

یہ کہہ کر وہ باہر چلے گئے۔ اس کی ساس بھی ان کے پیچھے کمرے سے نکل گئی۔ بادشاہ نے لپک کر دروازے کو ایک زوردار آواز کے ساتھ بند کردیا پھر چٹخنی چڑھا دی۔ رخسانہ نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا "یہ کیا حرکت ہے؟ دروازہ اتنی زور سے بند کیا جاتا ہے؟ امی کیا سوچیں گی۔"

"وہ بات یہ ہے کہ ذرا جوش میں بند ہوگیا۔ آئندہ خیال رکھوں گا۔" یہ کہتے ہوئے وہ قریب آیا اور پھر اسے اپنے قریب کھینچ لیا "میں بہت شرمندہ ہوں۔ میں نے کل رات سے تمہیں بہت پریشان کیا۔ اب مجھے ایک دم سے یقین آگیا ہے۔ اب میں کبھی بھول کر بھی تم پر شبہ نہیں کروں گا۔"

"بس رہنے دو ابھی میں کالج جاؤں گی۔"

"دیکھو آج، تو شادی کا دوسرا دن ہے آج تمہیں کالج نہیں جانا چاہیے۔"

وہ ایک جھٹکے سے الگ ہوکر بولی "میں پڑھنے کے لیے نہیں، خود کو رخسانہ ثابت کرنے کے لیے تمہیں ساتھ لے جاؤں گی۔"

وہ ہاتھ جھٹک کر بولا "کوئی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے یقین آگیا ہے۔ میں خدا کے بعد مستری چاچا پر بھروسا کرتا ہوں۔ وہ بہت عقل مند ہیں۔ تم نے بہت سی کتابیں پڑھی ہیں نا، وہ تم سے بھی زیادہ عقل مند ہیں۔ وہ کبھی غلط نہیں کہتے۔ بس میں نے یقین کرلیا ہے۔"

وہ بولی "نہیں، ایسے یقین کرنے سے کام نہیں چلے گا۔ بات بالکل پکی ہونی چاہیے۔ تم میرے ساتھ کالج چلو گے۔"

"کیوں کالج لے جا کر میری بے عزتی کرنا چاہتی ہو۔ میں جاہل، ان پڑھ ہوں۔ وہاں کسی لڑکے یا لڑکی نے کوئی بات پوچھی، انگریزی میں کچھ کہا تو میں منہ دیکھتا رہ جاؤں گا۔ بس میں نے کہہ دیا نا، لو کان پکڑتا ہوں، تم ہی میری رخسانہ ہو۔"

وہ کھلکھلا کر ہنستے ہوئے ایک دم سے اداس سی ہوگئی۔

○☆○

مستری چاچا ٹیکسی لے کر پہلے ناظم آباد گئے۔ وہاں انہوں نے رخسانہ کی امی کو چھوڑا پھر بمبینو کی طرف جا کر ایک پرانی گاڑی کا سودا کیا۔ وہاں سے وہ گیرج آئے۔ گیرج سے چھوٹو کو لے کر اپنے گھر پہنچے پھر چھوٹو سے کہا کہ وہ ٹیکسی کو بادشاہ کے گھر تک پہنچا دے اور وہاں سے بس میں بیٹھ کر گیرج واپس چلا جائے۔

بڑی سخت گرمی پڑ رہی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں آ کر پنکھے کے نیچے بیٹھ گئے۔ ان کی بیگم نے پوچھا "آج تو آپ بادشاہ کی ٹیکسی لے کر آئے ہیں۔ کیا پھر اس معاملے میں ٹانگ اڑا رہے ہیں۔"

انہوں نے کہا "ایسا نہ کہو۔ وہ اچھا لڑکا ہے۔ اس کے ساتھ عجیب واقعہ پیش آیا ہے۔ جس لڑکی سے اس نے شادی کی ہے' اس کا چہرہ تیزاب سے جھلس گیا ہے۔"

بیگم نے ایک دم سے کہا "ہائے بے چاری' پھر کیا ہوا؟"

"ہونا کیا ہے۔ اپنا ہی لڑکا الٹی کھوپڑی کا ہے۔ لڑکی کا آدھا چہرہ بگڑ گیا ہے تو وہ اسے پہچاننے سے انکار کر رہا ہے۔ کہتا تھا کہ لڑکی والوں نے لڑکی بدل دی ہے۔ مجھے بھی شبہ ہوا تھا لیکن ابھی میں لڑکی سے مل کر آ رہا ہوں۔ وہ بہت اچھی ہے۔ میرے سوالوں کے اس نے صحیح جواب دیے ہیں پھر یہ کہ بادشاہ کو اپنے ساتھ کالج لے جا کر یہ ثابت کر دینا چاہتی ہے کہ وہی رخسانہ ہے۔ وہ وہاں تعلیم حاصل کر رہی ہے اور اس کا یہ آخری سال ہے۔"

"چلو اچھا ہے۔ اس لڑکے کو عقل آ گئی ہے نا؟"

"ہاں وہ مان گیا ہے کہ وہی اس کی رخسانہ ہے۔"

بیگم نے پوچھا "لڑکی والے کیسے ہیں؟"

"اچھے ہیں' شریف لوگ ہیں۔ بادشاہ کو کسی معاملے میں دھوکا نہیں دے رہے ہیں۔ اگر دھوکا دینا ہوتا تو اس کی ساس یہ ضرور کہتی کہ لڑکی کو طلاق دے دو اور پچاس ہزار روپے رکھ دو۔ لڑکی کا پلا بھاری ہے۔ بادشاہ کے دونوں پلاٹ اور مکان بھی لڑکی کے نام ہیں۔ اب بادشاہ کو دھوکا دینے کے لیے کچھ بھی نہیں رہ گیا لیکن وہ لوگ ایسے نہیں ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ بادشاہ عزت و آبرو سے اس رشتے کو نباہتا رہے۔"

وہ خاموش رہ کر کچھ سوچنے لگے۔ ان کی بہو نے آ کر کہا "ابا کھانا تیار ہے' کمرے میں آ جائیے۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے اپنی بیگم سے بولے "بیگم اگر لڑکی والے لڑکی کو بدل دیتے اور بادشاہ کو دھوکا دیتے تو جانتی ہو' میں بادشاہ سے کیا کہتا؟"

"کیا کہتے؟"

"میں اس سے جھوٹ بولتا۔ اس سے کہہ دیتا کہ لڑکی بدلی نہیں گئی ہے' وہ اس کی رخسانہ ہی ہے۔"

بیگم نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر حیرانی سے پوچھا "ہائے آپ اس سے جھوٹ کیوں بولتے؟ دھوکا کیوں دیتے؟"

"اس لیے کہ کمبخت سہاگ رات گزار چکا ہے۔ آخر لڑکی کی کوئی عزت ہوتی ہے۔ ماں باپ دھوکا دیتے تو اس میں لڑکی کا کیا قصور تھا۔ قصور تو سراسر بادشاہ کا تھا۔ جب اسے انکار تھا' جب اسے شبہ تھا تو اسے کیا حق پہنچتا تھا کہ وہ لڑکی کو ہاتھ بھی لگاتا۔ میری بات سمجھ رہی ہو نا؟"

بیگم نے تائید میں سر ہلایا پھر وہ دونوں کھانے کے کمرے میں چلے گئے۔

○☆○
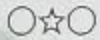
وہ اپنے آدھے چہرے کو بڑے سلیقے سے چھپا کر رکھتی تھی۔ بادشاہ جانی نے دن رات اس کے چہرے کو قریب سے دیکھا تھا۔ اچھی طرح دیکھا تھا۔ اس کے آدھے چہرے پر کہیں کہیں تیزاب کے چھینٹے پڑے تھے اور چہرہ جل کر ایسی رنگت اختیار کر گیا تھا جیسے گوشت جلتے وقت ہلکا ہلکا سرخ پڑ جاتا ہے۔ اس کی آنکھیں' اس کی ناک اور اس کے ہونٹ سلامت تھے۔ بھویں بھی سلامت تھیں۔ پیشانی پر دو ایک چھینٹے پڑے تھے جہاں جہاں تیزاب نے اپنا اثر چھوڑا تھا' وہاں وہ سفید کپڑے کی پٹیاں بڑے سلیقے سے کاٹ کر چپکا لیتی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے زخموں کی مرہم پٹی کی گئی ہو اور جب وہ زخم اچھے ہو جائیں گے تو پٹیاں ہٹا دی جائیں گی پھر چہرہ مکمل ہو جائے گا۔

ان پٹیوں کی موجودگی میں بھی چہرہ مکمل ہی لگتا تھا کیونکہ جو چہرے کا بھیانک پن تھا' وہ چھپ جاتا تھا۔ دونوں خوب صورت آنکھیں مسکراتے ہوئے اسے دیکھتی تھیں تو وہ ساری دنیا کو بھول جاتا تھا۔ کبھی کبھی سوچتا تھا کہ وہ ایک معمولی ٹیکسی ڈرائیور ہے۔ اتنی حسین لڑکی اس پر عاشق کیسے ہو گئی؟ پھر یہ اس کی شریک حیات کیسے بن گئی؟ کیا یہ بھی

تقدیر کا کوئی مذاق ہے؟

ایک بار اس نے پوچھا "رخسانہ میری یہ الجھن دور کردو۔ میں اپنے آپ کو بہت چھوٹا سمجھتا ہوں۔ یہ خیال مجھ کو ستاتا رہتا ہے۔ تمہاری جیسی حسین اور شریف خاندان کی لڑکی، ناظم آباد کی کوٹھی میں رہنے والی نے مجھے کیسے پسند کرلیا۔ تم میری شریک حیات کیوں بن گئیں، تمہارے لیے تو بڑے بڑے گھرانوں سے رشتے آرہے تھے۔"

رخسانہ نے جواب دینے سے پہلے اپنا سر اس کے شانے پر رکھ دیا پھر دور کہیں خیالوں میں گم ہوکر بولی "تم چھوٹے کہاں ہو۔ تم اتنے قدر آور ہو کہ میں تمہیں سر اٹھا کر دیکھتی ہوں تو تمہارا سر آسمان سے لگتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ یاد رہے شادی سے پہلے ہم نے خوب بحث کی تھی کہ ٹیکسی ڈرائیور لوگ چھوٹے ہوتے ہیں۔ شریف نہیں ہوتے ہیں اور ہم جیسے سفید پوش لوگوں نے شرافت کا ٹھیکا لے رکھا ہے۔ اس بحث میں تم جیت گئے تھے، مجھے قائل کردیا تھا۔ ایک تو میں تمہاری شخصیت اور تمہارے انداز گفتگو سے متاثر ہوتی رہی تھی، دوسرے تمہارے خیالات نے مجھے اپنا بنالیا۔ تمہاری ایک بات نے تو دل پر بہت ہی اثر چھوڑا تھا۔"

"کون سی بات؟"

"یہی کہ بلندی سے جھک کر کسی کو نیچے سے اٹھانا اور اپنے برابر کھڑا کرنا سب سے بڑی نیکی اور سب سے بڑا تعریفی عمل ہے۔ اس بات کو سن کر میں نے دل ہی دل میں فیصلہ کرلیا تھا کہ اسی سے تمہارا تعارف کراؤں گی اور شریک حیات بنوں گی تو صرف تمہاری۔"

"تمہارے خاندان میں اور تمہارے طبقے میں کسی نے یہ نہیں کہا کہ میں چھوٹا آدمی ہوں؟"

"کون کہے گا۔ ہم نے تو سب سے یہی کہا ہے کہ تم ٹیکسی کے مالک ہو۔ مکان کے مالک ہو۔ دو دو پلاٹوں کے مالک ہو۔ تمہارے پاس جتنا ہے، اتنا سفید پوشوں کے پاس نہیں ہوتا ہے۔ وہ سب تم سے مرعوب ہیں، بس ایک ٹیکسی ڈرائیور کا نام تمہاری پیشانی سے مٹادیا ہے۔"

یعنی اس کا آدھا چہرہ چھپادیا گیا تھا۔ شادی کے بعد بادشاہ جانی نے ٹیکسی نہیں چلائی

تھی۔ اس نے اپنی ٹیکسی ایک ڈرائیور کے حوالے کردی تھی۔ وہ صبح سات بجے ٹیکسی لے جاتا تھا اور شام کو سات بجے واپس لے آتا تھا۔ جو بھی آمدنی ہوتی تھی اس کا حساب کرلیا جاتا تھا۔ ایک دن بادشاہ جانی نے کہا "آمدنی تو ہورہی ہے لیکن کم ہورہی ہے۔ خود ٹیکسی چلانے اور دوسرے سے چلوانے میں بہت فرق ہوتا ہے۔"

رخسانہ نے کہا "کوئی بات نہیں۔ تم رات کو ٹیکسی چلاسکتے ہو۔ ایسے علاقوں میں جہاں ہمارے جان پہچان والے نہ ہوں۔ اس طرح ڈبل آمدنی ہوگی۔ دن کو بھی ٹیکسی چلے گی اور رات کو بھی۔"

"مگر گاڑی کو زیادہ استعمال کرنے سے وہ جلد خراب ہوجاتی ہے۔ ہر چیز کو دیکھ بھال کر کام میں لانا پڑتا ہے۔"

وہ بولی "تم نہیں جانتے کہ میں کیا سوچتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ ہماری آمدنی بڑھتی رہے۔ میں جلدی سے یہ آخری سال پورا کرلوں، پھر یہاں اپنی ایک ڈسپنسری کھول لوں۔ کچھ نہ کچھ تو میں بھی کمالیا کروں گی۔"

وہ تنہائی کے محبت بھرے لمحات میں اس پر قربان ہوتا تھا اور پوچھتا تھا "آخر تمہیں کمائی کی اتنی دھن کیوں ہے؟"

وہ اسے دیکھتی تھی۔ اس کی نظروں میں ڈوبتی تھی پھر بڑے دکھ سے کہتی تھی "میں یہ آدھا چہرہ لیے ساری زندگی نہیں گزار سکتی۔ میں تمہیں دکھانا چاہتی ہوں کہ میں کتنی حسین ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ زیادہ سے زیادہ پیسے کمائے جائیں اور انہیں جمع کیا جائے پھر اتنی رقم ہوجائے کہ میں پلاسٹک سرجری کے ذریعے اپنے چہرے کا یہ عیب دور کرلوں اس کے بعد دیکھنا میں تمہارے ساتھ کتنے فخر سے باہر گھوما کروں گی۔"

تنہائی کے لمحوں میں جب بھی چہرے کا ذکر چلتا، تو وہ بے اختیار اپنی انگلیوں سے اس کے چہرے کو چھونے لگتا تھا۔ ادھر ادھر سے ٹٹول کر دیکھتا تھا۔ اس روز بھی اس نے اسے بڑے غور سے دیکھتے ہوئے کہا "ہاں رخسانہ، میں تمہارے چہرے کو دیکھتا ہوں تو ایسا لگتا ہے کہ کچھ گم ہوگیا ہے۔ وہ چہرہ نظر نہیں آتا جو میں نے ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر دیکھا تھا۔ جب پلاسٹک والی بات ہوجائے گی، تو کیا کہتے ہیں اسے......"

وہ بولی "پلاسٹک سرجری۔"

"ہاں' پلاسٹک سرجری ہو جائے گی اور تم اپنا پہلے والا چہرہ پالو گی تو مجھے بھی سب کچھ مل جائے گا۔"

رخسانہ نے بڑے کرب سے پوچھا "کیا تمہیں ابھی میری ذات سے کچھ نہیں مل رہا ہے؟"

"آں۔ ہاں ملتا تو ہے۔ بہت کچھ مل رہا ہے اور جو کچھ مل رہا ہے' اس کے بعد ایک اور تمنا ہے۔ بتاؤں کیا ہے۔"

وہ نظریں جھکا کر مایوسی سے بولی "بتاؤ۔"

"تمہیں کمائی کی دھن ہے اور مجھے دھن ہے کہ ہمارے یہاں ایک بہت ننھا سا منا سا' پیارا پیارا سا بیٹا ہو۔"

وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ اس سے ذرا دور ہو کر بولی "اب میں تمہارے پاس نہیں آؤں گی۔"

اس نے حیرانی سے پوچھا "کیوں؟"

"میں دو چار سال تک بچے کے بارے میں کوئی بات نہیں سننا چاہتی۔"

"مگر کیوں؟"

"اس لیے کہ دو ماہ کے بعد امتحانات ہیں۔ میں پریکٹیکل کی کلاسیں اٹینڈ کرتی رہتی ہوں۔ کیا بچے کا بوجھ اٹھا کر یہ سب کچھ کر سکوں گی۔"

وہ قائل ہو کر بولا "ہاں' اس طرح تم پریشان ہو جاؤ گی۔ چلو کوئی بات نہیں' امتحان پاس کرنے کے بعد۔"

"جی نہیں' امتحان پاس کرنے کے بعد ہم یہاں ایک چھوٹی سی ڈسپنسری کھولیں گے۔ یہاں اتنی مصروفیات ہوں گی' اتنے مریض آیا کریں گے کہ میں مریضوں کو سنبھالوں گی یا تمہارے بچے کو؟"

"بڑی مصیبت ہے' تو پھر بچہ کیا بڑھاپے میں ہو گا؟"

"سوچا جائے گا' دیکھا جائے گا' ابھی اتنی جلدی کیا ہے۔ کام کی باتیں سوچا کرو۔ آمدنی بڑھانے کی باتیں سوچا کرو۔ یہ سوچو کہ یہاں بڑا سا مکان کیسے بن سکتا ہے۔ چھوٹی سی ڈسپنسری کیسے بن سکتی ہے۔ ہمارے پاس ایک ٹیکسی ہے۔ پانچ ٹیکسیاں کیسے ہو سکتی

ہیں۔"

"مجھے فکر ہے کہ پانچ بچے کیسے ہو سکتے ہیں۔ وہ رمضو ڈرائیور ہے نا۔ اس کے یہاں چار بچے ہیں۔ میں اس سے کسی طرح کم ہوں کیا۔ میرے یہاں ایک زیادہ ہونا چاہیے نا؟"

اس بحث و تکرار میں رخسانہ کے پاؤں بھاری ہو گئے۔ وہ امتحان کا آخری پرچہ دے رہی تھی کہ اچانک ہی اس کی طبیعت خراب ہونے لگی۔ متلی سی محسوس ہوئی پھر وہ پرچہ ادھورا چھوڑ کر اجازت لے کر باتھ روم میں چلی گئی۔ وہاں سے واپس آئی تو ایک دم نڈھال سی تھی۔ اپنی سیٹ پر بیٹھ کر ہانپنے لگی۔ پسینا پسینا ہونے لگی۔ وہ کسی طرح ہمت سے کام لے کر اس آخری پرچے سے گزرنا چاہتی تھی۔ اپنا آخری سال ضائع نہیں کرنا چاہتی تھی مگر ہمت جواب دے رہی تھی۔ اندر سے بری طرح طبیعت گھبرا رہی تھی۔ جی چاہتا تھا کہ چاروں شانے چت لیٹی رہے۔ لیڈی اگزامنر نے قریب آکر پوچھا "کیا بات ہے۔ کیا تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

اس نے آہستگی سے کہا "شاید میں ایڈوانس اسٹیج میں ہوں۔ امتحان ہال سے نکلنے کے بعد اپنا چیک اپ کراؤں گی۔ فی الحال تو میں تھوڑی سی مہلت چاہتی ہوں۔ آپ سمجھ سکتی ہیں کہ میری کیا حالت ہو گی۔"

لیڈی اگزامنر نے اس کی پیٹھ تھپک کر اسے تسلی دی' پھر اسے آرام کرنے کے لیے ایک طرف جانے کی اجازت دی۔ اس سے کہا "آرام کرو' وقت ختم ہونے کے بعد بھی تمہیں آدھا گھنٹہ مزید دیا جائے گا۔"

اس نے میز پر کہنیاں ٹیک کر دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا۔ نگاہوں کے سامنے میز پر کاپی کھلی ہوئی تھی۔ ایک طرف قلم رکھا ہوا تھا۔ سارے کاغذ پر بادشاہ جانی کا مسکراتا چہرہ نظر آ رہا تھا۔ وہ ابھی بچہ نہیں چاہتی تھی۔ اس نے بڑے بڑے سپنے دیکھے تھے۔ مستقبل کے لیے محل تعمیر کر رہی تھی۔ بچہ ابھی رکاوٹ بن جاتا۔ اس لیے اسے بچے کی خواہش نہیں تھی لیکن اب ایسی حالت میں آنکھوں کے سامنے بادشاہ جانی مسکرا رہا تھا۔ اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ ابھی اڑ کر جائے اور اپنے جانی کی آغوش میں چھپ کر یہ خوش خبری سنا دے۔

شام کو بادشاہ جانی نے سنا تو مارے خوشی کے رخسانہ کو دونوں بازوؤں میں اٹھا لیا۔ سارے گھر میں یہاں سے وہاں تک ناچتا پھرا۔ گنگناتا رہا اور بچے کا نام تجویز کرتا رہا۔ رخسانہ نے کہا "خدا کے لیے مجھے نیچے اتارو۔ یہ کیا کر رہے ہو۔"

وہ کچھ نہیں کر رہا تھا۔ خوشی سب کچھ کر رہی تھی۔ وہ مٹھائی کا ڈبہ لے کر مستری چاچا کے گیرج میں پہنچ گیا۔ ٹیکسی سے نکل کر فوراً ہی دوڑتا ہوا مستری چاچا کے سامنے آیا پھر بلند آواز سے تمام مزدوروں کو مخاطب کرتے ہوئے بولا "ابے، سب کام چھوڑ دو۔ ادھر آؤ، منہ میٹھا کرو۔ میں باپ بن گیا ہوں۔"

یہ بات سنتے ہی سب ایک دم چونک کر اسے دیکھنے لگے۔ مستری چاچا اسے بے یقینی سے دیکھ رہے تھے۔ ان کا منہ حیرت سے کھلا ہوا تھا۔ بادشاہ جانی نے ایک گلاب جامن ان کے کھلے ہوئے منہ میں رکھ دی۔

وہ جلدی سے گلاب جامن کو منہ سے نکالتے ہوئے بولے "یہ کیا بے ہودگی ہے، تیری شادی کو تو ابھی پانچواں مہینہ ہے تو باپ کیسے بن گیا؟"

"واہ چاچا، کیوں نہیں بن سکتا۔ آج ہی تو رخسانہ نے کالج سے آ کر بتایا ہے کہ وہ کیا کہتے ہیں؟ ہاں اس کے پاؤں سخت ہو گئے ہیں۔"

"ابے سخت نہیں، بھاری ہو گئے ہیں۔"

"ہاں وہی۔ اب نو مہینے کے بعد ہمارے ہاں ننھا منا سا، پیارا پیارا سا بیٹا ہو گا۔"

مستری چاچا نے ایک گہری سانس لے کر کہا "اچھا تو ایسے بول نا کہ بچہ ہونے والا ہے اور جب ہونے والا ہے تو ابھی سے باپ کیسے بن گیا۔"

"کیسے نہیں بنا؟ جب میری عورت نے بچے کا بندوبست کر دیا ہے تو پھر میں باپ بن گیا۔ چاچا، یہ دنیا والوں کا حساب کتاب بہت ہی الٹا ہوتا ہے۔ جس دن بچہ پیدا ہوتا ہے، اس دن سے اس کی عمر جوڑنا شروع کرتے ہیں۔ اس سے پہلے کے نو مہینے کو بھول جاتے ہیں جب کہ وہ پیدا ہونے والا نو مہینے پہلے اپنا پتا بتا دیتا ہے اس لحاظ سے ہم کو اپنی عمر پیدائش کے وقت سے نہیں بلکہ وہ نو مہینے اور جوڑ کر بتانا چاہیے اب چاچا بتاؤ تو تمہاری عمر کیا ہے؟"

مستری چاچا نے کہا "میری عمر اس وقت پچاس برس ہے۔"

"یہی غلطی ہو گئی نا۔ اس وقت تمہاری عمر پچاس برس نو مہینے ہے اور اس وقت میری عمر اٹھائیس برس نو مہینے ہے۔ کیوں چھوٹے تیری عمر کیا ہے؟"

مستری چاچا نے اس کے ہاتھ سے مٹھائی کا ڈبہ لے کر کہا "بس بس تیرے ساتھ مٹھائی کھائی جا سکتی ہے۔ دماغ نہیں لڑایا جا سکتا۔ آؤ رے لڑکو! شروع ہو جاؤ۔"

بادشاہ اب دن رات گننے لگا۔ اس کا وقت ایسی تیز رفتاری سے گزر رہا تھا جیسے رکشا، ٹیکسی کا میٹر چل رہا ہو۔ رخسانہ اس کے بازوؤں میں منہ چھپا کر سوتی تھی اور صبح ریکٹیکل کے لیے جاتے وقت اس کے چہرے کو خوب جی بھر کر دیکھتی تھی۔ اس کی آنکھوں میں جھانکتی تھی۔ وہ پوچھتا "تم مجھے اتنا کیوں چاہتی ہو؟ میرے چہرے کو اتنا کیوں دیکھتی ہو؟"

"اس لیے دیکھتی ہوں کہ ہمارا منا بھی بالکل ایسا ہی ہو۔ بالکل ایسا ہی ناک نقشہ، ایسا ہی مردوں کی طرح دل میں اتر جانے والا چہرہ، تم نہیں جانتے، اگر عورت ماں بننے والی ہو اور وہ کسی صورت کو اپنے دل و دماغ میں نقش کرتی رہے تو بچہ ویسا ہی ہوتا ہے۔"

بادشاہ نے اچانک ہی گھبرا کر پوچھا "یہ تو بتاؤ، ہمارا بچہ پورا کا پورا ہو گا نا؟"

"یہ کیسا بے تکا سوال ہے؟"

"دیکھو نا، ڈر لگتا ہے۔ ہم شادی سے پہلے بھی آدھے چہرے والی بحث کر چکے ہیں۔ شادی کے بعد تمہارے ساتھ ایسا ہو گیا۔ اگر ہمارا بچہ، بھی آدھے چہرے والا....."

رخسانہ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور پھر بولی "خدا نہ کرے، ایسا ہو، انشاء اللہ وہ بہت ہی اچھا ہو گا۔ ہمارے خوابوں سے بھی زیادہ اچھا۔"

○☆○

شادی کو ایک برس گزر گیا۔ رخسانہ نے ایک دن اپنے بینک کا حساب دیکھتے ہوئے کہا "دیکھو جانی، تم نے پانچ برس میں..... مستری چاچا کے پاس ساڑھے بارہ ہزار روپے جمع کیے تھے جب کہ میں نے ایک سال میں پندرہ ہزار روپے جمع کر لیے ہیں۔ اب میں اس پلاٹ کے چاروں طرف دیوار اٹھاؤں گی اور ایک چھوٹے سے اسپتال کی چار دیواری بھی اٹھے گی۔"

بادشاہ جانی نے پوچھا "ابھی زچگی کو کتنا ٹائم ہے؟"

"دو مہینے باقی ہیں۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم چار چھ مہینے تک بچے کے ساتھ لگی رہو گی۔ ڈسپنسری میں بیٹھ کر ڈاکٹری نہیں کر سکو گی' پھر ابھی سے یہاں پیسے پھنسانے سے کیا فائدہ۔ تمہارے پاس پندرہ ہزار ہیں۔ میں مستری چاچا سے دس ہزار ادھار مانگوں گا تو وہ دے دیں گے۔ پچیس ہزار میں ہم ایک ٹیکسی قسطوں پر خرید سکتے ہیں۔ اس طرح ہمارے پاس دو ٹیکسیاں ہو جائیں گی۔"

رخسانہ خوشی سے کھل گئی پھر بولی "واہ جانی' تم نے کتنی عقل مندی کی بات کی ہے۔ بس فوراً ہی مستری چاچا سے دس ہزار مانگو اور دوسری ٹیکسی لو۔ یہ تو بالکل چلتا ہوا کاروبار ہے۔ آمدنی روز کی روز آتی ہے۔"

دو ہفتے کے اندر دوسری ٹیکسی بھی آ گئی۔ بادشاہ جانی نے پوچھا "کیا اس دوسری کے لیے بھی ڈرائیور رکھا جائے گا؟"

رخسانہ نے کہا "نہیں ایک گاڑی تم چلاؤ۔"

"اور وہ تمہارے خاندان والے' وہ اونچی سوسائٹی والے کیا بولیں گے؟"

"بولنے دو۔ تم کوئی چوری تو نہیں کر رہے ہو۔ کوئی گرا ہوا کام تو نہیں کر رہے ہو۔ ٹیکسی چلاتے ہو۔ اپنی ٹیکسی چلاتے ہو۔ اپنی کمائی کرتے ہو اور شان سے کرتے ہو۔ کسی کے غلام بن کر نہیں کرتے' پھر کسی سے کیا ڈرنا؟ ہمیں صرف اپنی بڑھتی ہوئی آمدنی کو دیکھنا چاہیے۔"

بادشاہ جانی ہنسنے لگا' جب حالات بدلتے ہیں تو نظریات بھی بدل جاتے ہیں۔ جب پیسہ چاروں طرف سے آنے لگتا ہے تو چھوٹے کام میں بھی عظمت پیدا ہو جاتی ہے۔ سماجی طور طریقے بدل جاتے ہیں۔ اونچ نیچ کا فرق کچھ اور ہو جاتا ہے۔ جو نیچ ہوتا ہے' وہ اونچ کی طرف چلا جاتا ہے۔ اس کا ہر کام اونچا ہو جاتا ہے۔ اتنا اونچا کہ اونچے کلاس کی لڑکی بیوی بن جاتی ہے۔ بادشاہ جانی کو ہنسی آ گئی تھی۔

وہ دو مہینے بھی گزر گئے۔ زچگی کا وقت قریب آ گیا۔ ایک بار رخسانہ بڑی تکلیف میں مبتلا ہوئی ایسا درد اٹھا کہ فوراً ہی اسپتال لے جانا پڑا۔ نارتھ ناظم آباد کے میٹرنٹی ہوم میں رہی پھر تکلیف کم ہو گئی پھر اسے وہاں سے چھٹی دے دی گئی۔

ایسا دوبارہ ہوا۔ دوبارہ بڑی شدت سے تکلیف میں مبتلا ہوئی۔ بادشاہ کی ساس نے بھی کہا کہ اب ضرور زچگی ہو گی لیکن ایسا نہیں ہوا۔ زچگی کے سلسلے میں سبھی لوگوں کو بڑی پریشانیاں اٹھانی پڑ رہی تھیں۔ بادشاہ اپنی ایک ٹیکسی ہمیشہ اپنے گھر کے دروازے پر کھڑی رکھتا تھا کہ پتا نہیں کس وقت ضرورت پیش آ جائے۔ جب وہ ٹیکسی لے کر نکلتا تو دوسری ٹیکسی وہاں موجود رہتی اور مستری چاچا کا حکم ہوتا کہ گیرج کا کوئی نہ کوئی آدمی اس دوسری ٹیکسی کے ساتھ موجود رہے۔

بادشاہ کی حالت عجیب تھی۔ وہ رخسانہ کی حالت کو دیکھ کر پریشان بھی ہوتا تھا اور اندر ہی اندر باپ بننے کی خوشی بھی ہوتی تھی۔ اس کے دماغ میں اوٹ پٹانگ سی باتیں آتی تھیں۔ مثلاً اگر اللہ میاں نے پوچھا کہ دو میں سے کوئی ایک چیز پسند کرو۔ بچہ چاہتے ہو یا رخسانہ کو؟ تب وہ کیا جواب دے گا۔ وہ گھبرا جاتا تھا۔ فوراً ہی کان پکڑ کر کہتا تھا۔ اللہ میاں ایسے امتحان میں نہ ڈالنا۔ رخسانہ میری محبت ہے' میں نے اسے کتنی چاہت سے اپنایا ہے پھر وہ میرے بچے کی ماں بنے گی۔ ہم تین ہو جائیں گے۔ ہم تینوں کا رشتہ اتنا مضبوط رہے گا کہ تیرے سوا اسے کوئی نہیں توڑ سکے گا۔ یا اللہ ہم میں سے کسی کو نہ توڑنا۔"

وہ شام کو ٹیکسی لے کر چلا تو رخسانہ ہلکے ہلکے سے درد میں مبتلا تھی۔ اس نے کہا "کہو تو میں رک جاؤں۔"

وہ بولی "نہیں تم جاؤ۔ یہاں تو گیرج کا ایک لڑکا موجود رہتا ہے۔ زیادہ تکلیف ہوئی تو میں دوسری ٹیکسی میں چلی جاؤں گی۔ تم اپنا خیال رکھو۔ ہو سکے تو جلدی آ جانا۔"

وہ ٹیکسی لے کر نکلا پھر ادھر ادھر کی سواریاں اٹھانے لگا۔ اس کے دماغ میں رخسانہ اور اس کا ہونے والا بچہ اس قدر سمایا ہوا تھا کہ کوئی بچے والی سواری ملتی تو وہ اس سے کرایہ نہیں لیتا تھا یا پھر میٹر سے کم کرایہ لے کر آگے بڑھ جاتا تھا۔ اس نے ایمپریس مارکیٹ پہنچ کر ایک جگہ ٹیکسی کھڑی کر دی۔ ایک ٹریفک پولیس والے نے آ کر سخت لہجے میں پوچھا "کیوں' یہ گاڑی کھڑے کرنے کی جگہ ہے؟"

بادشاہ نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک ایک روپے کے دو نوٹ نکالے اور اس کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا "سنتری بادشاہ' یہ سامنے والے ہوٹل میں چائے پینے جا رہا ہوں۔

اس کے بعد گاڑی یہاں سے لے جاؤں گا۔"

یہ کہہ کر وہ سڑک پار کرتے ہوئے اس چائے خانے کی طرف جانے لگا۔ سڑک پار کرتے ہی وہ ایک رکشے کی طرف دیکھ کر ایک دم سے ٹھٹک گیا۔ رکشے کی پچھلی سیٹ پر رخسانہ بیٹھی ہوئی تھی۔

کون رخسانہ؟

وہی رخسانہ جو شادی سے پہلے اس کی ٹیکسی میں آکر بیٹھی تھی۔ وہی رخسانہ جس کے لیے اس نے ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر پھولوں کی پنکھڑیاں بکھیر دی تھیں۔ وہی رخسانہ جس کے لیے اس نے ٹیکسی کو خوشبوؤں کی جنت بنادیا تھا۔ وہی رخسانہ اس وقت رکشے کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ آس پاس لوگوں کی بھیڑ تھی۔ رکشا ٹریفک کے ہجوم سے گزرنے ہی والا تھا اور اس کے قریب سے گزر بھی چکا تھا۔ وہ بھیڑ کو چیرتا ہوا دوڑتا ہوا رکشے کے آگے پہنچ گیا تاکہ اپنی آنکھوں پر یقین کرلے اور پہلے اچھی طرح اطمینان کرلے کہ وہ اسی رخسانہ کو دیکھ رہا ہے۔ یقین اس لیے نہیں آرہا تھا کہ ایک رخسانہ تو اس کی بیوی تھی اور اس کے بچے کی ماں بننے والی تھی پھر وہی رخسانہ رکشے کی پچھلی سیٹ پر آکر کیسے بیٹھ سکتی تھی۔

ہاں، دونوں میں فرق تھا۔ اس کی محبوبہ رخسانہ کا جو چہرہ شادی کے بعد گم ہوگیا تھا، وہ اب ایک سال دو مہینے کے بعد رکشے کی پچھلی سیٹ پر نظر آرہا تھا۔ وہ جب تک غور کرتا، دوسری بار تصدیقی نظروں سے دیکھتا، اس وقت تک رکشا پھر ایک جھٹکے سے آگے بڑھ گیا۔ آگے راستہ صاف تھا۔ ٹریفک کی زیادہ بھیڑ نہیں تھی۔ وہ تیزی سے بھاگنے لگا۔ اس نے چیخ کر آواز دی۔ "رخسانہ رک جاؤ، رخسانہ میں بادشاہ جانی ہوں۔ ادھر دیکھو۔"

اس کی آواز ادھر تک یقیناً گئی تھی۔ رکشے کی پچھلی کھڑکی کا پردہ اٹھا ہوا تھا اور رخسانہ اپنی سیٹ پر پلٹ کر پیچھے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ رکشا تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا، اسے دور اور دور کرتا جارہا تھا۔ اس رخسانہ کے چہرے پر ہلکی سی حیرانی، پریشانی اور جانے کیا کچھ نظر آیا۔ اس ایک لمحے میں بادشاہ جانی اس کے چہرے کو پوری تفصیل سے پڑھ نہیں سکتا تھا۔

وہ دوڑنے لگا کسی کو دھکے مار کر آگے بڑھنے لگا۔ کسی سے دھکے کھا کر پیچھے ہٹنے لگا۔

رکشا تیزی سے دور ہوتا جارہا تھا۔ وہ برابر اسے پلٹ کر دیکھے جارہی تھی۔ وہ لوگوں کے ہجوم میں گھر کر رہ گیا تھا۔ ایک شخص نے اسے جھنجوڑ کر کہا "ابے کیا اندھے ہوگئے ہو۔ دیکھ کر نہیں چلتے۔"

وہ اندھا تھا۔ اپنی جان کے سوا کسی کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ دیوانہ تھا، کسی سے لڑنا نہیں جانتا تھا۔ صرف آگے بڑھنا چاہتا تھا اور دنیا والے اسے آگے نہیں بڑھنے دے رہے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ انسانوں کے سمندر میں گھر گیا ہے۔ نہ تیر کر پار ہوسکتا ہے اور نہ ڈوب کر رکشے تک پہنچ سکتا ہے۔

پھر بھی وہ آگے بڑھتا رہا۔ تیزی سے چلتا رہا۔ جہاں دوڑنے کی جگہ ملتی، وہاں دوڑنے لگتا۔ رکشا آگے جاکر دوسری سڑک پر مڑ گیا تھا۔ وہ بھی ادھر مڑ گیا لیکن اتنی گاڑیاں چل رہی تھیں کہ رکشا نظر نہیں آرہا تھا۔ اب وہ فٹ پاتھ پر تیزی سے چلتا جارہا تھا پھر خیال آیا کہ وہ واپس جائے اور اپنی ٹیکسی میں بیٹھ کر اس کا تعاقب کرے لیکن ٹیکسی بہت دور تھی۔ جب تک وہ وہاں جاکر، اپنی ٹیکسی میں بیٹھ کر تعاقب کرنے کے لیے وہاں تک آتا، اس وقت تک وہ رکشا پتا نہیں کہاں چلا جاتا۔ کس راستے پر نکل جاتا اور اس وقت بھی وہ نظر نہیں آرہا تھا۔ وہ ایک جگہ رک کر ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگا۔

اس وقت اس کے اندر ایسا اضطراب اور ایسی دیوانگی تھی کہ وہ اپنے کپڑے پھاڑ ڈالنا چاہتا تھا۔ چیخ چیخ کر تمام لوگوں سے کہنا چاہتا تھا۔ لوگو آواز دو اسے، سب مل کر آواز دو۔ ایک آواز ہو کر اس سے کہو کہ اس کا دیوانہ اسے ڈھونڈ رہا ہے۔ ایک سال دو مہینے سے اسے ڈھونڈ رہا ہے۔ وہ ایک مدت سے اس کی خاطر دھوکا کھا رہا ہے۔ وہ واپس آجائے۔ آواز دو لوگو، آواز دو۔

اس کے اندر شور مچا ہوا تھا۔ وہ اپنے سر کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر دانت جمائے ایک طرف دیکھے جارہا تھا۔ کچھ لوگ اسے دیکھ رہے تھے۔ ایک بزرگ نے دور سے کہا "معلوم ہوتا ہے، اس پر کسی قسم کا دورہ پڑا ہے۔ اسے ایک طرف فٹ پاتھ پر پہنچادینا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ گاڑی کی زد میں آجائے۔"

اس نے بولنے والے کو گھور کر دیکھا پھر ایک دم سے پلٹ کر ایمپریس مارکیٹ طرف بھاگنے لگا۔ اب وہ اپنی ٹیکسی میں بیٹھ کر اسے تلاش کرنا چاہتا تھا۔ وہاں تک پہنچنے

راستہ بھی دشوار گزار تھا۔ آدمی پہاڑوں کو کاٹ کر راستہ بنالیتا ہے لیکن انسانوں کے درمیان سے گزرنا آسان نہیں ہوتا۔ جب وہ ٹیکسی کے پاس پہنچا تو کافی دیر ہو چکی تھی لیکن اس کے باوجود اس نے گاڑی اسٹارٹ کی' وہاں سے ڈرائیو کرتا ہوا پھر اس راستے پر آیا جہاں رکشا مڑا تھا۔ وہاں سے ون وے راستے کی مناسبت سے گاڑی کو دوسرے راستے پر موڑلیا۔ وہ آہستہ آہستہ ڈرائیور کر رہا تھا اور سڑک کے دونوں طرف دیکھتا جا رہا تھا۔ شاید وہ رکشا کہیں رک گیا ہو۔ شاید رخسانہ کہیں نظر آجائے۔

پہلے خوش فہمی تھی کہ وہ پھر نظر آجائے گی پھر وہ خوش فہمی دم توڑ گئی۔ اس کے بعد امید نے جگہ لی اور امید تو زندہ رکھ کر آخری سانس تک دوڑاتی ہے۔ وہ صدر کے پورے علاقے میں جہاں جہاں سڑکوں کا جال پھیلا ہوا تھا اور جن گلیوں سے ٹیکسی گزر سکتی تھی' ہر جگہ اسے تلاش کرتا رہا۔ حتیٰ کہ دوکانیں بند ہو گئیں۔ لوگوں کا ہجوم غائب ہو گیا۔ آہستہ آہستہ سناٹا چھانے لگا' پھر وہ ایک جگہ ٹیکسی روک' اپنا سر اسٹیئرنگ پر ٹیک کر آنکھیں بند کرنے کے بعد جیسے اپنے اندر مر گیا۔

بند آنکھوں کے پیچھے رخسانہ کا مکمل ماہتابی چہرہ تھا اور اس چہرے کے مقابل دوسری رخسانہ کا آدھا چہرہ دیکھ کر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو رہا تھا۔ اس نے اپنے آپ سے پوچھا۔ "میں کہاں ہوں' کیا میں زندہ ہوں یا میری لاش پڑی ہوئی ہے۔ ادھر وہ لیڈی ڈاکٹر رخسانہ اور ادھر یہ لیڈی ڈاکٹر رخسانہ' دونوں ہی میری لاش کو چیر پھاڑ کر کھیل رہی ہیں۔ یہ کیسا درندگی کا کھیل ہے۔ یہ مجھ سے کیا حاصل کرنا چاہتی ہیں؟ کیوں مجھے تماشا بنا رکھا ہے؟"

وہ رکشے میں بیٹھی ہوئی رخسانہ کو تصور میں دیکھنے لگا۔ جس طرح وہ رکشے کی پچھلی کھڑکی کی طرف سے اسے گھوم کر' پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔ اس کی آواز سن رہی تھی۔ اس سے دور ہوتی جا رہی تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ جان بوجھ کر دور ہوتی چلی گئی۔ چاہتی تو وہ رکشے والے کو روک سکتی تھی۔ اس نے بادشاہ جانی کو بھلایا نہیں تھا۔ اچھی طرح یاد رکھا تھا' اس لیے پلٹ پلٹ کر دیکھنے کا رشتہ اب بھی قائم تھا۔

حقیقتاً ایک چور رشتہ قائم تھا کیونکہ وہ نظروں سے اوجھل ہونے تک پلٹ کر دیکھتی رہی تھی۔ اس کی زبان بند تھی لیکن دل جیسے پکار رہا تھا۔ وہ رکنا چاہتی تھی' رکشا والا بھی

رک سکتا تھا' لیکن تقدیر اسے اغوا کر کے لے جا رہی تھی۔

نہیں' تقدیر نے کچھ نہیں کیا' اس آدھے چہرے والی رخسانہ نے اس کی محبت کا اسٹیئرنگ موڑ کر اپنی طرف کر لیا تھا۔ کتنی زبردست فریبی اور مکار ہے۔ اتنے عرصے تک کتنی خوب صورتی سے دھوکا دیتی رہی۔ رخسانہ نہیں تھی لیکن رخسانہ بنی رہی۔ مستری چاچا جیسے تجربہ کار بوڑھے شخص نے بھی دھوکا کھایا' اور تو اور' اس آدھے چہرے والی کی ماں' اس کا باپ' اس کا سارا خاندان' سب کے سب کتنی چالاکی سے اپنی شرافت دکھاتے رہے۔

اس نے آنکھیں کھول دیں' اسٹیئرنگ پر سے سر اٹھا کر اپنے آس پاس دیکھا' رات دور تک اندھی محبت کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔ سچ ہے' محبت اندھی نہ ہوتی تو وہ دور نکل جانے والی رخسانہ کو اب تک ڈھونڈ نکالتا۔ اب اسے آدھے چہرے والی رخسانہ کے ڈھونگ کا علم ہو گیا تھا اور اس کی پر فریب باتوں پر غصہ آرہا تھا۔ اس نے دانت پیس کر ونڈ اسکرین کے پار دیکھا' پھر گاڑی کو اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دیا۔ رات کے وقت سڑکیں تقریباً سنسان تھیں۔ وہ تیز رفتاری سے ڈرائیو کرتا ہوا ناگن چورنگی کی طرف جانا چاہتا تھا لیکن گرومندر کے شراب خانے کے پاس گاڑی روک دی۔ مستری چاچا نے کئی بار نصیحت کی تھی' جانی نشہ نہ کیا کر' یہ بری لعنت ہے۔ آدمی دین سے بھی جاتا ہے اور دنیا سے بھی۔

نصیحت کا اثر ہوتا تو آدم سے پہلی غلطی کبھی نہ ہوتی۔ بادشاہ جانی سے نصیحت نے نہیں' رخسانہ کی محبت نے نشہ چھڑایا تھا۔ اب وہ پھر نشے کے لیے شراب خانے کے دروازے پر پہنچ گیا تھا۔ اس نے باہر مال سپلائی کرنے والے چھوکرے سے ایک پوا منگوایا' پھر شروع ہو گیا۔

جب کچھ سرور آنے لگا تو بھولی ہوئی باتیں بھی یاد آنے لگیں۔ شادی سے پہلے جب وہ دو دنوں تک رخسانہ سے ملتا رہا تھا تو دوسرے اور آخری دن رخسانہ کچھ بدلی بدلی سی تھی' اداس تھی' اندر کسی غم اور صدمے کو چھپائے ہوئے تھی۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ اس نے کالج سے نکل کر ٹیکسی میں بیٹھنے کے بعد کہا تھا۔ کہیں بھی لے چلو' اتنی دور لے چلو کہ آج کی ملاقات ختم نہ ہو سکے۔ اس نے ایسا کیوں کہا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ وہ

ملاقات آخری ملاقات ہے اور وہ اس ملاقات کو ختم نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔

اس نے ایک پورا پوا حلق سے اتار لیا‘ بوتل خالی کردی۔ اب سر گھوم رہا تھا۔ دنیا گھوم رہی تھی۔ رات چپ چپ سسک رہی تھی۔ ہاں اسے سسکیوں کی آواز سنائی دی۔ اس نے اپنی بازو والی سیٹ کی طرف دیکھا تو وہاں رخسانہ بیٹھی ہوئی آنچل میں منہ چھپائے رو رہی تھی۔ اس نے حیرانی سے پوچھا "کیوں رو رہی ہو؟ ہم تو شادی کے بعد ہمیشہ کے لیے مل جائیں گے۔"

مگر وہ جواب نہیں دے رہی تھی۔ کیسے جواب دیتی؟ اسے معلوم تھا‘ وہ ملاقات کا آخری دن ہے‘ اس کے بعد پھر کبھی نہیں مل سکے گی۔ شادی کے بعد دلہن بدل جائے گی۔

یہ بات وہ پہلے سے ہی جانتی تھی۔ جانی کو بعد میں رونا تھا اور اب بعد میں وہ رو رہا تھا۔

"مجھے کیوں رلا رہی ہو‘ کیوں مجھ سے دور بھاگ رہی ہو رخسانہ؟ آہ مگر تمہارا نام رخسانہ ہے بھی یا نہیں۔ نہیں‘ تمہارا نام رخسانہ نہیں ہونا چاہیے۔ رخسانہ اس فریب کا نام ہے جو ایک برس دو مہینے سے میرے گلے میں کتے کے پٹے کی طرح بندھا ہوا ہے۔ میں کتا ہوں۔ میں آدھے چہرے والی رخسانہ کی مٹھی میں بند ہوں اور ساری عمر کتے کی طرح اس کے پیچھے دم ہلاتا رہوں گا۔"

اس نے اسٹیئرنگ پر ایک زور کا گھونسا مارتے ہوئے کہا "نہیں! میں غلام نہیں ہوں۔ کیا ہوا اگر اس نے شادی سے پہلے سب کچھ اپنے نام لکھوا لیا مگر وہ مجھے خرید نہیں سکے گی‘ میں اسے طلاق دے دوں گا۔ اگر وہ طلاق نہیں لے گی اور میں پچاس ہزار ادا نہیں کرسکوں گا تو اسے قتل کردوں گا۔"

اس نے گاڑی اسٹارٹ کی‘ غصے سے گیئر بدلا‘ پھر ایک جھٹکے سے گاڑی کو آگے بڑھاتے ہوئے اس کی رفتار طوفانی کرتا گیا‘ اب وہ جلد سے جلد اس فریبی‘ مکار اور آدھے چہرے والی شہ رگ تک پہنچنا چاہتا تھا۔ اس کے اندر جو آگ لگی ہوئی تھی‘ وہ خون کے چھینٹوں سے ہی بجھ سکتی تھی۔

وہ تلملا رہا تھا‘ اسٹیئرنگ اس کے کانپتے ہوئے ہاتھوں میں بہک رہا تھا۔ وہ کشادہ سڑک پر گاڑی کو کبھی دائیں اور کبھی بائیں لے جاتا تھا پھر غصے کے باوجود چونک کر‘ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ونڈ اسکرین کے پار دیکھتے ہوئے سنبھلنے کی کوشش کرتا تھا۔ اس

سنبھلنے کے دوران دماغ نے سمجھایا کہ جاتے ہی اسے قتل کرو گے تو کچھ حاصل نہیں ہوگا‘ پہلے تو اس سے حقیقت اگلوانی چاہیے۔

اس نے زور سے کہا "میں جاتے ہی اس کی گردن دبوچ لوں گا اور پوچھوں گا "بتا تو میری محبت کا گھونگٹ اوڑھ کر کیوں آئی تھی‘ اس گھونگٹ کے پیچھے تو نے میری رخسانہ کو کیوں مار دیا۔ تیرا نام رخسانہ نہیں ہے اور اگر تیرا نام رخسانہ نہیں ہے تو پھر میری محبت کا نام کیا تھا۔ تو نے اس کا نام‘ اس کا نشان سب کچھ میرے سامنے سے ہٹا دیا۔ بتا وہ کہاں ہے‘ کون ہے‘ اس سے تیرا کیا رشتہ ہے کہ اس نے تیرے لیے اپنی محبت کو اور اپنی خوشیوں کو‘ اپنے مستقبل کو‘ اپنے جذبوں کو اور اپنی جنت کو‘ جو میں نے اس لیے پھولوں اور خوشبوؤں سے بنائی تھی‘ سب کو ٹھکرا دیا۔ اس نے کیوں ایسا کیا؟"

ٹیکسی تیز رفتاری سے وہ علاقے عبور کرچکی تھی جہاں ٹریفک سگنل ہوتے ہیں۔ وہ تمام سگنل رات کے وقت سرد پڑ چکے تھے‘ اب وہ نارتھ ناظم آباد کے علاقے سے گزر رہا تھا جہاں کسی چوراہے پر ٹریفک سگنل نہیں ہوتے۔ اس کے آگے کوئی رکاوٹ نہیں تھی‘ ٹریفک کی بھیڑ نہیں تھی۔ وہ بڑی آسانی سے ڈرائیو کرتا جارہا تھا اور منصوبے بھی بناتا جارہا تھا۔ منصوبے کو بدلتا بھی جارہا تھا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ وہ آدھے چہرے والی کو دیکھنا بھی گوارا نہیں کرے گا‘ اپنے سامنے اس کا سانس لینا بھی برداشت نہیں ہوگا۔ جی تو بس یہی چاہتا تھا کہ جاتے ہی اسے قتل کرے بلکہ تڑپا تڑپا کر قتل کرے۔ باقی جو جھوٹ اور فریب کا حساب کتاب ہوتا ہے‘ وہ سب عدالت میں ہوتا رہے۔

وہ اپنے علاقے میں پہنچ گیا۔ دور سے اس کا گھر نظر آرہا تھا۔ چاند نکل آیا تھا۔ اجلی اجلی سی چاندنی ہر سو پھیلی ہوئی تھی اور پورے علاقے کو روشن کررہی تھی۔ اس کے پلاٹ کے احاطے میں اس کی دوسری ٹیکسی کھڑی ہوئی تھی۔ اس کا بونٹ کھلا ہوا تھا۔ شاید کوئی خرابی ہوگئی تھی۔ بادشاہ جانی نے جیسے ہی ٹیکسی روکی‘ چھوٹو نے دوڑتے ہوئے آکر کہا "بادشاہ جانی‘ بہت اچھے وقت پر آئے ہو۔ بھابی کی طبیعت بہت خراب ہے۔ تمہاری ساس کہہ رہی تھی کہ اسپتال نہیں پہنچایا جائے گا تو جان جانے کا خطرہ ہے۔"

بادشاہ نے چھوٹو کو ایک طرف دھکا دے کر کہا "مرنے دو کتیا کو‘ میں تو اسے مارنے ہی آیا ہوں۔"

وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا اپنے مکان کے احاطے میں داخل ہوا۔ ٹیکسی کی آواز سن کر اس کی ساس کمرے سے نکل آئی تھی۔ وہ بہت پریشان تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ بادشاہ کو دیکھتے ہی اس نے روتے ہوئے کہا "ہائے میں لٹ رہی ہوں' میری بچی کی زندگی خطرے میں ہے اس کے لیے کچھ کرو بیٹے۔"

بادشاہ نے برآمدے میں پہنچ کر پوچھا "وہ کتنی دیر میں مرجائے گی؟"

اس کی ساس نے پہلے تو چونک کر اسے دیکھا پھر غصے میں کہا "کیا بکتے ہو؟ تم اپنی بیوی' اپنے بچے کے لیے ایسی باتیں کر رہے ہو؟"

بادشاہ اسے دھکیلتے ہوئے دیوار کی طرف لے گیا۔ دیوار سے اسے لگا کر بولا "بڑھیا میں تجھے زندہ رکھنا چاہتا ہوں کیونکہ عدالت میں تجھ سے حساب کرنا ہے' ابھی میں تیری بیٹی کو قتل کرنے آیا ہوں اور اب سن رہا ہوں کہ وہ خود مر رہی ہے۔ میرے ساتھ تو بھی تماشا دیکھ کہ قدرت کیسے انتقام لیتی ہے۔"

وہ گڑگڑا کر بولیں "بیٹا یہ کیا کہہ رہے ہو۔ دیکھو ایسے وقت تو دشمن بھی دوست بن جاتے ہیں' ان کے دل بھی موم ہو جاتے ہیں۔ وہ تمہاری بیوی ہے' تم چاہو تو اسے مار ڈالنا مگر ابھی بچالو۔ وہ اس قابل نہیں ہے کہ ٹیکسی میں اسپتال تک لے جایا جاسکے کہیں سے اچھی لیڈی ڈاکٹر یا دائی کو بلا لاؤ بیٹے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے کیسے سنبھالوں' کیسے اس کی تکلیف دور کروں۔"

کمرے کے اندر سے رہ رہ کر کراہنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ کبھی کبھی وہ درد کی شدت سے چیخنے لگتی تھی۔ اس کی آواز سے پتا چلتا تھا کہ وہ اپنی آواز کا گلا خود ہی گھونٹنا چاہتی ہے۔ شرم کے مارے' وہ رونا نہیں چاہتی' اپنی آواز کمرے سے باہر نہیں پہنچانا چاہتی مگر تکلیف اتنی ہے کہ وہ اسے برداشت کرنے کے قابل نہیں ہے۔

بادشاہ نے اپنی ساس کو چھوڑ دیا' پھر پیچھے ہٹتے ہوئے کہا "دیکھو یہ یہیں تڑپتی رہے گی' زچگی ہو یا نہ ہو' مرجائے' نہ مجھے اس کی ضرورت ہے' نہ اس سے پیدا ہونے والی اولاد کی ضرورت ہے۔ میری محبت کو چھیننے والی' میرا گھر لوٹنے والی بڈھی چڑیل! میں دیکھوں گا کہ تیری کوکھ کیسے اجڑتی ہے' تیری آنکھوں کے سامنے تیری جوان بیٹی کیسے دم توڑتی ہے۔"

اس وقت اندر سے رخسانہ کی چیخ سنائی دی' اس کی ماں ایک دم سے تڑپ کر وہاں سے دوڑتے ہوئے کمرے کی طرف چلی گئی۔ بادشاہ جانی نے دیوانہ وار قہقہہ لگایا "ذلیل مر رہی ہے' مجھے اب تک دھوکا دیتی رہی' آج یہ اپنی سزا کو پہنچ رہی ہے۔"

وہ ہنستا ہوا برآمدے سے اتر گیا۔ اپنے مکان کے احاطے میں کبھی ادھر کبھی ادھر جانے لگا۔

اب اندر سے رخسانہ کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی کیونکہ وہ دور تھا پھر اس نے سوچا کہ جب ظلم کر ہی دیا ہے تو مظلوم کی آہیں بھی سننی چاہئیں۔ جب تک مظلوم کی آہوں اور کراہوں کو نہ سنا جائے' ظلم کرنے کا مزہ نہیں آتا۔ پتا تو چلے کہ وہ حالات کی چھری تلے کیسے تڑپ رہی ہے۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کمرے کی دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ اب اندر سے آوازیں سنائی دینے لگی تھیں۔ وہ رہ رہ کر کراہ رہی تھی۔ تکلیف سے چلا رہی تھی۔ تکلیف سے پکار رہی تھی "جانی! کہاں ہو تم؟ آجاؤ' میرے پاس آجاؤ۔ تم نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا تھا کہ اچھے اور برے وقت میں میرا ساتھ نہیں چھوڑو گے۔ میرا ہاتھ پکڑے رہو گے۔ دیکھو میں خالی ہاتھ ہوں' مجھے پکڑ لو' مجھے سہارا دو۔ مجھ سے کہو کہ میں تمہارے لیے ایک بیٹے کو جنم دوں گی۔ میں زندہ رہوں گی اور اسے اپنا دودھ پلاؤں گی' اپنی گود میں کھلاؤں گی۔ تمہارے بیٹے کو جوان کروں گی۔ میری جوانی ایک دھوکا ہو سکتی ہے مگر تمہاری اولاد کے بچپن سے جوانی تک میں خوب محنت کروں گی' اسے تعلیم و تربیت دوں گی۔ اپنی جوانی اس پر قربان کردوں گی تو اس میں کوئی دھوکا' کوئی بے ایمانی نہیں ہوگی۔ کوئی ماں اپنی اولاد کے حوالے سے اس کے باپ کو دھوکا نہیں دیتی۔ آجاؤ جانی آجاؤ' میرے پاس۔"

رخسانہ نے کراہتے ہوئے اور فریاد کرتے ہوئے اچانک ہی زور کی چیخ ماری' وہ ایک دم سے دہل گیا۔ اگرچہ وہ ظالم بنا ہوا تھا' تاہم یہ نہ سمجھ سکا کہ محبت کی کوکھ سے نکلی ہوئی چیخ کیسے دہلا دیتی ہے۔ رخسانہ کی وہ چیخ بجلی کی طرح کوند کر دل میں روشن ہوگئی۔ انسان محض مظلومیت سے نہیں چیختا' محبت سے بھی چیختا ہے۔ رخسانہ کی کراہتی ہوئی سرگوشی اس کے کانوں میں کہہ رہی تھی "میری چیخ کو سمجھو۔ یہ چیخ ایک سہاگن کی سیج سے ابھری تھی اور اب تخلیق کے بستر پر تڑپ رہی ہے۔ یاد کرو' جب تم نے پہلی بار میری کلائی

کو پکڑا تھا تو میری ریشمی باہیں چیخ رہی تھیں۔ تم نے میرے مکھڑے کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹ لیا تھا تو میری جھکی جھکی شرمیلی نظریں چیخ رہی تھیں۔ تم نے مجھے سر سے لے کر پاؤں تک مانگا تھا تو میں سراپا قبولیت سے چیخ رہی تھی۔ ایک سال دو مہینے کے ہر دنے میں، میری وفا اور میری خدمت گزاری تمہارے نام پر چیختی رہی۔ میرے پیار کو سمجھو، شادی سے پہلے تو یقیناً جھوٹ اور فریب کا سلسلہ تھا لیکن میرے بادشاہ جانی!

دفعتاً بچے نے چیخ کر اپنی آمد کا اعلان کیا۔ یکبارگی چاندنی اور نکھر گئی۔ رات کا چہرہ دھل گیا، ماحول کا مزاج بدل گیا۔ پہلے اس ماحول پر نوحہ خوانی کا تسلط تھا، اب وہاں بچے کی پرمسرت چیخیں تھیں، وہ رو رہا تھا۔ ہاں، رونا بھی مسرت سے بھرپور ہوتا ہے۔ وہ ننھا سا گورا رو رو کر کہہ رہا تھا "ابو جانی! تم نے مجھے میری ماں کی محبت سے حاصل کیا ہے، بولو میں کیسا ہوں؟ اگر اچھا ہوں تو میری ماں کو برا نہ کہو، اسے برا کہو گے تو میں کھوٹا سکہ کہلاؤں گا کیونکہ میں اسی ٹکسال سے آیا ہوں۔"

وہ دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ ٹیک لگائے ہوئے وہ جھاگ کی طرح بیٹھنے لگا۔ اسکی نگاہوں کے سامنے ایک ننھا منا سا، پیارا پیارا سا بچہ ہاتھ پیر چلا چلا کر رو رہا تھا۔ رخسانہ نے کہا تھا کہ وہ اس کے لیے بیٹے کو جنم دے گی۔ وہ خلا میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر بیٹے ہی کو دیکھ رہا تھا۔ بیٹے کے پاس رخسانہ لیٹی ہوئی آدھے چہرے سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ زمین پر اکڑوں بیٹھا ہوا سوچ رہا تھا کہ جس پلاٹ پر وہ بیٹھا ہوا ہے، وہ اب رخسانہ کا ہے۔ وہ گھر بھی رخسانہ کا ہے۔ اگر وہ لالچی ہوتی تو اس سے پچاس ہزار روپے کا مطالبہ کرتی اور طلاق لے کر کسی دوسرے کو اپنا سب کچھ بنا لیتی لیکن وہ ایک برس دو مہینے سے صرف اس کی تھی، اسے چھوڑ کر اپنے میکے بھی نہیں جاتی تھی۔ صبح اسے محبت سے رخصت کرتی تو شام کو اس کی آنکھیں اس کے انتظار میں لگی رہتیں۔ ٹھیک ہے، اس نے دھوکا دیا تھا مگر یہ حقیقت پہلے بھی معلوم تھی کہ آدمی مکمل نہیں ہوتا۔ اگر وہ آدھی فریبی تھی تو آدھی وفادار تھی۔ اگر بے ایمان تھی تو ایمانداری سے بیوی کا رشتہ بھی نباہ رہی تھی۔ وہ اپنی محبت، اپنا دل، اپنی جان، اپنی روح، اپنی زندگی، اپنا حال اور اپنا مستقبل، سب کچھ اسے دیتی آ رہی تھی۔ اگر اسے دولت کا لالچ ہوتا تو ایک برس میں پندرہ ہزار کی رقم بچانے کے بعد اسے واپس نہ دیتی بلکہ چھپا کر رکھ لیتی۔ اس حساب سے

اب جو بیوی تھی اور اب اس کے بچے کی ماں بن گئی تھی تو اس میں کیا کھوٹ تھا؟ کچھ بھی تو نہیں۔

وہ قائل ہو کر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا "ہاں ہاں، یہ جو میری بیوی بنی ہوئی ہے یہ تو بہت ہی اچھی عورت ہے، میں اس میں کوئی خرابی نکال ہی نہیں سکتا مگر وہ والی رخسانہ......"

وہ پھر خلا میں آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگا، اسے اپنی محبوبہ رخسانہ نظر آئی۔ نگاہوں کے سامنے وہ سر سے پاؤں تک ایسے جلوے دکھا رہی تھی کہ وہ پلکیں جھپکانا بھول گیا۔ کتنی پیاری تھی وہ اور کتنی تمنا تھی اس کی؟ لیکن وہ گم ہو گئی تھی، ابھی ابھی ملی تھی اور ملنے سے پہلے دور ہو گئی تھی۔ یہ کیا مذاق تھا، یہ کیا تماشا ہو رہا تھا، اس کو تو سمجھنا ہی ہو گا۔

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا، اسی وقت اس کے مکان کے سامنے ایک پرانی سی کار آ کر رکی۔ مستری چاچا گیراج سے کار لے کر آئے تھے۔ ان کے ساتھ ان کی بیگم بھی تھیں۔ انہوں نے گاڑی سے اترتے ہوئے کہا "ارے بادشاہ جانی کیا خبر ہے؟ تمہاری چاچی نے کہا کہ زچگی ہو گئی ہو گی، چل کر دیکھ لیتے ہیں اس لیے ہم آ گئے، کوئی خوش خبری سناؤ۔"

اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتا، برآمدے سے اس کی ساس نے کہا "بھائی صاحب! اللہ تعالیٰ کا کرم ہے، میری بیٹی نے ایک بیٹے کو جنم دیا ہے۔ بہت ہی خوب صورت بچہ ہے مگر کیا کروں، میں دروازہ چھوڑ کر آگے نہیں آ سکتی۔ یہ تمہارا بادشاہ جانی ابھی مجھے مارنے دوڑ رہا تھا۔ میرا گلا دبا رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اپنی بیٹی کو کیسے اس کے بھروسے پر چھوڑ جاؤں۔ یہ تو میری بیٹی کے ساتھ میرے نواسے کو بھی مار ڈالے گا۔"

مستری چاچا نے گھور کر پوچھا "کیوں بے نالائق، یہ کیا حرکتیں کر رہا ہے، کیا آج پھر زیادہ پی لی ہے؟"

وہ مستری چاچا سے کتراتے ہوئے ان کی بیگم کو دیکھ کر ہاتھ اٹھاتے ہوئے بولا "چاچی سلام علیکم۔"

چاچی نے ایک طرف ہٹتے ہوئے کہا "اے خبردار! مجھے سلام نہ کرنا، تیرے منہ سے شراب کی بو آ رہی ہے، میں شرابیوں سے بات نہیں کرتی۔"

"چاچی قسم سے کہتا ہوں میں نشہ نہیں کرتا۔ جب کوئی مجھ سے جھوٹ بولتا ہے،

مجھے دھوکا دیتا ہے تو بس غصے میں پینے لگتا ہوں۔ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ شادی میں میرے ساتھ گھپلا ہوا ہے۔ دلہن بدل گئی ہے' جس رخسانہ سے شادی کرنا چاہتا تھا' وہ رخسانہ میری بیوی نہیں بن سکی۔ یہ جو ابھی میرے گھر میں ہے نا' یہ دوسری لڑکی ہے۔"

اس کی چاچی نے کہا "ارے کمبخت! سال بھر کے بعد پھر وہی ذکر چھیڑ دیا ہے۔ پہلے تو یہ صرف تیری بیوی تھی' اب تیرے بچے کی ماں بھی بن گئی ہے' اب تو یہ قصہ ختم کردے۔"

"کیسے ختم کردوں؟ میں نے صدر میں اس رخسانہ کو دیکھا جس کو میں نے پسند کیا تھا' جسے میں شریک حیات بنانا چاہتا تھا' جسے چاچا نے بھی ایک بار گیراج کے سامنے دیکھا تھا۔ ہم سمجھ رہے تھے کہ وہ رخسانہ یہی ہے جو اس وقت میرے گھر میں ہے مگر یہ سب اتنا بڑا گھپلا ہے کہ ٹھیک سے سمجھاؤں تو سمجھ میں آئے گا' نہیں تو خالی چکر بازی معلوم ہوگی۔"

"دیکھ جانی! یہ جو تیرے گھر میں بیوی ہے' کیا یہ وفادار ہے؟"

"ہے۔" وہ سہلا کر بولا۔

"کیا خدمت گزار ہے؟"

وہ پھر سہلا کر بولا "ہاں ہے۔"

"یہ تیرے لیے کھانا پکاتی ہے' تیرے لیے گھر میں جھاڑو دیتی ہے' تیرے لیے گھر کو سجا کر رکھتی ہے' تو آدمی نہیں تھا۔ تجھے بھی آدمی بنا کر رکھتی ہے۔ تیرے پاس ایک ٹیکسی تھی اس نے دوسری ٹیکسی کا اضافہ کیا۔ ارے ایسی بیوی تو تجھے کبھی نہیں ملتی' پھر قسمت اچھی ہوگئی تو یہ مل گئی' شکر کر۔"

"وہ تو میں کرتا ہوں۔"

"کیا کرتا ہے؟"

"یعنی یہی کہ شکر تو ادا نہیں کیا ہے کرلوں گا۔ اچھی بیوی ہے۔ میں نے یہ شکایت تو نہیں کی کہ اس میں کوئی برائی ہے کوئی خرابی ہے۔"

"جب اس میں کوئی برائی نہیں ہے تو پھر کیوں کسی دوسری لڑکی کے متعلق سوچتا ہے؟"

"کیوں نہ سوچوں؟ وہ جو لڑکی تھی' وہ میری محبت تھی اور محبت ہے اور کیا انصاف کوئی چیز نہیں؟ اور آپ لوگ یہ نہیں پوچھیں گے کہ میرے ساتھ دھوکا کیوں کیا گیا؟ وہ رخسانہ مجھے کیوں نہیں ملی جسے ملنا چاہیے تھا۔"

"تو انصاف چاہتا ہے' ہم اس معاملے میں بات کریں گے مگر یہ کوئی اہم معاملہ نہیں ہے۔ اہمیت یہ ہے کہ ابھی تیرے گھر بیٹا ہوا ہے۔ اس سے بڑی خوشی کوئی نہیں ہوتی' اس خوشی کے بعد ساری باتوں کو بھول جا۔"

مستری چاچا نے اس کی ساس سے کہا "بہن ہماری بہو سے کہیے کہ میں بچے کے کان میں اذان دینے آرہا ہوں۔ اس کمبخت نے تو ابھی بچے کو دیکھا بھی نہیں ہوگا۔"

مستری چاچا کی بیگم نے کہا "اسے بچے کے قریب جانے بھی نہ دینا۔ وہ معصوم ابھی اس دنیا میں آیا ہے اور یہ اپنے شرابی منہ سے اسے پیار کرے گا۔ جب تک اس کا نشہ نہ ختم ہوجائے' اس کے منہ سے بدبو نہ ختم ہوجائے' یہ اپنے بچے کے پاس نہیں جائے گا۔"

وہ لوگ مکان کے برآمدے کی طرف جانے لگے۔ بادشاہ جانی نے ہاتھ ہلا کر کہا "واہ اچھی زبردستی ہے۔ میرا بچہ ہے اور مجھے روکا جارہا ہے۔ ارے جاؤ' جاؤ' میں جب چاہوں گا اسے دیکھ لوں گا اور ہاں سنو' اس کا نام گھپلا رکھ دینا کیونکہ وہ بھی اپنی ماں اور اپنی نانی کی طرح گھپلے باز نکلے گا۔"

وہ لوگ اندر چلے گئے اور جانی تنہا رہ گیا۔ اس کے آس پاس دور دور تک چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ چاندنی کی بہار میں پھر وہ بہار آفریں صورت نظر آنے لگی۔ وہ رکشے کی پچھلی کھڑکی سے جھانک کر اسے دیکھ رہی تھی۔ رکشا دور بھاگتا جارہا تھا اور وہ اس کے پیچھے دوڑتا جارہا تھا۔ رخسانہ مجھ سے دور نہ جاؤ' میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وہ دوڑتا جارہا تھا' پھر اس نے دوڑتے دوڑتے کھڑکی کی چوکھٹ کو پکڑ لیا۔ اس کھڑکی کے فریم میں وہ اپنے حسن کے جلوے لٹا رہی تھی' اسے مسکرا مسکرا کر دیکھ رہی تھی اور وہ تڑپ تڑپ کر کہہ رہا تھا "میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ دنیا والے مجھے تم سے الگ نہیں کرسکتے۔ میرے پاس آجاؤ یا مجھے اپنے پاس بلالو۔ رخسانہ!..... رخسانہ!...."

اچانک ہی کھڑکی کا پٹ کھل گیا۔ مستری چاچا کا چہرہ نظر آیا۔ انہوں نے ڈانٹ کر کہا

"ابے ایک تو تو ان لوگوں کے خلاف باتیں کرتا ہے' جب میں نے حکم دیا کہ تو اپنے بچے سے نہیں مل سکتا تو یہاں آکر گڑگڑا رہا ہے' فریاد کر رہا ہے کہ دنیا والے تجھے اس سے الگ نہیں رکھ سکتے۔ ہمارا کیا دماغ خراب ہے کہ تمہیں الگ رکھیں گے۔ تم میاں بیوی ہو' یہ تمہارا بچہ ہے جب چاہو آکر ملو مگر آدمی کی طرح۔"

وہ بوکھلا کر مستری چاچا کا منہ تک رہا تھا۔ آہ' ابھی ایک لمحے پہلے تک کتنے حسین جلوے تھے۔ نگاہوں کے سامنے جوانی کھل رہی تھی اور اب بڈھا چہرہ نظر آرہا تھا۔ اس وقت کمرے کے اندر سے رخسانہ کی پیار بھری آواز سنائی دی "جانی آجاؤ' یہ لوگ ہمیں جدا نہیں کریں گے' آکر اپنے بیٹے کو تو دیکھو' تم جیسا چاہتے ویسا ہی ہے۔ بادشاہ پیارا پیارا سا' اسے گود میں لے کر پیار نہیں کرو گے۔ یہ تمہارا خون ہے جانی۔"

اس نے سر جھکا لیا۔ وہ اپنے بچے کو کھونا نہیں کہہ سکتا تھا۔ جب بچہ پیارا تھا تو اس کی ماں کیسے پیاری نہ ہوتی۔ شکایتیں اپنی جگہ ہوتی ہیں لیکن اس رخسانہ نے بیوی کی حیثیت سے جو خدمت کی تھی' اس کی حقیقت اپنی جگہ مسلم تھی۔ اس نے مستری چاچا کے پیچھے دیکھا۔ کھڑکی کے پاس رخسانہ ایک پلنگ پر لیٹی ہوئی نظر آرہی تھی۔ وہ اسے بڑے پیار سے دیکھ رہی تھی۔ اب مستری چاچا اس کے بستر کے پاس ایک کرسی پر جاکر بیٹھ رہے تھے اور بچے کو دونوں ہاتھوں میں اٹھا کر اسے اپنے منہ کے قریب لاکر آہستہ آہستہ اس کے کانوں میں اذان سنا رہے تھے۔

"اللہ اکبر' اللہ اکبر" (اللہ سب سے بڑا ہے)

جب اللہ سب سے بڑا ہے تو میں کیسے بڑا ہو سکتا ہوں۔ میں عمر میں بڑا ہوں' وہ تعلیم میں بڑی ہے' میں کمائی میں بڑا ہوں' وہ میری کمائی کو بچانے میں بڑی ہے۔ میں بڑا ہوں کہ میں نے ایک گھر بنایا' وہ بڑی ہے کہ اس نے اس گھر کو بسایا اور آج ایک ننھا سا پھول کھلایا۔ ہم ایک دوسرے سے بڑے نہیں ہیں۔ جب ایک دوسرے سے بڑے نہیں ہیں تو ایک دوسرے سے چھوٹے بھی نہیں ہیں۔ بڑائی کا ذکر جب بھی ہوگا تو خداوند کریم کے لیے ہوگا۔ وہی ایک ذات سب سے بڑی ہے۔

وہ سر جھکا کر کھڑکی کے پاس سے ہٹ کر برآمدے کی طرف جانے لگا۔ آواز آرہی تھی اشھدان لا الہ الا اللہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے)

جب میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی پرستش کے قابل نہیں ہے تو پھر میں اپنی بیوی سے اپنی پرستش کیسے کرا سکتا ہوں۔ یہ پرستش کرانا ہی ہے۔ ہم اپنی بیویوں سے نہیں پوچھتے کہ وہ خدا کی عبادت کرتی ہیں یا نہیں؟ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ عبادت کی حد سے بڑھ کر وہ ہماری خدمت کرتی ہیں یا نہیں۔ ایک تعلیم یافتہ عورت نے ایک برس دو مہینے میں ایک ان پڑھ شوہر کی جتنی خدمت کی ہے' وہ عبادت کی حد سے گزر جاتی ہے۔ اب سوچتا ہوں' تو میری یہ بیوی میری سمجھ میں آتی ہے۔

وہ مکان کے برآمدے میں پہنچ گیا۔ اذان کی دھیمی دھیمی آواز وہاں تک آرہی تھی اشھدان محمد رسول اللہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ (حضرت) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔)

یہ جو ہمارے آخری پیغمبر ہیں' یہ چودہ سو سال سے ہمارے گھر گھر میں ہیں مگر ہم انہیں دیکھ نہیں سکتے۔ ان کا پیغام سن نہیں سکتے۔ سن سکتے ہیں تو سمجھ نہیں سکتے' سمجھ سکتے ہیں تو عمل نہیں کر سکتے۔ جب ہم یہ سب کچھ نہیں کر سکتے تو ہم سب کے سب جاہل ہوئے نا۔

برآمدے کے بعد ایک چھوٹا سا کوریڈور تھا۔ کوریڈور کے ایک طرف باورچی خانہ' غسل خانہ اور اسٹور روم وغیرہ بنے ہوئے تھے۔ کوریڈور کی دوسری طرف وہ بڑا سا کمرا تھا' وہ کمرے کے دروازے کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ آواز آئی "حی علی الصلوۃ" (آؤ نماز کی طرف)

پھر تمہیں آدھے چہرے کے حسن پر باقی آدھے چہرے کا حسن قائم کرنا آجائے گا۔ نماز ایک ڈسپلن ہے اور ڈسپلن کے بغیر کوئی چہرہ مکمل نہیں ہوتا۔

"حی علی الفلاح" (آؤ اپنی فلاح کی طرف)

بادشاہ جانی دروازہ کھول کر کمرے میں آگیا۔ بھلائی اسی میں ہے کہ معصوم بچے کی کڑی سے بیوی اور شوہر کی کڑیاں مل کر ایک مضبوط زنجیر بنتی جائے۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا مستری چاچا کے قریب کھڑا ہو گیا۔ کبھی اپنی شریک حیات کی طرف دیکھتا اور کبھی اپنے بچے کی طرف۔ نظر جب بھی بچے کی طرف جاتی تو آپ ہی آپ اس کے ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم لہرا جاتا۔ بہت ہی پیارا پیارا سا گورا گورا سا بچہ تھا۔ اسے لے کر چومنے کو دل چاہتا

تھا۔ مستری چاچا نے اذان مکمل کر کے بچے کو اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے بچے کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا پھر اسے لے کر رخسانہ کے پاس بیٹھ گیا' اس کے بعد بچے کی پیشانی چوم کر رخسانہ کو یوں دیکھنے لگا جیسے کہہ رہا ہو' پیار بچے کے لیے ہے لیکن اس کا سلسلہ تم سے ہے۔

وہ شرما بھی رہی تھی اور مسکرا بھی رہی تھی۔ اس سے نظریں بھی چرا رہی تھی' اور چور نظروں سے قربان بھی ہو رہی تھی۔ وہاں ان کے بزرگ بیٹھے ہوئے تھے ورنہ وہ اس کا ہاتھ تھام کر کہتی' تم بہت دیر سے غصہ اور نفرت دکھا رہے ہو' دیکھو جس رخسانہ کو تم ڈھونڈتے ہو' وہ تمہاری زندگی میں صرف دو دن کے لیے مہمان بن کر آئی تھی' آئندہ بھی تمہارے خوابوں' خیالوں میں تمہارے لیے صرف مہمان بن کر آئے گی۔ میں تمہاری ازدواجی مسرتوں کی میزبان ہوں۔ میں نے اپنا سب کچھ تم پر وار دیا ہے' تم کب تک نفرت سے مجھ پر وار کرتے رہو گے؟؟"

بچہ رونے لگا۔ بادشاہ جانی اپنے دونوں ہاتھوں کو اوپر نیچے کر کے جھولے کی طرح اسے جھلانے لگا۔ ہو' ہو کہہ کر خاموش کرنے لگا۔ رخسانہ نے مسکرا کر کہا "مجھے دے دو' شاید یہ بھوکا ہے۔"

اس نے بچے کو اس کے بازو پر لٹا دیا۔ رخسانہ اسے شہد چٹانے لگی۔ اس کی ماں نے کہا "بیٹی! اس شہر میں تو کھانے پینے کی کوئی چیز خالص نہیں ملتی' معلوم نہیں اس شہد میں کیا ملا ہوا ہو۔ ہمارے ایک پڑوسی صمد صاحب کوئٹہ سے خالص شہد لے کر آئے ہیں۔"

بادشاہ جانی نے کہا "میرے بیٹے کو خالص کھانا ملنا چاہیے۔ مجھے ان صمد صاحب کا پتا بتاؤ' میں شہد خرید لاؤں گا۔"

اس کی ساس نے اسے غصے سے دیکھتے ہوئے کہا "اے! تم مجھ سے بات نہ کرنا۔ تم لچے لفنگے بدمعاش ہو۔ مجھے مارنے کے لیے ہاتھ اٹھا رہے تھے۔"

رخسانہ نے بڑے دکھ سے کہا "جانی! یہ بری بات ہے۔ کیا تم میری امی کی عزت نہیں کرو گے؟ کیا ان سے معافی نہیں مانگو گے؟"

وہ بولا "تم کہتی ہو تو مانگ لیتا ہوں مگر میں نے تمہاری ماں کے ساتھ جو کچھ بھی کیا' وہ کیوں کیا' جانتی ہو؟ اب جانے دو۔ چھوڑو میں ابھی بات نہیں بڑھانا چاہتا' ابھی مجھے

اپنے بچے کے لیے اصلی خوراک چاہیے۔ اپنی امی سے بولو کہ میرے ساتھ چل کر وہ اصلی شہد لے کر آ جائیں۔"

"میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی۔ وہاں راستے میں تم نے مجھے اکیلی پا کر مار دیا تو میں کیا کروں گی؟"

رخسانہ نے کہا "امی آپ بھی بچی بن گئی ہیں۔ میں آپ کو ہزار بار سمجھا چکی ہوں کہ جانی ایسے نہیں ہیں۔ اوپر سے سخت اور ظالم نظر آتے ہیں' اندر سے یہ بہت نرم ہیں۔ آپ ان کے ساتھ جائیے۔"

مستری چاچا نے کہا "ہاں بہن! آپ اس کے ساتھ چلی جائیں۔ میں اور میری بیگم آپ کے آنے تک رخسانہ کے پاس رہیں گے۔"

بادشاہ جانی کمرے سے نکل کر باہر آیا پھر اپنی ٹیکسی کی اسٹیرنگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی ساس باہر آئی۔ اس نے بادشاہ جانی کو دیکھا' اس کے پاس والی خالی سیٹ کو دیکھا' پھر پچھلی سیٹ پر جا کر بیٹھ گئی۔ دوسری ٹیکسی کے پاس سے چھوٹو نے آ کر کہا "بادشاہ' وہ دوسری گاڑی ٹھیک ہو گئی ہے۔"

بادشاہ نے پیچھے مڑ کر اپنی ساس کو دیکھا پھر چھوٹو سے کہا "ارے گاڑی بگڑ جائے تو بن جاتی ہے' آدمی بگڑ جائے تو اس کا بنانا مشکل ہوتا ہے۔"

اس کی ساس نے گھور کر دیکھا۔ "اے! تم مجھے دیکھ کر کیوں بول رہے ہو؟"

"دیکھا' بولتے ہی بگڑ گئیں۔" یہ کہہ کر اس نے گاڑی اسٹارٹ کی پھر وہاں سے ناظم آباد کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں وہ دونوں خاموش رہے۔ بادشاہ جانی کے اندر یوں تو بہت سا لاوا پک رہا تھا' وہ بہت کچھ کہنا چاہتا تھا کہ وہ کون تھی اور اب کہاں ہے لیکن وہ صبر و تحمل سے چپ چاپ بیٹھا ہوا تھا۔ اسے اپنے بچے کے لیے خالص شہد کی ضرورت تھی اور وہ شہد حاصل کرنے سے پہلے جھگڑے کو بڑھانا نہیں چاہتا تھا۔

وہ خاموشی سے راستہ طے کرتے ہوئے ناظم آباد پہنچ گئے۔ عباسی اسپتال کے سامنے والی گلی میں گاڑی کو موڑ کر اس نے اس مکان کے آگے گاڑی روک دی۔ جہاں سے دولہا بن کر اپنی دولہن کو لے کر گیا تھا۔ جب اس نے گاڑی روک کر ہیڈلائٹس کو بجھانا چاہا۔ تبھی اسے سامنے سڑک پر ایک نوجوان دوشیزہ نظر آئی۔ اس کا چہرہ نظر نہیں آیا

لیکن اس کا قد' اس کی جسامت' اس کا پہناوا دیکھ کر بادشاہ جانی چونک گیا۔ یک بارگی دل نے زور زور سے دھڑک کر کہا۔ وہ جان حیات جارہی ہے' اس نے آنچل کو سر پر اس طرح رکھا ہوا تھا کہ وہ آنچل گھونگھٹ بن گیا تھا۔ چہرہ نظر نہیں آرہا تھا۔ اس وقت وہ سڑک پار کرتے ہوئے دوسری طرف جارہی تھی۔ بادشاہ جانی نے ایک جھٹکے سے دروازے کو کھولتے ہوئے چیخ کر آواز دی "رخسانہ' رک جاؤ۔ رک جاؤ رخسانہ۔ میں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔"

اس کی ساس نے گھبرا کر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے باہر نکل کر کہا "یہ کیا کررہے ہو' رخسانہ کو تو گھر چھوڑ کر آئے ہو' یہاں پاگلوں جیسی حرکتیں نہ کرو۔"

اس نے ڈانٹ کر کہا "چپ رہو' تم فریبی ہو' جھوٹی ہو' مکار ہو۔"

یہ کہہ کر وہ دوڑتا ہوا اس لڑکی کی طرف جانے لگا۔ اس وقت تک اس نے سڑک پار کرلی تھی۔ جب اس نے کسی کے دوڑنے کی آواز سنی اور وہ آواز اپنی طرف آتے ہوئے محسوس کی تو اچانک ہی پلٹ کر دیکھا' دونوں روبرو ہوگئے۔ بادشاہ جانی دوڑتے دوڑتے ایک دم سے ٹھٹک گیا۔

وہ رخسانہ نہیں تھی' وہ کوئی اور تھی۔ رات کے وقت اپنی جسامت سے وہ لڑکی لگتی تھی۔ چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ آدھے درجن بچوں کی ماں ہوگی۔ بادشاہ جانی سر جھکا کر وہاں سے پلٹ گیا پھر ٹیکسی کی طرف واپس آنے لگا۔ اس کی ساس نے غصے سے کہا "کیوں ہمیں بدنام کرنا چاہتے ہو۔ ہم برسوں سے اس محلے میں رہتے ہیں' ہمیں تماشا نہ بناؤ' گھر کے اندر چلو۔"

وہ اپنی ساس کے پیچھے اس مکان میں داخل ہوا۔ ڈرائنگ روم میں اس کا سسر فرید احمد بیٹھا تاش کے پتوں سے کھیل رہا تھا۔ اس کی ساس پڑوسی کے یہاں شہد لینے کے لیے چلی گئی۔ فرید احمد نے اس سے پوچھا "بیٹھو' تاش کے کون کون سے کھیل جانتے ہو؟"

وہ خاموشی سے بیٹھ کر فرید احمد کو گھور گھور کر دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی ساس ایک چھوٹی سی شیشی میں شہد بھر لائی۔ بادشاہ جانی نے اس کے ہاتھ سے شیشی لیتے ہوئے کہا "یہ مجھے دے دو۔"

ساس نے کہا "میرے پاس رہنے دو۔ میں یہاں سے بچے کے لیے اور بھی کچھ

ضروری سامان لے کر جارہی ہوں۔"

بادشاہ جانی نے شیشی کو اپنی جیب میں رکھتے ہوئے کہا "میرے بچے کے لیے نہ تو کسی سامان کی ضرورت ہے اور نہ ہی تمہاری ضرورت ہے۔ میں اب اپنے بچے پر تم لوگوں کا سایہ بھی نہیں پڑنے دوں گا۔"

فرید احمد نے حیرانی سے پوچھا "یہ کیسی باتیں کررہے ہو؟"

"میں درست کہہ رہا ہوں۔ اگر تم لوگ میرے بچے کو غائب کردو گے اور اس کی جگہ دوسرے بچے کو میرے پاس پہنچادو گے تو میں تم لوگوں کا کیا بگاڑ لوں گا؟"

اس کی ساس نے کہا "تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے' ہم ایسا کیوں کریں گے بھلا؟"

"اس لیے کریں گے کہ یہ تم لوگوں کی خاندانی عادت ہے۔ میں اب بھی کہتا ہوں' مجھے سچ سچ بتادو کہ رخسانہ کہاں ہے جسے میں نے پسند کیا تھا اور جس سے میں شادی کرنا چاہتا تھا۔"

اس کی ساس نے انگلی اٹھا کر تنبیہہ کے انداز میں کہا "دیکھو جانی! یہ ہمارا گھر ہے' یہاں ہم عزت سے رہتے ہیں' بلاوجہ شور مچا کر بات نہ بڑھاؤ۔"

وہ ہاتھ نچا کر بولا "بڑی عزت والے ہو' بڑی شرافت والے ہو' ہم ٹیکسی ڈرائیوروں کو جو سواری جہاں پہنچانے کے لیے کہتی ہے' ہم اسے اسی جگہ پہنچادیتے ہیں۔ کبھی ایسا نہیں کرتے کہ اسے بھٹکا کر دور کہیں ویرانے میں لے جاکر لوٹ لیں' ہم ایسا نہیں کرتے۔ میں نے بھی تم سے کہا تھا کہ مجھے میری رخسانہ کے پاس پہنچادو مگر تم نے مجھے اپنی بیٹی کے پاس پہنچادیا۔ یہ تمہاری شرافت ہے یا ذلالت ہے؟"

"تمہیں اپنے بڑوں سے بات کرنے کی تمیز نہیں ہے۔ جو منہ میں آتا ہے بولتے جاتے ہو' تم نے جسے پسند کیا تھا' ہم نے اسی کو تمہاری دلہن بنایا ہے۔"

وہ غصے سے چیخ کر بولا "بکواس مت کرو' جھوٹ مت بولو۔ آج شام کے وقت میں نے رخسانہ کو دیکھا ہے جسے میں نے پسند کیا تھا۔ جب وہ رکشے میں بیٹھ کر جارہی تھی تو اس نے پلٹ کر مجھے دیکھا تھا۔ میں جانتا ہوں' وہ بھی مجھے پہچان گئی تھی لیکن انجان بن گئی تھی' ایسا کیوں ہے؟ آخر وہ کون ہے؟ میرے قریب آنے کے بعد مجھ سے دور کیوں بھاگ رہی ہے؟ تم لوگوں نے ایسا کیا کردیا ہے کہ وہ مجھ سے کتراتی ہے؟ کیا کھیل تم

ہے مجھے بتاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ میں پاگل ہو جاؤں اور تم لوگوں کو چن چن کر قتل کر دوں۔"

وہ دونوں پیچھے ہٹ گئے۔ اگر کوئی دوسرا ہوتا تو وہ چیختے ہوئے گھر سے باہر نکل جاتے اور محلے والوں کو جمع کر لیتے مگر داماد کے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے تھے اس طرح وہ خود ہی تماشا بن جاتے۔ اس کی ساس نے پریشان ہو کر اس کی طرف سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا، پھر کہا "میری بیٹی کہتی ہے کہ تم درندے نہیں ہو، تمہیں محبت سے سمجھایا جائے تو سمجھ لیتے ہو۔ اگر تمہیں پوچھنا ہے تو اپنے گھر چلو۔ وہاں رخسانہ سے پوچھ لینا، وہی تمہیں بتائے گی کہ ہم سچے ہیں یا جھوٹے ہیں، یہاں جھگڑا کرنا فضول ہے، تمہارا بیٹا بھوکا ہے، اسے فوراً ہی شہد پہنچانا ہے۔"

یہ آخری بات کارگر ثابت ہوئی۔ بیٹے کی بھوک کا خیال آتے ہی وہ جلدی سے باہر نکل گیا۔ دونوں نے اطمینان کی سانس لی پھر رخسانہ کی ماں نے کہا "اے جی! آپ میرے ساتھ چلیں، مجھے اس لڑکے سے ڈر لگتا ہے۔"

فرید احمد نے دروازے کے باہر دیکھتے ہوئے کہا "ہماری بیٹی کہتی ہے اسے پیار سے سمجھایا جائے تو سمجھ لیتا ہے۔ ابھی تم نے اسے بیٹے کی بھوک یاد دلائی تو فوراً ہی درندے سے انسان بن کر ہماری بات مان لی، آؤ میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔"

وہ دونوں باہر آئے اپنے گھر کے دروازے کو مقفل کیا پھر ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ بادشاہ جانی نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ اس کے بعد اسے ایک یوٹرن دے کر اپنے گھر کی طرف جانے لگا۔ تھوڑی دور جانے کے بعد فرید احمد نے اپنی جیبوں کو ٹٹول کر اپنے دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے کہا "اوہو، میں اپنے سگریٹ بھول آیا ہوں۔"

بادشاہ جانی نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا پھر کہا "مجھ سے چالاکی نہ دکھاؤ۔ پہلی بار جب میں نے تمہیں گولڈلیف کا پیکٹ خرید کر دیا تھا تو تم نے میری محبوبہ بدل دی تھی، آج سگریٹ خرید کر دوں گا تو کیا اپنی بیوی بدل دو گے؟"

رخسانہ کی امی نے گھور کر اپنے شوہر سے پوچھا "کیا آپ نے اپنے داماد سے سگریٹ لے کر پیا تھا؟"

وہ ہچکچانے لگا پھر بے بسی سے بادشاہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "نہیں، میں نے تو نہیں لیا، بات دراصل یہ ہے کہ....."

بادشاہ جانی نے بات کاٹ کر کہا "دیکھو سسر جی! جھوٹ کو صرف ہم غریبوں کے لیے رکھو اور اپنی ہٹلر جیسی بیوی سے سچ بول دو۔"

اس کی ساس نے پچھلی سیٹ سے ہاتھ نچا کر کہا "یہ کیا سچ بولیں گے، یہ تو نہ کام کے نہ کاج کے، دشمن اناج کے ہیں۔ گھر میں بیٹھے رہتے ہیں۔ میں کماتی ہوں تو کھاتے ہیں اور دوسروں سے مانگ مانگ کر سگریٹ پیتے ہیں۔ ہماری عزت خاک میں ملا دی ہے۔"

بادشاہ جانی نے حیرانی سے پوچھا "اچھا ساس جی! تمہاری عزت بھی ہے؟"

وہ بھڑک کر بولیں "بکواس مت کرو۔ تم بہت دیر سے ہمیں تم کہہ کر مخاطب کر رہے ہو، تم بڑوں کی عزت کرنا نہیں جانتے؟"

اس وقت گاڑی ہلکے ہلکے جھٹکے کھا کر رکنے لگی پھر تھوڑی دور جا کر بالکل خاموش ہو گئی۔

فرید احمد نے پوچھا "کیا ہوا؟"

"کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے۔" وہ گاڑی سے باہر گیا پھر اس کا بونٹ اٹھا کر دیکھنے لگا۔ اس وقت وہ حیدری کے ایسے راستے پر تھے جو بالکل سنسان تھا۔ نہ کوئی راہ گیر نظر آتا تھا اور نہ ہی کوئی گاڑی گزر رہی تھی۔ اس وقت رات کے ڈیڑھ بج چکے تھے۔ اس نے بونٹ گرا کر اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا "گاڑی ٹھیک ہو گئی ہے، ذرا دھکا لگانا ہو گا۔"

فرید احمد نے تھوک نگل کر کہا "کیا دھکا لگانا ضروری ہے؟"

"ارے ہاں، ضروری ہے۔ کیا گاڑی کو دھکا نہیں دے سکتے، چلو اترو۔"

وہ دروازہ کھول کر گاڑی سے اترا اور اسے آگے دھکیلنے کے لیے زور لگانے لگا۔ بادشاہ جانی بریک لگائے بیٹھا ہوا تھا۔ اس بات کو فرید احمد نہیں سمجھ سکتا تھا۔ اس نے پیچھے پلٹ کر اپنی ساس سے کہا "یہاں آرام سے کیا بیٹھی ہو، تمہارے مرد میں اتنا زور نہیں ہے کہ گاڑی کو دھکیل سکے، جاؤ اس کے ساتھ زور لگاؤ۔"

وہ تھوڑی دیر تک غصے سے اسے دیکھتی رہیں پھر دروازہ کھول کر باہر نکل گئیں اور فرید احمد کو گھور کر بولیں "دن رات بیٹھے بیٹھے کھاتے رہتے ہو، اتنی بھی طاقت نہیں ہے کہ اکیلے گاڑی کو دھکا لگا سکو۔"

یہ کہہ کر انہوں نے ساڑی کے آنچل کو اپنی کمر کے گرد لپیٹا پھر اپنے شوہر کے ساتھ

گاڑی پر ہاتھ رکھ کر زور لگانے لگیں۔ ذرا سی دیر میں وہ اسٹارٹ ہوگئی لیکن اس سے پہلے کہ وہ دونوں آگے بڑھ کر گاڑی میں بیٹھنے کے لیے آتے وہ ایک جھٹکے سے آگے بڑھ گئی۔

دونوں نے چلا کر کہا "گاڑی روکو۔"

مگر گاڑی آگے بڑھ گئی۔ وہ دوڑتے ہوئے اس کی طرف گئے لیکن قریب پہنچنے سے پہلے گاڑی پھر آگے بڑھ گئی۔ بادشاہ جانی کے قہقہے سنائی دے رہے تھے۔ اس کی ساس ہاتھ اٹھا کر کوسنے لگی۔ فرید احمد فریاد کرنے لگا لیکن وہ قہقہے اب دور ہوتے جارہے تھے۔ گاڑی تیزی سے دور ہوتی جارہی تھی۔

بادشاہ جانی اپنی سیٹ پر آرام سے بیٹھا اسٹیرنگ سنبھالے مسکرا رہا تھا۔ اس کے دل کا، دماغ کا بوجھ تھوڑی دیر کے لیے ہلکا ہوگیا تھا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے دشمنوں سے انتقام کی پہلی قسط پوری ہو چکی ہے۔ انتقام لینے کے بعد کتنا مزہ آتا ہے، اسے وہی سمجھ رہا تھا پھر اس نے کہا "کمینے، ہمیں بدنام کرتے ہیں کہ ہم دھوکا دیتے ہیں۔ آج سے میں نے بھی دھوکا سیکھ لیا ہے۔ ان شریف لوگوں کو ان کی منزلوں تک نہیں پہنچانا چاہیے، راستے میں چھوڑ دینا چاہیے۔"

اس نے ایک قہقہہ لگایا پھر ونڈ اسکرین کے پار دیکھتے ہوئے بولا "ذلیل بولتی ہے بڑوں کا ادب کرو۔ تم تم مت بولو۔ آپ کی بولی بولو۔ ارے! تم لوگوں نے ہمیں اچھے الفاظ بولنے کے قابل کہاں رکھا ہے۔ پہلے تو ہمیں بگاڑ دیتے ہو پھر بولتے ہو بگڑ گیا۔"

اس نے گیئر بدلا۔ رفتار بڑھائی پھر اپنے گھر کے سامنے پہنچ گیا۔ گاڑی سے اتر کر شیشی کو اپنی جیب سے نکال کر تیزی سے چلتے ہوئے اپنے مکان کے اندر داخل ہوا۔ مستری صاحب نے اسے دیکھتے ہی پوچھا "آگئے کیا یہی خالص شہد ہے؟"

انہوں نے شیشی کو اپنے ہاتھ میں لے کر اسے کھولا، ذرا سا چکھ کر دیکھا پھر سہلا کر بولے "واقعی بہت اچھا شہد ہے، بچے کو یہی چٹایا کرو۔"

رخسانہ نے شیشی کو لیتے ہوئے بادشاہ جانی سے پوچھا "امی نہیں آئیں؟"

"نہیں، وہ تمہارے ابو کے ساتھ سڑک پر ٹہل رہی ہیں۔"

مستری چاچا نے پوچھا "کیا مطلب؟ وہ تو یہاں آنا چاہتی تھیں۔"

"ہاں آنا چاہتی تھیں مگر میرے سسر صاحب نے فرمایا کہ یہاں کمرا ایک ہے۔ میاں

بیوی اپنے بچے کے ساتھ یہاں سوئیں گے تو ان دونوں کو جگہ نہیں ملے گی۔ سب کے سب ایک ہی کمرے میں نہیں رہ سکتے اس لیے وہ نہیں آئے۔"

مستری چاچا نے قائل ہو کر کہا "ہاں یہ بات تو درست ہے کہ یہاں ایک کمرے میں سب ہی کو تکلیف ہوگی مگر اس سے کیا فرق پڑتا ہے، جانی تم تو ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر سو کر بھی رات گزار سکتے تھے۔ یہاں کسی بزرگ کا ہونا بہت ضروری ہے۔ بچہ ہماری بہو کو پریشان کرے گا۔"

مستری چاچا کی بیگم نے اٹھتے ہوئے کہا "بہو، تم اتنی پیاری لگتی ہو کہ تمہیں چھوڑ کر جانے کو جی نہیں چاہتا مگر رات بہت ہوگئی ہے میں کل پھر آؤں گی۔"

انہوں نے آگے بڑھ کر رخسانہ کی بلائیں لیں پھر اپنے پرس سے سو روپے کا ایک نوٹ نکال کر بچے کی مٹھی میں پکڑا دیا، اس کے بعد دعائیں دیتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئیں۔

جانی مستری چاچا کے ساتھ چلتا ہوا باہر آیا، وہاں بیگم نے کہا "جانی تیری بیوی بہت ہی ملنسار، سگھڑ اور سمجھ دار ہے تو اس کے پاؤں کی دھول بھی نہیں ہے۔"

"دیکھو چاچی! مجھے اتنا تو نہ گراؤ۔ یہ بھی تو سوچو کہ اس کا آدھا چہرہ ہے۔"

"ارے آدھے چہرے سے کیا ہوتا ہے، چہرے کو نہیں دیکھا جاتا، عمل اور حسن سلوک کو دیکھا جاتا ہے۔"

"چاچی! ابھی تو تم نہیں سمجھتیں۔ چہرہ دیکھا جاتا ہے اور چہرے کو جب غور سے دیکھو گی تو سب کے آدھے چہرے نظر آئیں گے۔"

چاچی نے اسے گھور کر دیکھا پھر پوچھا "یہ فلسفہ ہے یا نشے میں بول رہا ہے؟"

"اپنی زندگی میں جو ہو رہا ہے، وہی بول رہا ہوں۔ تم نے رخسانہ کو تو دیکھا ہے مگر اس کے آدھے چھپے ہوئے چہرے کو نہیں دیکھا۔"

"کیا ہے اس کے چھپے ہوئے چہرے میں۔"

"جھوٹ اور فریب۔ اب جانے دو چاچی رات بہت ہوگئی ہے تم لوگوں کو نیند آرہی ہوگی میں بحث کرنا نہیں چاہتا۔"

وہ دونوں گاڑی میں بیٹھ کر چلے گئے۔ بادشاہ جانی نے اپنی ٹیکسی مکان کے احاطے

میں کھڑی کی‘ دونوں ٹیکسیوں کو لاک کیا پھر مکان کے اندر گیا۔

رخسانہ بچے کو بڑے پیار سے سہلا رہی تھی۔ ممتا بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی‘ آہٹ سن کر اس نے اپنے جانی کو دیکھا۔ جانی دروازے کو بند کرنے کے بعد دروازے سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا اور وہیں سے رخسانہ کو دیکھنے لگا۔ اس نے شرما کر نظریں جھکا لیں۔ وہ بولا ”تم مجھے دیکھ کر شرما رہی ہو جیسے ابھی تمہارے پاس آؤں گا مگر میں نہیں آؤں گا۔“

رخسانہ نے آہستگی سے نظریں اٹھا کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا پھر یقین سے کہا ”تم آؤ گے جانی۔“

وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتا ہوا بولا ”میں نہیں آؤں گا۔“

”آؤ گے۔ پہلے میں تمہیں تنہا پکارتی تھی‘ اب میرے ساتھ یہ بچہ بھی تمہیں پکارے گا اور تم آؤ گے۔“

بادشاہ جانی نے بچے کی طرف دیکھا پھر نظریں جھکا کر سوچنے لگا اس کے بعد کہا ”دیکھو میں مانتا ہوں کہ تم بہت اچھی ہو‘ مجھے اچھی لگتی ہو مگر تمہارے ساتھ مجھے ایک کانٹا چبھتا ہے۔ جھوٹ اور فریب کا کانٹا۔ اس کانٹے کو نکال دو رخسانہ۔“

رخسانہ کا سینہ سانسوں سے بھر گیا پھر وہ آہستہ آہستہ سانس چھوڑتے ہوئے بولی ”مجھے بھی ایک کانٹا چبھ رہا ہے اور وہ تمہاری دیوانگی کا کانٹا ہے۔ میں تمہارے ظلم کو سہتے سہتے تمہارے ہاتھوں خوشی سے مر جاؤں گی مگر یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ تم مجھے چھوڑ کر کسی اور کے دیوانے کہلاؤ۔ میں نے سوچا کہ میں اپنی محبت‘ اپنی وفاؤں سے اپنی خدمت گزاری سے تمہیں ایسے جیت لوں گی کہ تم صرف مجھے ہی دیکھو گے باقی سب کو بھول جاؤ گے۔ میں بچے کی ماں نہیں بننا چاہتی تھی کیونکہ ابھی ہمیں بہت ہی روشن اور خوش حال مستقبل بنانا تھا۔ میں پریکٹس کرنا چاہتی تھی مگر امی نے سمجھایا کہ اولاد ضروری ہے‘ اولاد ہو گی تو تم مجھے اور دیوانہ وار چاہو گے اور اس کے بعد کبھی مجھے چھوڑ کر کسی دوسری کے پیچھے نہیں بھاگو گے۔“

بادشاہ جانی نے ایک قدم اور بڑھ کر پوچھا ”وہ دوسری کون ہے؟ کہاں ہے؟ اسے مجھ سے کیوں چھپایا گیا؟“

رخسانہ دونوں ہاتھوں کے سہارے ذرا اٹھ کر سرہانے کی طرف نیم دراز ہو کر بولی ”مجھے دیکھو جانی! ٹھیک ہے کہ مجھے دیکھو گے تو آدھا چہرہ نظر آئے گا۔ آدھا چہرہ پٹیوں سے چھپا ہوا ہے مگر ایمان سے بولو کیا میں خوب صورت نہیں ہوں‘ مجھ میں کس بات کی کمی ہے؟ میں نے تمہاری خدمت کرنے میں کوئی کمی چھوڑی ہے؟ میں نے اس ننھے کو تمہارے لیے جنم دیا ہے کیا میری ان تمام خدمت گزاریوں اور وفاداریوں کا کوئی انعام نہیں دو گے؟“

”انعام ضرور دوں گا۔ تمہیں تمام عمر چاہتا رہوں گا۔“

”یہ انعام نہیں ہے جانی! عورت کا سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ اس کا مرد صرف اسے چاہے‘ کسی اور کی تمنا نہ کرے۔ کسی اور کے بارے میں سوال نہ کرے۔ کسی اور کے پیچھے نہ بھاگے۔ تم کسی اور کے بارے میں مجھ سے سوال کر رہے ہو۔ میں اس کا کس دل سے جواب دوں؟“

”جس دل سے تم نے پہلی بار مجھے دھوکا دیا۔“

”آہ دھوکا۔“ وہ اپنے سر کو ایک شانے کی طرف ڈھلکا کر بولی ”وہ دھوکا ایسا ہی ہے جیسے آدمی سوچتا ہے کہ کہیں سے بہت بڑا خزانہ چوری کر کے اپنے گھر لے جائے اور اس کے بعد ساری عمر ایمانداری سے زندگی بسر کرے‘ محتاجوں کی مدد کرے‘ غریبوں کو خیرات دے۔ نیک کام کرے اور اپنی اس چوری کی تلافی کرتا رہے مگر اپنی زندگی خوش حال بنا لے۔ وہ دھوکا ایسا ہی ہے جیسے ایک اسمگلر لاکھوں کروڑوں کا سامان اسمگل کرتا ہے۔ راتوں رات امیر بنتا ہے‘ پھر اپنے گناہوں کو دھونے کے لیے اپنے محلے میں مسجد تعمیر کراتا ہے۔ یتیم خانوں میں چندہ دیتا ہے۔ گھر میں میلاد کی محفل کراتا ہے اور جتنے نیک کام وہ سوسائٹی میں رہ کر کر سکتا ہے‘ کرتا ہے اس کی نیکی سے کوئی انکار نہیں کر سکتا مگر بہت دور اس کے پیچھے ایک جرم چھپا ہوتا ہے بس ایسا ہی میں نے سوچا تھا کہ زندگی میں ایک بار جھوٹ بولوں گی‘ ایک بار دھوکا دوں گی پھر جسے دھوکا دوں گی اس کے قدموں کی خاک بن جاؤں گی اور اس کی ایسی خدمت کروں گی‘ ایسی وفادار بن کر رہوں گی کہ دوسری عورتوں کے لیے مثال بن جاؤں گی اور میں ایسا کرتی آ رہی ہوں۔“

”کیا تمہارے ایسے کرتے رہنے سے وہ ظلم ختم ہو جائے گا‘ جو مجھ پر کیا گیا ہے؟“

"میں سمجھتی تھی' وہ ظلم ختم ہو جائے گا' تم اس بات کو زیادہ محسوس نہیں کرو گے۔ رفتہ رفتہ سر سے پاؤں تک میرے ہو جاؤ گے۔ تمہاری سوچ بھی میرے لیے ہو گی اور میرے گھر والے کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ تمہاری یہ دیوانگی قائم رہے گی۔"

"یہ دیوانگی مرتے دم تک قائم رہے گی۔ مجھے بتاؤ' وہ کون ہے اور کہاں رہتی ہے؟"

"جب میں یقین کرلوں گی کہ اب بتانا ہی ہو گا تو بتا دوں گی لیکن وہ وقت آنے سے پہلے میں کہتی ہوں کہ میری اور میرے بچے کی محبت کو اپنی نگاہوں میں' اپنے دل کے ترازو میں تول لو۔ اگر یہ بچہ تمہارا ہے تو میری طرف سے ہے۔ اگر میری محبت' میری وفا' میرا جسم' میری روح سب کچھ تمہارے ہیں اور تم اس کا اعتراف کرتے ہو تو......"

وہ بات پوری ہونے سے پہلے بولا "میں مانتا ہوں' ان سب باتوں کو مانتا ہوں۔ میں تمہاری عزت کرتا ہوں۔ تم سے محبت کرتا ہوں۔ میں تم سے دور نہیں رہ سکتا۔ تمہیں چھوڑنے کا خیال نہیں کر سکتا۔ اگر یہ ظلم تم پر کروں گا تو یہ ظلم مجھ پر ہو گا اس سے بڑھ کر میری محبت تمہارے لیے اور کیا ہو سکتی ہے؟"

"میرے جانی! جب تم مجھ سے اتنی محبت کرتے ہو تو مذہب کی رو سے' قانون کی رو سے اور تہذیب کے حوالے سے اپنی بیوی کے سامنے کسی غیر عورت کا ذکر نہیں کرنا چاہیے' کجا یہ کہ تم مجھ سے ایک پرائی لڑکی کا پتا پوچھ رہے ہو۔"

"وہ میرے لیے پرائی نہیں ہے' وہ میری پہلی محبت ہے۔ میری پہلی آرزو ہے۔ میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میرے اندر کیسی بے چینی ہے میں بیان نہیں کر سکتا۔ بس ایک بار میں اس سے مل لوں گا اور اس سے معلوم کرلوں گا کہ اس نے مجھے دھوکا کیوں دیا؟ اس نے مجھے تمہارے حوالے کیوں کیا؟ جب مجھے جواب مل جائے گا' جب میں مطمئن ہو جاؤں گا تو یہ سارا قصہ ختم کر دوں گا۔"

"میں تمہیں سمجھا رہی ہوں' مجھ پر بھروسا کرو' وہ تم سے محبت نہیں کر رہی تھی' اگر محبت کرتی تو دلہن بننے سے پہلے تمہیں چھوڑ کر نہ بھاگ جاتی۔"

"کیا وہ بھاگ گئی تھی؟"

"اسے بھاگنا ہی کہتے ہیں کہ تمہاری زندگی میں آنے کے بجائے' وہ تم سے کترا کر نکل گئی۔"

"میں تم پڑھے لکھے لوگوں کی لچھے دار باتوں میں نہیں آسکتا۔ مجھے ایک بار اس سے ملا دو۔"

"میں چار ماہ پہلے اس کا پتا ٹھکانا جانتی تھی لیکن اب مجھے نہیں معلوم کہ وہ کہاں چلی گئی ہے؟ ہو سکتا ہے کہ یہ شہر چھوڑ کر ہی چلی گئی ہو۔"

اس نے ایک انگلی سے زمین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "وہ اسی شہر میں ہے' میں نے آج شام کو اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور اسے اچھی طرح پہچانا ہے' اس نے بھی مجھے اچھی طرح پہچان لیا تھا۔"

رخسانہ نے حیرانی اور ذرا بے یقینی سے اسے دیکھا پھر پوچھا "کیا اس سے تمہاری ملاقات ہو چکی ہے؟"

"ہاں۔ ایسی ملاقات' جسے میں کیا نام دوں' میری سمجھ میں نہیں آتا' وہ مجھ سے ملتے ملتے' بچھڑ گئی۔ وہاں صدر میں اتنی بھیڑ تھی کہ میں اس کے قریب نہ جا سکا۔ وہ رکشے میں بیٹھی بیٹھی مجھ سے دور ہوتی چلی گئی پھر میری نظروں سے اوجھل ہو گئی۔"

رخسانہ نے بے اختیار اطمینان کی سانس لی۔ خیال آیا کہ جانی اس کے رد عمل کو پڑھ لے گا۔ اس لیے وہ جلدی سے سنبھل کر بولی "کیا اس سے ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ تم سے دور بھاگ رہی ہے۔ تمہیں دیکھنے کے بعد اسے رک جانا چاہیے تھا۔ وہ رکشے کو روک کر تمہارے پاس آسکتی تھی مگر نہیں آئی۔ جانی سمجھنے کی کوشش کرو۔ اتنی بڑی دنیا میں اگر تمہیں کوئی دل و جان سے چاہنے والی ملے گی تو وہ صرف میں ہوں گی۔"

"میں مانتا ہوں' مجھ کو تم سے زیادہ کوئی نہیں چاہے گا۔ وہ مجھ سے بھاگنے والی بھی نہیں چاہے گی لیکن میں ایک بار اس سے ضرور ملنا چاہتا ہوں۔ میں اس سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ اس نے مجھے دھوکا کیوں دیا۔ مصیبت تو یہ ہے کہ ابھی تک یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ دھوکا کس نے دیا؟ کیا دونوں نے دیا؟ تم نے بھی اور اس نے بھی؟"

رخسانہ نے کہا "ہاں' سچ تو یہ ہے کہ دونوں طرف سے تمہیں اندھیرے میں رکھا گیا۔ جو ہونے والا تھا' اس سے تمہیں آگاہ نہیں کیا گیا اور بعد میں جو ہوا' وہ تمہارے سامنے ہے۔"

"ایسا کیوں ہوا مجھے سچ سچ بتا دو۔"

وہ اسے التجا آمیز نظروں سے دیکھنے لگی۔ اس کی نظریں کہہ رہی تھیں 'کچھ نہ پوچھو' یہاں اس گھر کی چار دیواری کے اندر ہماری چھوٹی سی دنیا ہے۔ میں ہوں 'تم ہو' ہمارا بچہ ہے۔ ہم اپنی باتیں کریں گے 'ہمارے درمیان کسی دوسری عورت کو نہیں آنا چاہیے۔ میں تمہیں کیسے بتاؤں جب تم دوسری رخسانہ کی بات کرتے ہو تو مجھے اپنی توہین کا احساس ہوتا ہے۔ کیا میں اپنے مرد کی نظروں میں کچھ بھی نہیں ہوں؟ اور میرے ہوتے ہوئے کوئی دوسری تمہارے دل ودماغ پر چھائی ہوئی ہے۔ خدا کے لیے مجھ سے ایسی باتیں نہ کرو۔

بادشاہ جانی اسے چپ چاپ دیکھ رہا تھا' انتظار کر رہا تھا کہ وہ جواب دے گی۔ جب اس کی طرف سے خاموشی رہی تو اس نے کہا "تم سوچ رہی ہو کہ مجھے کس طرح ٹال سکتی ہو۔"

وہ بولی "یہ بات نہیں ہے 'میں...."

اس کی بات پوری نہ ہو سکی۔ دفعتاً دروازے کو دھڑا دھڑ پیٹنے کی آواز سنائی دی۔ اس کے بعد رخسانہ نے اپنی امی کی آواز سنی "دروازہ کھولو بیٹی! دروازہ کھولو' ذرا دیکھو اس جانی کے بچے نے ہمارا کیا حال بنا دیا ہے۔"

جانی نے دروازے کی طرف منہ کر کے کہا "اے خبردار! میرے بچے کو کچھ نہ کہنا۔ میرے بچے نے تمہیں حال سے بے حال نہیں کیا۔"

رخسانہ نے کہا "جانی دروازہ کھولو۔"

وہ ہاتھ جھٹک کر بولا "ارے رہنے دو۔ ہم یہاں اتنی ضروری باتیں کر رہے ہیں۔ یہ بڑھیا اپنے بوڑھے کے ساتھ یہاں کیوں پہنچ گئی؟"

"جانی! بدتمیزی نہیں کرتے' وہ ہمارے بزرگ ہیں' ایسا نہ کہو۔ میرے والدین کی عزت کرو' چلو دروازہ کھول دو۔"

"تم صاف صاف کیوں نہیں کہتیں کہ تمہارے ماں باپ کے آجانے سے مجھے ٹالنے کا موقع مل گیا ہے۔ تم سمجھتی ہو مجھ سے پیچھا چھوٹ جائے گا۔ کبھی نہیں 'میں تمہارے والدین کے سامنے ساری سچائی معلوم کر کے رہوں گا۔"

اس نے دروازے کے قریب پہنچ کر چٹخنی گرا دی پھر دونوں پٹ ایک جھٹکے سے کھول

دیے۔ ان دونوں کو شاید امید نہ تھی کہ جانی دروازہ کھولے گا۔ وہ تھکے ہارے وہاں تک پہنچے تھے اس لیے دروازے سے ٹیک لگائے کھڑے تھے۔ جیسے ہی جانی نے دروازہ کھولا' وہ لڑکھڑاتے ہوئے اور چیختے ہوئے کمرے کے اندر آ کر گر پڑے۔ رخسانہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی پھر چیخ کر بولی "جانی! یہ کیا ہو رہا ہے؟"

بادشاہ جانی نے اس کی طرف پلٹ کر کہا "اب اس کا الزام تم مجھے دو گی کہ میں نے تمہارے ماں باپ کو گرایا ہے۔ ارے! مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ لوگ دروازے کے اوپر سو رہے ہیں اور کھلے گا تو گر پڑیں گے۔"

وہ دونوں زمین پر پڑے کراہ رہے تھے۔ اس کی ساس نے فرش پر بیٹھتے ہوئے کہا "ہائے بیٹی! اس لڑکے نے تو ہمیں آج مار ہی ڈالا تھا۔ ادھر حیدری کے علاقے میں اس نے کہا ٹیکسی خراب ہو گئی ہے۔ دھکا لگانا ہے۔ میں اور تمہارے ابو گاڑی سے اتر کر دھکا لگانے لگے' تو یہ کمبخت گاڑی بھگا کر یہاں لے آیا۔ اس سے پوچھو کہ اس نے ہمارے ساتھ ایسی حرکت کیوں کی۔ ہمیں کس جرم کی سزا دے رہا ہے؟"

رخسانہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ شکایت بھری نظروں سے جانی کو دیکھنے لگی۔ بادشاہ جانی نے کہا "مجھے ایسے نہ دیکھو' میں نے تمہارے ابو سے پوچھا تھا کہ وہ رخسانہ کون ہے؟ جو شام کو نظر آئی تھی لیکن یہ مجھے بتانے سے انکار کرتے رہے۔ یہ نادان بچے نہیں ہیں۔ انہوں نے دنیا دیکھی ہے۔ یہ جانتے ہیں کہ کسی کو راستے سے بھٹکانا نہیں چاہیے لیکن انہوں نے مجھے میرے راستے سے بھٹکا دیا تھا پھر میں انہیں راستے پر چھوڑ کر کیسے نہ آتا۔ انہیں کچھ تو سبق سکھانا چاہیے اور وہ میں نے سکھا دیا۔"

فرید احمد نے اپنی کمر پر ہاتھ رکھ کر کراہتے ہوئے کہا "ہائے بیٹی! ہم کم سے کم تین میل پیدل چل کر ضرور آئے ہیں۔ یہ نئی آبادی ہے ادھر بسیں بھی نہیں آتیں۔ کوئی رکشا ٹیکسی والا بھی نہیں آتا۔ ہم چاہتے تو آدھے راستے سے گھر واپس چلے جاتے مگر سوچا کہ جو ہمیں راستے میں دھوکا دے کر آ سکتا ہے' وہ ہماری بیٹی کے ساتھ جانے کیا سلوک کرے اس لیے ہم ادھر ہی چلے آئے۔"

"ابو! امی! وہاں سے اٹھ جائیے اور میرے پاس آ کر بیٹھے۔ میں جانی کی طرف سے معافی مانگتی ہوں۔"

وہ دونوں اٹھنے لگے۔ اس کی امی نے کہا "بیٹی! تمہارے معافی مانگنے سے یہ لڑکا سیدھے راستے پر نہیں آجائے گا۔"

جانی نے آگے بڑھ کر کہا "ارے! یہ کیوں سوچتے ہو کہ تمہارے سامنے جو ہے، وہ سیدھے راستے پر آجائے۔ پہلے اپنے لیے کیوں نہیں سوچتے کہ ٹیڑھے راستے پر کیوں بیٹھے ہوئے ہو۔ بولو مجھے سیدھا دیکھنے کے لیے کیا سیدھی طرح میرے سوالوں کا جواب دے سکتے ہو۔ یہ بتا سکتے ہو کہ میرے ساتھ دھوکا کیوں کیا گیا اور میری وہ رخسانہ کون ہے؟ ان باتوں کا جواب دے دو پھر دیکھو جانی سے سیدھا اور شریف آدمی کوئی نہیں ملے گا۔"

رخسانہ نے کہا "جانی! تم اپنی ہی بات پر اڑے ہوئے ہو۔ میں تم سے کہہ چکی ہوں کہ وہ جو کوئی بھی تھی تمہیں نہیں چاہتی تھی۔ تمہیں ایک چھوٹا آدمی سمجھتی تھی، ایک معمولی ٹیکسی ڈرائیور سمجھتی تھی اس لیے تم سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ شادی سے پہلے چلی گئی تھی۔ میری امی نے ابو نے مجھے دلہن بنادیا۔ مجھے تمہاری شریک حیات بنا کر اب یہ دونوں تمہاری طرف سے بے عزتی اٹھا رہے ہیں۔ تمہیں اپنی حرکتوں پر شرم آنی چاہیے۔ ان سے معافی مانگنی چاہیے۔"

"میں ایک ہزار بار معافی مانگ لوں گا مگر یہ بزرگ بچوں کو بگاڑتے کیوں ہیں۔ انہیں بے ادب اور بد تمیز بننے پر مجبور کیوں کرتے ہیں۔ جو بات تم رخسانہ کے بارے میں کہہ رہی ہو۔ اگر یہ یقین دلادیں کہ تمہاری بات درست ہے، پھر میں سوچوں گا کہ ان سے معافی مانگنی چاہیے یا نہیں۔"

اس کی ساس نے کہا "میری بیٹی درست کہہ رہی ہے۔ وہ لڑکی تم سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ تمہیں حقیر سمجھتی تھی۔ یہ ہمارا ظرف ہے کہ ہم نے اپنی بیٹی کو تمہاری شریک حیات بنایا اور تم اس کا یہ صلہ دے رہے ہو۔"

وہ چڑ کر بولا "لعنت ہے تم لوگوں پر۔ ابھی تک مجھ سے جھوٹ بولتے جا رہے ہو۔ اگر وہ مجھ کو حقیر سمجھتی تو دو دن تک میرے ساتھ ٹیکسی میں کیسے گھومتی رہی۔ آخری بار اس نے کہا تھا کہ میں اسے کہیں دور لے چلوں اور وہ ملاقات کبھی ختم نہ ہو۔ اس کی یہ بات اب بھی میرے دل میں چبھ رہی ہے۔ اب مجھے اس کی تڑپ سمجھ میں آرہی ہے کہ وہ کیوں مجھ سے جدا نہیں ہونا چاہتی تھی؟ کیوں اس ملاقات کو ختم نہیں کرنا چاہتی تھی پھر

وہ مجھ سے بچھڑنے کے بعد رو رہی تھی؟ کس کے لیے رو رہی تھی؟ اگر میں ایک معمولی ٹیکسی ڈرائیور تھا۔ اگر وہ مجھ سے نفرت کرتی تھی، مجھے بے وقوف بنا رہی تھی تو بتاؤ، اس کے آنسو کس کے لیے تھے؟ وہ آخری ملاقات کو کیوں ختم نہیں کرنا چاہتی تھی؟ تم لوگوں کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہوگا اس لیے کہ تم نے اس کے دل میں جھانک کر نہیں دیکھا تھا۔ کاروباری انداز میں میرے سے جھوٹ بول رہے ہو۔"

اس کی ساس نے ہاتھ نچا کر کہا "ارے ہاں ہاں، ہم کاروباری ہیں، جو کرنا ہے کرلو، سیدھی طرح سمجھاتے ہیں تو تمہاری سمجھ میں نہیں آتا۔ تم ہمارا کیا بگاڑ لوگے۔ کیا ہماری لڑکی کو چھوڑ دو گے؟ کیا تمہارے اندر اتنا دم ہے؟ کیا پچاس ہزار روپے تم لاسکتے ہو؟ کیا تمہاری موٹی عقل میں یہ بات ابھی نہیں آئی کہ یہ گھر، یہ پلاٹ، یہ سب میری بیٹی کا ہے۔ ہم چاہیں تو ابھی تمہیں یہاں سے نکال سکتے ہیں۔"

رخسانہ نے چیخ کر کہا "امی! آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں؟ آپ میرے شوہر کی توہین کر رہی ہیں۔ کیا میں آپ کی بچی ہو کر سمجھاؤں کہ میاں بیوی کے درمیان نفرت اور تفرقہ پیدا ہونے والی بات نہیں کرنی چاہیے۔"

جانی نے پاؤں پٹخ کر کہا "تم بکواس نہ کرو۔ اپنی ماں اور باپ کے ساتھ مل کر اب یہ نیا ڈراما نہ کرو۔ شوہر پرستی دکھا رہی ہو۔ میں سب سمجھتا ہوں۔ جب تم میری توہین برداشت نہیں کرسکتیں تو ان ساری چیزوں کو کیوں اپنے نام لکھوایا تھا کیوں مہر کی رقم پچاس ہزار رکھوائی۔ تم سب لوگ ڈرامے باز ہو۔ میں اس گھر سے ابھی چلا جاؤں گا۔ بے شک یہ میرا گھر نہیں ہے۔"

وہ پلٹ کر باہر جانے لگا۔ رخسانہ نے چیخ کر آواز دی "رک جاؤ جانی! پہلے میری بات سن لو۔"

وہ دروازے سے پلٹ کر بولا "میں تمہاری کوئی بات نہیں سننا چاہتا مگر جانے سے پہلے میں یہ کہہ دوں کہ میں بے وقوف نہیں ہوا۔ اس شہر کے ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک ٹیکسی چلاتا رہتا ہوں۔ تمہارے جیسے کتنے ہی مکاروں کو دیکھتا اور سنتا رہتا ہوں۔ میں اس بات کا فیصلہ کیے بغیر نہیں رہوں گا کہ میرے ساتھ دھوکا کیوں کیا گیا ہے اور میری محبت کو کہاں چھپا کر رکھا گیا ہے۔ میرا نام بادشاہ جانی ہے۔ میں تم لوگوں کی

زبان سے سچائی اگلوا کر رہوں گا۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے چلتا ہوا مکان سے باہر آیا۔ مکان کے احاطے میں اس کی ایک ٹیکسی کھڑی ہوئی تھی۔ دوسری ٹیکسی کو اس نے باہر ہی روکا ہوا تھا۔ اس نے اپنی دوسری ٹیکسی کو بھی اسٹارٹ کر کے مکان کے احاطے کے باہر لا کھڑا کیا پھر اس احاطے کے پاس کھڑے ہو کر مکان کی طرف گھونسا دکھاتے ہوئے بولا "باہر آکر دیکھو، میں تمہارے احاطے سے باہر ہوں۔ یہ دونوں ٹیکسیاں تمہاری جائداد نہیں ہیں۔ تمہارے نام سے نہیں خریدی گئی ہیں۔ اس لیے میں نے انہیں باہر رکھ لیا ہے۔ اب میں یہاں رات گزاروں گا۔ تم لوگ صبح تک فیصلہ کر لو کہ سچی بات بتاؤ گے یا نہیں، نہیں بتاؤ گے تو میں کل شام تک یہ دونوں ٹیکسیاں بیچ کر پچاس ہزار روپے لا کر تمہاری بیٹی کے منہ پر پھینکوں گا اور تمہاری بیٹی کو طلاق دے دوں گا۔"

وہ دروازہ کھول کر ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر آیا اور ایک زوردار آواز کے ساتھ دروازے کو بند کر دیا تاکہ وہ آواز کمرے تک پہنچ جائے اور وہ سمجھ لیں کہ جانی پچھلی سیٹ پر صبح کرنے لیے سو رہا ہے۔

وہ پچھلی سیٹ پر لیٹ گیا پھر وقفے وقفے سے ادھر ادھر پہلو بدلنے لگا۔ نیند آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ایک تو غصہ، دوسرے اپنی حماقت پن پر کڑھ رہا تھا کہ اس نے اپنا پلاٹ اور مکان وغیرہ کیوں رخسانہ کے نام لکھ دیا تھا اور مستری چاچا کے منع کرنے کے باوجود پچاس ہزار مہر کی رقم کیوں لکھوائی تھی۔

وہ کروٹیں بدلتا رہا پھر اسے رخسانہ کی یاد آئی۔ وہ ہر رات اس کے سر کو سہلاتے ہوئے اسے سلاتے ہوئے کہتی تھی "جانی تم میرے عادی ہو چکے ہو۔ تم میرے بغیر نہیں سو سکو گے۔"

وہ غصے سے اٹھ کر بیٹھ گیا پھر دروازہ کھول کر باہر نکلا اور مکان کی طرف دیکھ کر چلاتے ہوئے بولا "اے! تم یہ نہ سمجھنا کہ میں تمہارے بغیر سو نہیں سکوں گا۔ میں سو رہا ہوں۔"

وہ پلٹ کر پرانی ٹیکسی کے پاس آیا پھر پلٹ کر بولا "نہیں، میں سوچکا ہوں۔"
یہ کہہ کر وہ پچھلی سیٹ پر آگیا۔ دروازے کو بند کر کے پھر لیٹ گیا۔ تب اسے اپنی

غلطی کا احساس ہوا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ سوچکا ہے لیکن بھلا سونے والا بولتا کہاں ہے پھر اس نے سوچا چلو غلطی ہو گئی لیکن اب کسی طرح سونا ہی ہوگا نہیں تو اپنی کمزوری ظاہر ہوگی۔

وہ ناراض ہوتا تھا تو رخسانہ اسے مناتی تھی۔ اس کی خوشامدیں کرتی تھی۔ وہ نہ مان کر برآمدے میں چلا آتا تھا تو وہ کمرے سے نکل کر برآمدے میں بھی آجاتی تھیں اور پیچھے سے آکر اس کی گردن میں باہیں ڈال دیتی تھی۔ اس کی قربت ایسی تھی کہ وہ اسے بھول نہیں سکتا تھا۔ چونکہ بھول نہیں سکتا تھا اس لیے اس وقت بھی وہ یاد آرہی تھی۔ اگرچہ اس کا جھوٹ اور فریب غصہ دلاتا تھا مگر اتنے عرصے تک ساتھ گزاری ہوئی زندگی کو بھلایا نہیں جا سکتا تھا۔ خصوصاً سوتے وقت تنہائی میں تو صرف وہی یاد آتی تھی۔

اچانک اسے روشنی محسوس ہوئی۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو مکان کے برآمدے کا بلب روشن ہو گیا تھا اور وہاں رخسانہ دیوار کا سہارا لیے ہوئے کھڑی ہوئی نظر آئی۔ وہ آہستہ آہستہ ڈگمگاتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ برآمدے کی سیڑھیاں اتر کر ٹیکسی کی طرف آرہی تھی۔ وہ ایک دم سے تڑپ گیا۔ زچگی کے بعد اسے بستر سے نہیں اٹھنا چاہیے تھا لیکن وہ اس کے لیے آرہی تھی۔ وہ بھی تو خوشامدیں کرنے اور منانے کی عادی ہو گئی تھی۔ جب تک وہ اپنے شوہر کو منا نہیں لیتی، اس وقت تک سو نہیں سکتی تھی۔ دونوں ہی اپنی اپنی عادتوں سے مجبور تھے۔

وہ برآمدے کے سامنے والے چھوٹے سے باغیچے میں پہنچ گئی تھی۔ بہت آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ شاید اس سے چلا نہیں جا رہا تھا۔ بادشاہ جانی بے چین سا ہو گیا۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ جلدی سے دروازہ کھول کر باہر جائے اور اسے چلنے سے روک دے۔ دونوں بازوؤں میں اٹھا کر اسے کمرے میں پہنچا دے مگر وہ چیخ چیخ کر کہہ چکا تھا کہ وہ سوچکا ہے اس لیے وہ پچھلی سیٹ پر دم سادھ کر لیٹ گیا۔

لیٹنے کے باعث وہ دروازے کے اس پار سے نظر نہیں آرہی تھی لیکن دل جانتا تھا کہ وہ آرہی ہے اور بڑی مشکلوں سے تھوڑا تھوڑا فاصلہ طے کر رہی ہے اور یہ سب اس کے لیے کر رہی ہے۔ یہ سوچ کر اسے اپنی بیوی پر پیار آنے لگا پھر اچانک ہی اسے اپنے پیار پر غصہ آنے لگا۔ یہ بھی کوئی بات ہے۔ ایک پل میں غصہ اور ایک پل میں پیار آنے

لگا- یہ عورت اسے پاگل بنا دے گی۔

اب وہ احاطے کے گیٹ کو پار کر چکی تھی۔ کھڑکی کے پاس نظر آ رہی تھی۔ وہ کسی طرح لڑکھڑاتے ہوئے آگے بڑھی پھر ٹیکسی سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔ وہ چاندنی میں اسے ہانپتے ہوئے دیکھ رہا تھا پھر وہ ہانپتی ہوئی آواز میں بولی "جانی! مجھ سے انجان نہ بنو۔ تم جاگ رہے ہو۔ بچے بھی اتنی جلدی نہیں سو پاتے۔ تم تو بچوں سے بھی زیادہ بچے بن گئے ہو۔ اٹھو جانی دیکھو میں تمہارے لیے کتنی دور سے چل کر آئی ہوں۔"

وہ چپ چاپ لیٹا رہا۔ ٹیکسی کے اندر تاریکی تھی۔ رخسانہ باہر سے دیکھ نہیں سکتی تھی کہ اس کی آنکھیں بند ہیں یا کھلی ہوئی ہیں اور وہ کھلی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ بولی "ہاں میری یہی سزا ہے کہ میں اس حالت میں بھی تمہارے پیچھے پیچھے بھاگتی رہوں۔ دیکھو جانی! ہمارا رشتہ اتنا مضبوط ہے کہ نہ تو طلاق کے بول اسے توڑ سکتے ہیں اور نہ ہی پچاس ہزار روپے۔"

وہ کھڑکی کے اندر ہاتھ ڈال کر اس کے پاؤں پکڑتے ہوئے بولی "اٹھ جاؤ جانی! میرا سر چکرا رہا ہے۔ بڑی کمزوری سی محسوس ہو رہی ہے۔ میں گر پڑوں گی۔ پچاس ہزار کیا چیز ہیں جانی! تم آکر تھام لو۔ مجھے دنیا کی دولت مل جائے گی۔"

بادشاہ جانی کے جی میں آیا کہ فوراً ہی اٹھ جائے اور اسے تھام لے۔ اپنے بازوؤں میں چھپا لے اور اسے اتنا پیار دے، اتنا پیار دے کہ وہ اپنی ساری کمزوری بھول جائے پھر اسے یاد آیا کہ وہ غصے میں ہے اور اتنی جلد موم نہیں ہونا چاہیے۔ نہیں تو عورت سر پر چڑھ جاتی ہے۔

ٹیکسی کا دروازہ کھل گیا۔ اگر وہ اس وقت نہ کھلتا تو شاید وہ گر پڑتی کیونکہ دروازہ کھلتے ہی وہ وہیں سیٹ کے نیچے گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔ نڈھال سی ہو کر اس نے اپنا سر اس کے قدموں میں رکھ دیا تھا۔

تب اس سے برداشت نہ ہو سکا۔ وہ فوراً ہی محبت سے اٹھا مگر غصے سے بولا "کیوں آئی ہو؟ تمہیں ایسی حالت میں، اتنی دور چل کر آنے کے لیے کس نے کہا تھا؟ کیا مرنے کا ارادہ ہے؟؟"

"تم مجھ سے ناراض رہو گے تو مر ہی جاؤں گی۔"

"بس بس، زیادہ بکواس نہ کرو۔ اپنے گھر میں جاؤ۔ تمہیں یہ پلاٹ اور گھر مبارک ہو۔ میرے لیے یہ ٹیکسی کافی ہے۔"

"ایسا نہ کہو جانی! وہ گھر تمہارا ہے، میرا ہے اور سچ پوچھو تو ہم دونوں کا نہیں ہے، یہ سب کچھ ہمارے بچے کا ہے۔ امی نے اگر غصے میں کہہ دیا ہے تو ان کی بات کا برا نہیں ماننا چاہیے۔ تم نے راستے میں انہیں چھوڑ کر جو تکلیف پہنچائی، وہ اس کا رد عمل تھا۔ ویسے وہ دل کی بری نہیں ہیں۔ تم میرے سب کچھ ہو پھر بھلا وہ تمہارا برا کیسے چاہیں گی۔ چلو جانی! اپنے گھر میں چلیں۔"

"میں نہیں جاؤں گا۔ میرے اور تمہارے درمیان میں جھوٹ کی ایک دیوار ہے۔ تمہاری وہی مثال ہے کہ آدمی ایک طرف چوری کرے اور دوسری طرف نماز پڑھے اور سمجھتا رہے کہ اس کا گناہ دھل گیا ہے۔ تم بھی ایک طرف مجھے دھوکا دے رہی ہو اور دوسری طرف اتنی محبت جتا رہی ہو۔ اتنی محبت کر رہی ہو کہ میں تمہاری طرف جھک جاتا ہوں مگر وہ کانٹا چبھتا ہے۔ میں تمہارے دھوکے کو کیسے قبول کر سکتا ہوں؟ اب ہماری دوستی اسی صورت میں ہو گی کہ پہلے تم مجھے رخسانہ کے بارے میں بتاؤ گی۔ نہیں بتاؤ گی تو میں کبھی تمہارے گھر میں قدم نہیں رکھوں گا۔"

"نہیں جانی! اسے میرا گھر مت کہو۔ وہ ہم دونوں کا گھر ہے۔ میں یہ سوچ کر آئی ہوں کہ اب تم سے کچھ نہیں چھپاؤں گی۔ یہ دھوکا، یہ جھوٹ تمہیں غصہ دلاتا ہے اور مجھ سے دور لے جاتا ہے۔ جو چیز تمہیں اور مجھے ایک دوسرے سے دور کرے میں اسے اپنے درمیان قائم نہیں رکھوں گی۔ گھر کے اندر چلو، میں اطمینان سے تمہیں سب کچھ بتا دوں گی۔"

جانی خوش ہو کر وہاں سے اٹھا پھر ٹیکسی سے باہر آ گیا۔ اس نے رخسانہ کو سہارا دے کر کھڑا کیا۔ وہ دونوں مسکرا رہے تھے۔ چاندنی ان کے چہروں پر کھل رہی تھی۔

○☆○

آئینے کے سامنے جاؤ تو آئینہ نظر نہیں آتا، بس ہم نظر آتے ہیں۔ وہ اپنے سامنے اپنے آپ کو دیکھ رہی تھی۔ سر سے پاؤں تک کوئی عیب نہیں تھا۔ اس کا چہرہ بھی آدھا نہیں تھا، پورا تھا۔ وہ چہرہ چپ رہ کر بھی بولتا ہوا نظر آتا تھا۔ سنجیدہ رہ کر مسکراتا ہوا

محسوس ہوتا تھا۔ وہ ایسا چہرہ تھا جو نظروں سے گم ہو کر بھی جانی کو نظر آتا رہتا تھا۔

ٹھیک ہے، آئینے کے سامنے جاؤ تو آئینہ نظر نہیں آتا۔ جو سامنے ہوتا ہے، وہی نظر آتا ہے لیکن وہ آئینے کے سامنے پہنچ کر اپنے آپ کو نہیں دیکھ سکتی تھی۔ جب بھی اپنا چہرہ دیکھنے جاتی، جانی نظر آجاتا تھا۔ جانی کو آئینے سے مٹانا چاہتی تو ٹیکسی نظر آجاتی تھی، پھولوں کی پنکھڑیاں چور جذبوں کی طرح پچھلی سیٹ پر بکھر جاتی تھیں وہ اس کے خیال سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھی، پھر ناکام ہو کر آئینے کے پاس سے ہٹ جاتی تھی۔ کھانے کے لیے بیٹھتی تو کلفٹن کا ریسٹورنٹ یاد آجاتا۔ جانی کی مردانہ وجاہت اور شخصیت نے ایسا اثر چھوڑا تھا کہ کالج کے تمام ساتھی حقیر نظر آتے تھے۔

آج تو حد ہو گئی۔ ایک سال دو مہینے تک اس سے چھپتے رہنے کے بعد اچانک ہی سامنا ہو گیا تھا۔ اگر صدر میں اتنی بھیڑ نہ ہوتی اور رکشا ڈرائیور رکشا کو اپنی دھن میں چلاتا نہ رہتا تو کیا ہوتا؟ جانی آکر اس کی کلائی پکڑ لیتا اور وہ چھڑا نہ سکتی۔ وہ اسے باتیں سناتا اور وہ ایک ٹک اسے دیکھتے ہوئے سنتی رہتی۔ اگر وہ اسے سرِبازار اٹھا کر لے جاتا، تب بھی وہ کچھ نہ کر سکتی۔ اس لمحے اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اس نے رکشا والے کو رکنے کے لیے نہیں کہا تھا صرف اس وجہ سے کہ وہ جانی سے ڈر گئی تھی ورنہ اس کے لیے تو دل پھڑپھڑاتا رہتا تھا اور وہ سوچ کے پر پھڑپھڑا کر اس کے پاس پہنچ جایا کرتی تھی۔

اس وقت بھی وہ جانی کے پاس پہنچی ہوئی تھی۔ کمرے میں گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی لیکن تصور کی آنکھیں روشن تھیں۔ وہ رکشے کے پیچھے دوڑتا ہوا اور اسے پکارتا ہوا نظر آرہا تھا۔ اس کی تڑپ اسے تڑپا رہی تھی۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ لوگوں کی بھیڑ میں وہ کیسے ٹکرا رہا ہے، کیسے گر رہا ہے اور پھر سنبھل رہا ہے اور اسے پکارتا چلا آرہا ہے۔ اس کا مطلب یہی ہوا کہ ایک برس دو مہینے میں وہ اسے بھلا نہیں سکا تھا۔ اسے اس قدر یاد رکھا تھا کہ اسے دیکھتے ہی دیوانہ ہو گیا تھا۔ یہ بھی ہوش نہیں تھا کہ سرِبازار پکارے گا تو خود رسوا ہو گا اور اسے بھی رسوا کرے گا۔ عشق، رسوائی کا مفہوم ہی نہیں سمجھتا۔

اچانک ہی تصور کی آنکھیں اندھی ہو گئیں۔ کمرہ روشن ہو گیا۔ جانی نگاہوں کے سامنے سے بجھ گیا اور اب کمرے کی روشنی میں اسے اپنی امی کا چہرہ نظر آیا۔ وہ سوئچ بورڈ

کے پاس کھڑی ہوئی حیرانی سے پوچھ رہی تھیں "فری! تم کب تک اندھیرے میں بیٹھی رہو گی؟ وہاں مریض عورتیں تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔"

وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے تھکے ہوئے انداز میں کہا "امی! میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ آج ڈسپنسری میں نہیں بیٹھوں گی۔ عورتوں سے کوئی بہانہ کر دیں۔"

"کیسی باتیں کرتی ہو بیٹی! مریضوں کے لیے اپنا مرض بھولنا پڑتا ہے۔ اپنی تکلیف کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ تب ہی تم ڈاکٹر بن کر عملی زندگی گزار سکتی ہو۔ کیا پھر کوئی ایسی ویسی بات ہو گئی ہے جو تمہارے دل اور دماغ کو متاثر کر رہی ہے۔ تم تو ٹھیک ہو چلی تھیں کیا وہ پھر......؟"

فری نے گہری سانس کھینچی پھر ایک طرف سر کو ڈھلکا کر کہا "ہاں امی! وہ پھر....."

"ہائے بیٹی! یہ کیسی نادانی ہے۔ تم نے اسے بھلا دیا تھا۔ اپنے ہاتھوں اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کے بعد اپنے کٹے ہوئے پاؤں کو دیکھو اور دل کو سمجھاؤ کہ تمہارے قدم اب اس کی طرف نہیں جا سکتے۔ تم نے اپنی خوشی سے اپنی خوشیوں کو رخسانہ کی جھولی میں ڈال دیا تھا، اب ماتم کرو گی تو یہ تمہاری حماقت ہو گی۔ اسے یاد نہ کرو بیٹی! یہ روگ بہت برا ہوتا ہے۔"

"امی! یاد کرنے کی بات ہوتی تو میں سچ کہتی ہوں کہ اسے کبھی یاد نہ کرتی۔ آپ یقین کریں کہ وہ خود یاد آتا ہے۔ یاد کی دھوکا بازی تو یہی ہے کہ وہ دھوکے سے چلی آتی ہے۔"

اس نے اپنی امی کو دیکھتے ہوئے کہا "مگر امی آج تو کچھ اور ہی بات ہو گئی۔"

"کیا ہو گیا؟"

"آج وہ یاد نہیں آیا، خود سامنا ہو گیا۔"

"کیا؟" اس کی امی نے چونک کر اپنی بیٹی کو دیکھا پھر آگے بڑھ کر قریب ہی دوسری کرسی پر بیٹھ گئیں اور اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا "کیا آج اس سے سامنا ہو گیا؟"

فری نے اثبات میں سر ہلایا انہوں نے کہا "بیٹی! میں تو پہلے ہی کہتی تھی کہ ایک شہر میں کوئی کسی سے چھپ کر نہیں رہ سکتا۔ آج نہیں تو کل، ایک دن بعد نہ سہی ایک سال

بعد، کبھی تو سامنا ہوگا۔ اسے تو بہت پہلے ہی پتا چل گیا ہوگا کہ دلہن بدل گئی ہے پھر اس سے چھپنے کا فائدہ؟ رخسانہ نے اسے سب کچھ سمجھا دیا ہوگا۔"

"امی! اگر رخسانہ سمجھا دیتی اور وہ سمجھ لیتا تو اتنی بھیڑ میں مجھے دیوانوں کی طرح پکارتے ہوئے میرے پیچھے پیچھے نہ بھاگتا۔ وہ تو خیریت ہوئی کہ رکشے والا تیزی سے رکشا دوڑاتا ہوا مجھے بھیڑ سے نکال کر لے گیا۔ اگر وہ میرے قریب چلا آتا تو میں اس سے کیا کہتی؟ کیسے اس کا سامنا کرتی؟"

"بیٹی! بات بڑھاؤ تو بڑھتی ہے۔ ختم کرنا چاہو تو جلد ہی ختم ہو جاتی ہے۔ میں اگر بادشاہ جانی سے جا کر ملوں اور اس کو سب کچھ بتادوں، پھر اس کے قدموں میں گر کر التجا کروں کہ وہ تمہارا خیال دل سے نکال دے اور تمہارا پیچھا نہ کرے تو....."

فری نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا "تو کچھ نہیں ہوگا۔ امی آپ جانتی ہیں کہ رخسانہ کتنی ذہین اور معاملہ فہم ہے۔ جب وہ جانی کو نہ سمجھا سکی، اس کی شریک حیات ہو کر اس کا دل نہ جیت سکی تو آپ اسے کیا سمجھائیں گی۔ اس کی دیوانگی بتاتی ہے کہ جو لوگ سیدھے سادے، سچے اور کھرے ہوتے ہیں۔ وہ اپنی لگن کے بھی سچے اور پکے ہوتے ہیں۔ اس کی یہ لگن میرے لیے پریشانی کا باعث بن گئی ہے۔"

"فری! میں تمہاری ماں ہوں مگر سہیلی بن کر بھی تمہارے دکھ بانٹ لیتی ہوں۔ تمہیں طرح طرح کے مشورے دیتی ہوں میں، پھر کہتی ہوں کہ ماں بن کر جو مشورہ تمہیں دے رہی ہوں اسے قبول کرو کیونکہ بڑوں کا تجربہ کچھ اور ہوتا ہے۔ تم اگر اب تک شادی کر چکی ہوتیں تو بادشاہ جانی کا خیال کم از کم تمہارے دل اور دماغ سے نکل چکا ہوتا تو وہ باہر سے چاہے جتنی محبت، ہمدردی اور دیوانگی لے کر آئے، اس کا اثر ایسا نہیں ہوتا، جیسا تم پر ہو رہا ہے۔"

فری نے کوئی جواب نہیں دیا، آنکھیں بند کرلیں۔ اس کی امی نے کہا "بیٹی! ہم اس معاملے پر بعد میں بھی غور کر سکتے ہیں اور بحث کر سکتے ہیں۔ دیکھو، مریضوں کو واپس نہ لوٹاؤ۔ ان کے پاس جاؤ۔ ان کے دکھ درد میں شریک رہو گی تو اپنا دکھ ذرا ہلکا ہوگا۔ چلی جاؤ بیٹی۔"

فری نے آنکھیں کھولیں پھر تھکے ہوئے انداز میں کرسی سے اٹھ کر اس کمرے کا

دروازہ کھولتے ہوئے باہر والے کمرے میں چلی گئی جو کہ ڈسپنسری کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ اس کمرے میں ایک میز اور کرسی تھی۔ وہاں وہ بیٹھ کر مریض عورتوں کو دیکھتی تھی۔ ان کے مرض کی تشخیص کرتی تھی۔ نسخے لکھتی تھی۔ وہیں ایک چھوٹا سا کیبن بنا ہوا تھا۔ جس میں ایک لڑکا کمپاؤنڈر کے فرائض انجام دیتا تھا۔ دوسرا کیبن ایک ویٹنگ روم تھا جہاں مریض عورتیں اور بچے اپنی باری کا انتظار کرتے تھے۔

فری کا سارا دھیان صدر ایمپریس مارکیٹ والے راستے پر تھا۔ نگاہوں کے سامنے بادشاہ جانی بھیڑ میں دھکے کھاتا دوڑ رہا تھا اور اس کے رکشے تک پہنچنے میں ناکام ہو رہا تھا۔ فری نے سوچا کہ آج مریض عورتوں اور بچوں کو سرسری طور پر دیکھے۔ کسی کی نبض تھام لے، کسی کو اسٹیتھسکوپ لگا کر دیکھے۔ ان کی تسلی کرے پھر پچھلے دن والا نسخہ دہرا دے تاکہ تشخیص کرنے اور نسخہ لکھنے میں حاضر دماغی کی ضرورت نہ پڑے۔ دماغ اس وقت کسی کام کا نہیں رہا تھا لیکن جب پہلی مریضہ اس کے پاس آئی تو وہ اسے یونہی نہ ٹال سکی۔ وہ بے چاری بری طرح بیمار تھی۔ اس کی صحیح طرح تشخیص کرنے میں اس کا دل لگ گیا۔ یکے بعد دیگرے دوسری مریض عورتیں اور بیمار بچے آتے گئے اور وہ ان میں مصروف ہو گئی۔ اچھا خاصا وقت گزر گیا۔ جب آخری مریضہ رہ گئی تو ڈسپنسری کے باہر سڑک پر کسی گاڑی کے رکنے کی آواز سنائی دی۔ اس نے کمپاؤنڈر سے کہا "ذرا دیکھو تو کون آیا ہے۔"

کمپاؤنڈر نے کیبن کی کھڑکی سے جھانک کر باہر کی طرف دیکھا پھر کہا "ٹیکسی میں کوئی آیا ہے۔"

یہ سنتے ہی فری ایک دم گھبرا گئی۔ فوراً ہی اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی پھر آخری مریضہ سے یہ بولتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھی۔ "بس ابھی آتی ہوں، تم بیٹھی رہو۔"

یہ کہتے ہی وہ دروازہ کھول کر اپنے مکان کے رہائشی حصے میں چلی آئی۔ اس کمرے میں اس کی امی نہیں تھیں۔ وہ وہاں سے گزرتے ہوئے دوسرے کمرے میں پہنچی۔ اس کمرے کے ساتھ ایک کوریڈور تھا۔ اس کے بعد ایک باورچی خانہ تھا۔ وہاں امی مل گئیں۔ انہوں نے پوچھا "کیا بات ہے بیٹی! ساری مریض عورتیں چلی گئیں؟"

"امی! بس ایک رہ گئی ہے مگر وہ باہر ٹیکسی آئی ہے۔"

اس کی امی نے بھی گھبرا کر اس کی طرف دیکھا پھر پوچھا "کیا وہ یہاں تک بھی پہنچ گیا ہے؟"

وہ بولی "پتا نہیں، میں نے دیکھا نہیں ہے۔"

اس کی امی نے اطمینان کی سانس لے کر کہا "بیٹی! تم خود بھی گھبرا جاتی ہو اور مجھے بھی پریشان کر دیتی ہو۔ تمہیں دیکھنا تو چاہیے کہ ٹیکسی میں کون آیا ہے؟ ٹھہرو میں دیکھتی ہوں۔ ذرا ہانڈی کا خیال رکھو سالن نہ جل جائے۔"

یہ کہہ کر وہ باورچی خانے سے نکل آئیں۔ فری چولہے کے پاس آکر کھڑی ہو گئی۔ دیگچی سے ڈھکن ہٹا کر سالن کو دیکھا۔ اس میں چمچ ہلایا۔ ایسا کرتے وقت وہ دماغی طور پر حاضر نہیں تھی۔ باہر کھڑی ہوئی ٹیکسی کو دیکھ رہی تھی۔ وہ ٹیکسی کا دروازہ کھول کر باہر آگیا تھا اور اب اس کی ڈسپنسری کے دروازے پر دستک دیتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "دروازہ کھولو، میں تمہیں تلاش کرتے ہوئے آگیا ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد اس کی امی نے واپس آکر کہا "بیٹی! ڈسپنسری میں جاؤ۔ ٹیکسی میں ایک مریضہ آئی ہے۔ بے چاری کی حالت بہت خراب ہے۔ تم تو خواہ مخواہ گھبرا گئی تھیں۔ وہ بھلا یہاں کیسے پہنچ سکتا ہے۔ وہ اگر آئے گا تو باہر ٹیکسی میں بیٹھا رہے گا۔ تم تو صرف عورتوں اور بچوں کا علاج کرتی ہو۔ تمہارا اس سے یہاں سامنا نہیں ہو گا۔"

وہ مطمئن ہو کر باورچی خانے سے نکلی اور ڈسپنسری کی طرف جانے لگی۔ محبت ایک بار دھوکا بن جائے تو بار بار دھوکا دے کر ڈراتی ہے۔ شہر کی سڑکوں پر دوڑنے والی ہر ٹیکسی کو دیکھ کر یہ گمان ہوتا تھا کہ وہ اس کا محاسبہ کرنے چلا آرہا ہے۔ وہ گھر کی چار دیواری میں بیٹھی رہتی اور باہر سے کسی ٹیکسی کی آواز سنائی دیتی تب بھی ڈر لگتا کہ وہی ٹیکسی آگئی ہے۔

اس نے کسی طرح ڈسپنسری کا کام نمٹا لیا پھر کمپاؤنڈر کو ڈسپنسری بند کرنے کے لیے کہہ کر اپنے کمرے میں آگئی۔ اس کی امی نے کہا "منہ ہاتھ دھو لو، میں کھانا لگا رہی ہوں۔"

"مجھے بالکل بھوک نہیں ہے۔ مجھ سے کھایا نہیں جائے گا۔"

"تمہاری مرضی لیکن یہ تو جانتی ہو نا کہ تمہارے بغیر میں بھی نہیں کھاتی۔ چلو آج ہم دونوں ہی بھوکے سو جائیں گے۔"

"امی! آپ کی محبت کبھی کبھی میرے لیے مصیبت بن جاتی ہے۔ یہ کیا تک ہے، آپ کیوں نہیں کھا لیتیں؟"

"یہی سوال میں تم سے کر سکتی ہوں۔ تم نے یہ روگ کیوں پال رکھا ہے؟ تم ڈاکٹر ہو، دنیا جہاں کی بیماریوں کا علاج کرتی ہو۔ اگر تمہارے پاس اپنی اس بیماری کا علاج نہیں ہے تو میں علاج تجویز کرتی ہوں، اس پر عمل کرو۔"

وہ سر جھکا کر باتھ روم میں چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد منہ ہاتھ دھو کر آئی اور کھانے کے لیے بیٹھ گئی۔ کھانے کے بعد جلد ہی وہ ماں سے رخصت ہو کر اپنے کمرے میں آئی۔ دروازے کو بند کیا پھر تھوڑی دیر تک ایک کرسی پر بیٹھی سوچتی رہی۔ اس کے بعد اپنی چھوٹی سی میز کے پاس آئی۔ وہاں ایک کرسی پر بیٹھ کر اس نے میز کی دراز کھولی۔ اس میں پچھلے سال کی ڈائری رکھی ہوئی تھی۔ اس کی پلاسٹک کی جلد سبز رنگ کی تھی۔ اس ڈائری کو اٹھاتے وقت وہ سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اسے میز پر رکھ کر بے خیالی میں اپنے ایک ہاتھ سے اسے سہلانے لگی۔ جب وقت کچھ دے کر یا کچھ لے کر گزر جاتا ہے، جب کوئی ظالم لمحہ اپنے پیاروں سے جدا کر دیتا ہے اور جب محبت کی آنکھوں میں آنسو خشک ہونے لگتے ہیں اور دل کو ذرا ذرا صبر آنے لگتا ہے۔ تب یہ ڈائری ماتم کا گھر بن جاتی ہے۔ گزرے ہوئے لمحوں کی ایک ایک تصویر دکھاتی ہے۔ آنکھوں کے آنسوؤں کو تازہ کرتی ہے اور دل میں یادوں کے زخم ہرے ہو جاتے ہیں اور یہ ڈائری بھی یہی کر رہی تھی۔

دس برس پہلے جب وہ پندرہ برس کی تھی تب پہلی بار رخسانہ سے ملاقات ہوئی تھی۔ وہ ناظم آباد کے ایک مکان میں رہائش کے لیے آئے تھے۔ وہ مکان اس کے ابو نے خرید لیا تھا۔ وہ اپنے مکان کی کھڑکی سے جھانک کر باہر دیکھنے لگی تو پڑوس میں ایک نہایت ہی حسین لڑکی نظر آئی جو اس کی ہم عمر تھی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ مسکرائیں پھر لڑکی کھڑکی کے قریب آکر بولی "میرا نام رخسانہ ہے۔ کیا تم یہاں نئی آئی ہو؟"

وہ مسکرا کر بولی "ہاں! میرے ابو نے یہ مکان خریدا ہے۔ میرا نام فرزانہ ہے۔ ابو اور امی پیار سے مجھے فری کہتے ہیں۔"

وہ مسکرا کر بولی "تم بڑی پیاری ہو۔ میں بھی تمہیں فری کہوں گی۔"

فری نے کہا "تم بھی تو بہت پیاری ہو۔ میں تم سے دوستی ضرور کروں گی۔"

پھر دونوں میں دوستی ہو گئی۔ وہ نویں جماعت میں پڑھ رہی تھیں۔ اسکول الگ الگ تھے مگر کچھ ہی دنوں میں ایک دوسری کی گہری سہیلیاں بن گئیں۔ یہ فیصلہ کر لیا کہ میٹرک پاس کر لیں تو ایک ہی کالج میں داخلہ لیں گی۔ وہ دونوں رفتہ رفتہ ایک دوسرے کی عادی ہونے لگی تھیں۔ کھانے کے وقت بھی کبھی فری اپنے گھر کا سالن لے کر اس کے یہاں پہنچ جاتی اور اس کے ساتھ کھانے بیٹھ جاتی اور کبھی رخسانہ اپنے گھر کا کھانا لے کر فری کے پاس پہنچ جاتی تھی۔ دونوں ایک ساتھ ہی پڑھنے بیٹھتی تھیں۔ جیسی حسین تھیں ویسی ہی ذہین بھی تھیں۔ اپنی اپنی کلاس میں ٹاپ پر رہتی تھیں وہ نویں سے دسویں کلاس میں آئیں اور دبے قدموں جوانی کی سرحد میں پہنچ گئیں۔

انہیں پتا نہ چلا کہ وہ کیسے رفتہ رفتہ جوان ہوئیں لیکن جب ان کی دنیا بدلنے لگی، آس پاس کا ماحول پہلے سے زیادہ رنگین اور پر فضا دکھائی دینے لگا تو کبھی کبھی سرگوشیاں کرنے لگیں۔ منہ دبا کر ہنسنے لگیں۔ رات کو پڑھتے پڑھتے ایک ہی بستر پر سو جایا کرتی تھیں۔ بڑی رات تک دونوں میں کھسر پھسر باتیں ہوتی رہتی تھیں۔ کبھی رخسانہ کی ماں دوسرے کمرے سے آواز دیتی۔ یہ تم اتنی رات تک کیوں جاگتی رہتی ہو؟ چلو اب منہ دبا کر سو جاؤ۔ کبھی فرزانہ کی ماں صبح اٹھ کر کہتیں یہ دن چڑھے تک کیوں سوتی رہتی ہو؟ جلدی اٹھنے کی عادت ڈالو، صبح اٹھ کر پڑھا کرو۔

مگر صبح ان سے اٹھا نہیں جاتا تھا۔ انگڑائیوں پر انگڑائیاں آتی تھیں۔ اب وہ اتنی اونچی پوری ہو گئی تھیں کہ انگڑائی کے لیے اٹھنے والے ہاتھ طاق تک پہنچ جاتے تھے۔ کبھی رخسانہ کی ماں کہتی تھی "ان لڑکیوں نے میڈیکل میں داخلہ لیا ہے۔ اگر کچھ اور پڑھائی پڑھتیں تو میں رخسانہ کی ضرور شادی کر دیتی۔"

فرزانہ کی امی کہتیں "ہاں بہن! اب تو مجبوری ہے۔ ان لوگوں کے ڈاکٹر بننے کا انتظار کرنا ہو گا۔"

رخسانہ اور فرزانہ تنہائی میں کبھی کبھی ایک دوسرے کو دیکھ کر اداس ہو جاتی تھیں اور ایک دوسرے سے پوچھتی تھیں "کیا ہم شادی کے بعد بچھڑ جائیں گے؟ اپنے اپنے گھر کی ہو جائیں گے۔ ہمارے گھر کہاں ہوں گے؟ کتنی دور ہوں گے؟ ایک ہی بستی میں ہوں گے یا ایک ہی شہر میں ہوں گے؟ یا ایک یہاں رہے گی اور دوسری کو کوئی سمندر پار

لے جائے گا؟"

دونوں نے فیصلہ کیا کہ شادی کے لیے باقاعدہ منصوبہ بنائیں گی۔ اپنے اپنے لیے ایسے جیون ساتھی تلاش کریں گی جو ایک ہی محلے اور ایک ہی پڑوس میں رہتے ہوں تاکہ وہ شادی کے بعد ایک دوسرے کی پڑوسنیں بن کر رہ سکیں۔ دونوں سہیلیوں میں صرف خوبیاں ہی نہیں تھیں انسانی خامیاں بھی تھیں۔ رخسانہ ذرا مغرور تھی۔ وہ اکثر فخر سے کہتی تھی "میرے لیے تو رشتوں کی لائن لگی رہتی ہے۔ گھر سے باہر نکلو تو محلے میں، سڑکوں پر اور کالج میں، جسے دیکھو وہی مجھے دیکھتا رہتا ہے۔"

بے شک وہ فرزانہ کے مقابلے میں کچھ زیادہ حسین تھی مگر فرزانہ اس کے مقابلے میں کچھ زیادہ ذہین تھی۔ فرزانہ کے حسن میں سادگی تھی۔ مشرقیت تھی۔ اس کے حسن میں دھیمی دھیمی سی آنچ تھی جو دیکھنے والوں کو گرماتی تھی۔ رخسانہ شعلہ تھی۔ دیکھنے والوں کو جلا کر رکھ دیتی تھی۔

فرزانہ کو رخسانہ کا یہ غرور پسند نہیں تھا۔ جب وہ بڑھ چڑھ کر اپنے بارے میں کچھ بولتی تو فرزانہ بھی اس سے پیچھے نہیں رہتی تھی۔ اپنی تعریف میں بھی کچھ نہ کچھ ضرور بولتی تھی۔ اس طرح دونوں سہیلیوں میں کبھی کبھی ناراضگی ہو جاتی تھی۔ وہ ایک دوسرے سے روٹھ جاتی تھیں مگر جلد ہی ایک دوسرے کو منا بھی لیتی تھیں۔

ایک بار یوں ہوا کہ کالج کے پتے پر انہیں ایک خط موصول ہوا۔ کالج کے ہی کسی شریر اسٹوڈنٹ نے خط لکھا تھا۔

"اے پیاری سہیلیو! تم میں سے ایک شعلہ ہے ایک شبنم ہے۔ ایک حسن سے مالا مال ہے۔ دوسری حسین اداؤں سے بھرپور ہے۔ میں تم میں سے ایک کا دیوانہ ہوں۔ بھلا بتاؤ تو، کس نے مجھے دیوانہ بنایا ہے؟"

وہ دونوں ایسی چھچھوری نہیں تھیں کہ اس خط سے متاثر ہو جاتیں اور اپنے آپ پر اترانے لگتیں۔ انہوں نے اس خط کو کوئی اہمیت نہیں دی لیکن وہ خط ایک بارودی سرنگ کی طرح تھا جو ان کے لاشعور میں آہستہ آہستہ بارود کی طرح جلتا جا رہا تھا، ایک طرف رخسانہ فخر سے سوچ رہی تھی۔ وہ لکھنے والا بھلا اور کس کا دیوانہ ہو گا؟ میرے ہی متعلق اس نے لکھا ہے۔ دوسری طرف فرزانہ خود کو کمتر نہیں سمجھتی تھی، اس خط کو اپنی ذات

سے منسوب کر رہی تھی۔ وہ دونوں اس لکھنے والے کے عشق میں مبتلا نہیں تھیں اور نہ ہی اس لکھنے والے کو کوئی اہمیت دے رہی تھیں لیکن اس خط نے عورت والے حسد اور جلاپے کو دونوں سہیلیوں کے درمیان سلگا دیا تھا۔

رخسانہ نے وہ خط فرزانہ کو دیتے ہوئے کہا "اونہہ! یہ لڑکے مجھے چھیڑنے سے باز نہیں آتے۔"

فرزانہ نے اس کے ہاتھ سے خط لینے کے بعد اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرتے ہوئے کہا "جو مجھے چھیڑتا ہے میں اس کے ایسے ہی ٹکڑے کر دیتی ہوں۔"

رخسانہ نے کہا "اس نے مجھے چھیڑا ہے۔"

فرزانہ نے ہنستے ہوئے کہا "دونوں کو چھیڑا ہے۔ وہ اس کالج کے احاطے میں کہیں بھی کھڑا ہو کر دیکھ رہا ہو گا تو اسے جواب میری طرف سے مل گیا ہے۔ وہ مجھے خط پھاڑتے ہوئے دیکھ رہا ہو گا۔"

"جواب میں بھی دے سکتی ہوں۔" یہ کہتے ہوئے رخسانہ نے اس کے ہاتھ سے پھٹے ہوئے خط کو چھین لیا پھر اسے اور پھاڑتے ہوئے بولی "اب تو وہ مجھے بھی دیکھ رہا ہو گا نا؟"

بات آئی گئی ہو گئی لیکن ان دونوں کو چپ لگ گئی۔ وہ گھر پہنچ کر ایک دوسرے سے ذرا کھنچی کھنچی سی رہیں۔ دونوں کے دماغ میں ایک ہی تجسس تھا۔ ایک ہی بے چینی تھی۔ وہ دل میں سوچتی تھیں کہ خط لکھنے والے پر ہزار بار لعنت لیکن اس نے کسے لکھا تھا۔ مجھے لکھا تھا؟

دوسری بھی یہی سوچتی تھی۔ مجھے لکھا تھا مگر میں اس لکھنے والے پر تھوکنا بھی پسند نہیں کرتی۔

دونوں کے درمیان ایک خاموش جنگ جاری تھی۔ پھر انہی دنوں فرزانہ کے والد کا انتقال ہو گیا۔ ان پر جیسے قیامت ٹوٹ پڑی۔ گھر کا سرپرست دنیا سے اٹھ گیا تھا۔ رخسانہ نے بے نام سی لڑائی کو بھول کر فرزانہ کو گلے لگا لیا۔ اسے تسلیاں دیں۔ اسے محبت دی۔ رخسانہ کی امی نے فرزانہ کی امی کو حوصلہ دیا مگر صرف حوصلے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اب یہ مسئلہ سامنے آگیا تھا کہ ڈاؤ میڈیکل کالج کی مہنگی پڑھائی فرزانہ جاری رکھ سکے گی یا نہیں؟ فرزانہ کے ابو ایک پرائیویٹ فرم میں ملازم تھے۔ موت کے بعد اس ملازمت سے

کچھ نہ ملا۔ البتہ ان کی پچیس ہزار روپے کی بیمہ پالیسی تھی۔ وہ رقم مل گئی لیکن اتنی سی رقم کب تک ساتھ دے سکتی تھی۔ رخسانہ کی امی ایک اسکول میں ٹیچر تھیں۔ انہوں نے اسی اسکول میں فرزانہ کی امی کو بھی کام سے لگا دیا۔ وہ بھی لڑکیوں کو پڑھانے لگیں۔ اس طرح ماہانہ آمدنی کا ذریعہ نکل آیا۔ فرزانہ کی تعلیم کسی طرح جاری رہی۔

میڈیکل کا دوسرا سال شروع ہوا تو رخسانہ کو ویسا ہی ایک شرارتی خط ملا جس میں لکھا تھا۔

"میں تمہارا دیوانہ ہوں۔ تمہارے بغیر چین سے نہیں رہ سکتا۔ سوتے جاگتے تمہاری صورت دیکھتا ہوں۔ کیا تم میری محبت کا جواب محبت سے دو گی؟"

رخسانہ کو وہ خط پڑھ کر غصہ آیا۔ وہ ایسا چھچھورا پن پسند نہیں کرتی تھی لیکن اس نے خط اپنی کاپی میں رکھ لیا پھر کلاس میں بیٹھی ہوئی فرزانہ کے پاس جا کر وہ خط اسے دکھایا۔ فرزانہ نے وہ خط پڑھ کر اسے واپس کرتے ہوئے کہا "اس خط کو پھاڑ کر پھینک دو۔ ایسے لوگوں کی حوصلہ افزائی نہیں کرنی چاہیے۔"

رخسانہ نے اسی وقت مسکراتے ہوئے فاتحانہ انداز میں اس خط کو پھاڑ دیا۔ ایک گھنٹے بعد وہ دونوں دوسرے طلبا اور طالبات کے ساتھ مردہ خانے میں گئیں وہاں لاشوں کو دیکھتی رہیں۔ ان کی کلاس لینے والے ایک ڈاکٹر نے کہا کہ کل ڈس سکشن کی کلاس ہو گی۔ وہ کلاس اٹینڈ کرنے کے لیے جن طلبا اور طالبات کی فہرست بنائی گئی تھی ان میں فرزانہ اور رخسانہ کا نام بھی شامل تھا۔

مردہ خانے سے واپسی پر رخسانہ کا سر بھاری ہو رہا تھا۔ لاشوں کو دیکھنے کے بعد عجیب سی طبیعت ہو گئی تھی۔ فرزانہ نے کہا "تم تو ابھی سے گھبرا رہی ہو۔ کل جب کسی لاش کو چیرنا پھاڑنا ہو گا تب کیا ہو گا؟ ڈاکٹر بننا ہے تو ایسے کام کرنے ہی ہوں گے۔ تم یہیں بیٹھو۔ میں تمہارے لیے کینٹین سے کوک لے کر آتی ہوں۔"

وہ اپنی کتاب اور کاپی ساتھ والی میز پر رکھ کر کینٹین کی طرف چلی گئی۔ دس منٹ میں ہی وہ ایک ٹھنڈی بوتل لے آئی رخسانہ اس کے ہاتھ سے بوتل لے کر پینے لگی۔ اسی وقت فرزانہ کی نظر اپنی کتاب اور کاپی کی طرف گئی۔ کاپی سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ جھانک رہا تھا۔ اس نے اسے فوراً ہی کاپی سے کھینچ کر دیکھا اور پھر اسے کھول کر پڑھا۔

"ڈیئر فری! میں آتشی حسن کا نہیں شبنمی حسن کا دیوانہ ہوں۔ کیا تم میری محبت کا جواب محبت سے دوگی۔"

یہ پڑھتے ہی فرزانہ نے وہ کاغذ رخسانہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "دیکھو! اس بدمعاش لڑکے نے مجھے بھی خط لکھا ہے۔"

رخسانہ نے وہ کاغذ لے کر پڑھا پھر اسے مٹھی میں بھینچ کر فرزانہ کو دیکھتے ہوئے بولی "تم احساس کمتری میں مبتلا کیوں ہو جاتی ہو؟ ابھی دو گھنٹے پہلے میں نے تمہیں وہ خط دکھایا تو تم نے جواب میں یہ خط پیش کر دیا۔ سچ سچ بتاؤ۔ کیا یہ خط تم نے کسی سے لکھوایا نہیں ہے؟"

فرزانہ نے کہا "کیسی بات کرتی ہو رخسانہ؟ کیا میں اس بات کی پبلسٹی کرتی پھرتی ہوں کہ لوگ مجھے خط لکھتے ہیں۔ کیا تم مجھ سے ایسی سستی حرکتوں کی توقع کرتی ہو؟"

"میں خوب سمجھتی ہوں۔ تم میری کاٹ کرنا چاہتی ہو۔ یہ ثابت کرنا چاہتی ہو کہ میں تم سے کم تر ہوں۔ تم ایک ایسی روشن شمع ہو جس کے چاروں طرف پروانے دیوانہ وار چکر لگاتے رہتے ہیں۔"

"تم بکواس کر رہی ہو۔ اگر میں نے خود لکھا ہے یا کسی سے لکھوایا ہے تو کب لکھوایا ہے؟ میں تو تمہارے ساتھ ساتھ ہوں۔ صرف دس یا پندرہ منٹ کے لیے کینٹین تک گئی تھی اور وہاں سے تمہارے لیے بوتل لے کر واپس آئی ہوں۔ اس وقت تم یہاں سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھیں۔ میری کتاب اور کاپی کی طرف توجہ نہیں دے رہی ہوگی۔ ہو سکتا ہے کسی نے موقع پا کر یہ کاغذ رکھ دیا ہو لیکن میں یہ وضاحت کیوں کر رہی ہوں؟ کیا تم میری اماں لگتی ہو؟ کیا تم اپنے وقت کی قلوپطرہ ہو کہ میں تمہارے سامنے احساس کمتری میں مبتلا ہو جاؤں۔"

"اصل بات یہی ہے کہ تم میرے سامنے احساس کمتری میں مبتلا رہتی ہو۔"

فری نے "اونہہ" کہا پھر اس نے اپنی کتاب اور کاپی اٹھائی اور اس کے پاس سے دور چلی گئی۔ اس کے بعد وہ دونوں ایک دوسرے سے دور رہیں۔ کالج کی بس میں بیٹھ کر جاتے وقت وہ الگ الگ سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ گھر پہنچنے کے بعد بھی شام تک وہ ایک دوسرے سے نہیں بولیں۔ ان کی ماؤں نے سمجھ لیا کہ دونوں سہیلیوں نے پھر جھگڑا کیا ہے

لیکن انہوں نے ان کی صلح نہیں کرائی۔ وہ جانتی تھیں کہ وہ ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتیں پھر مل بیٹھیں گی۔ رات کو کھانے کا وقت ہوا تو رخسانہ اپنے گھر سے سالن لے کر فری کے پاس آگئی، پھر بولی "چلو بہت غصہ دکھا لیا۔ آؤ کھانا کھا لیں۔"

فری نے کہا "میں نہیں کھاؤں گی۔ مجھے بھوک نہیں ہے۔ جاؤ تم اپنے گھر میں کھا لو۔"

"کیوں جاؤں؟ کیا یہ میرا گھر نہیں ہے؟ زیادہ نخرے نہ دکھاؤ....."

لیکن وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ وہاں بھی رخسانہ نے آ کر اسے منایا لیکن فری اس کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔ تب رخسانہ لال رنگ کے مارکر سے اپنے چہرے کو بگاڑنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا "اگر تم مجھ سے ناراض ہو تو میں چلی جاؤں گی۔ ایک نظر اٹھا کر مجھے دیکھ لو۔"

"میں تمہیں دیکھنا بھی نہیں چاہتی۔ تم بہت مغرور ہو۔"

"تم دیکھو تو سہی۔ میں نے اپنا غرور ختم کر دیا ہے۔"

فری نے نظریں اٹھا کر دیکھا تو چونک گئی۔ اس کے چہرے پر لال رنگ کے نشانات ایسے بنے ہوئے تھے کہ وہ کارٹون بن گئی تھی۔ اسے دیکھتے ہی فری کو ہنسی آ گئی۔ وہ آگے بڑھ کر اس سے لپٹ گئی۔ رخسانہ نے اسے گلے لگاتے ہوئے کہا "اچھا بابا! سمجھ گئی، میرا چہرہ بگڑا ہوا رہے تو تجھے خوشی ہوتی ہے۔ اللہ کرے میرا چہرہ ہی بگڑ جائے مگر تو مجھ سے نہ بگڑے۔"

فری نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا "کیوں منحوس باتیں کرتی ہو؟ چلو بھوک لگ رہی ہے۔"

وہ دونوں کھانے کی میز پر آ گئیں۔

دوسرے دن کالج میں طلبا و طالبات چپ چپ سے تھے کیونکہ آج انہیں ایک لاش کے ساتھ وقت گزارنا تھا۔ وہ لوگ ڈریسنگ روم میں آئے، وہاں ان لوگوں نے اپنے لباس کے اوپر ایپرن پہنی۔ چہرے پر نقاب چڑھائی۔ ہاتھوں پر ربر کے پتلے دستانے پہنے پھر اس ہال میں پہنچے جہاں ایک میز پر ایک لاش پڑی ہوئی تھی اور وہ سر سے پاؤں تک چادر کے پیچھے چھپی ہوئی تھی۔ اس لاش کے دونوں طرف دو ٹرالیاں رکھی ہوئی تھیں جن پر

آپریشن سے متعلق اوزار رکھے ہوئے تھے۔ چھوٹے سے ہال میں یوں تو بلب روشن تھے لیکن لاش کے اوپر ایک ہیڈ لائٹ بھی تھی جو اس وقت روشن نہیں تھی۔ تمام طالب علم ایک ایک کر کے اس لاش کے دونوں طرف آ کر کھڑے ہو گئے۔

ان کی رہنمائی کے لیے ایک انسٹرکٹر وہاں موجود تھا۔ پہلے تو اس نے یہ بتایا کہ ٹرالی پر رکھے ہوئے اوزاروں کو کس ترتیب سے رکھنا چاہیے تاکہ ضرورت کے وقت فوراً ہی وہ اوزار اپنی دسترس میں ہوں پھر اس نے طلبا اور طالبات کی دو ٹیمیں بنا دیں۔ ایک ٹیم کا کام یہ تھا کہ وہ لاش کو ڈس سیکٹ کرتی اور انسٹرکٹر کی ہدایات کے مطابق اس لاش کو چیر کر اور کاٹ کر اس سے عملی سبق حاصل کرتی۔ دوسری ٹیم کا کام یہ تھا کہ وہ لاش چیرنے والوں کو اوزار سپلائی کرتی۔ جس وقت جو اوزار طلب کیا جاتا اس ٹیم کے ارکان کے ذریعے وہ فوراً ہی ان کے ہاتھوں تک پہنچا دیا جاتا۔ ان ابتدائی مراحل سے گزرنے کے بعد' انسٹرکٹر کے حکم سے ہیڈ لائٹ روشن کر دی گئی۔ اب لاش کے اوپر بھرپور روشنی تھی۔ اس کے بعد اس کے اوپر سے چادر ہٹا دی گئی۔ چادر ہٹی تو کتنے ہی لڑکے اور لڑکیاں سہم کر ایک دم ساکت ہو گئے۔ فرزانہ نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے رخسانہ کے بازو کو تھام لیا۔ وہ لاش آنکھیں کھولے انہیں دیکھ رہی تھی۔

انسان مرتے وقت آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ اگر آنکھیں بند نہ کر سکے تو اس کے قریب رہنے والے مرنے کے بعد اس کی آنکھیں بند کر دیتے ہیں مگر کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی آنکھوں کو بند کرنے والا کوئی نہیں ہوتا یا پھر بقول شاعر وہ وعدے کے پابند ہوتے ہیں۔

فاضل نے بعد مرگ بھی رکھا وفا کا پاس
آنکھیں کھلی ہوئی تھیں ترے انتظار میں

رخسانہ آگے بڑھ گئی اور فرزانہ ٹرالی کے پاس کھڑی رہی کیونکہ رخسانہ اس ٹیم میں تھی جو لاش کو ڈس سیکٹ کر رہی تھی۔ فرزانہ دوسروں کے ساتھ اس ٹیم میں تھی جو اوزار سپلائی کرنے پر مامور تھے اور عملی اناٹومی کو آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور سیکھ رہے تھے۔

ڈس سیکشن کی ابتدا اکثر لاش کے سینے پر دل کے قریب سے ہوتی ہے۔ جب یہ

ابتداء ہوئی تو ایک لڑکی کا سر چکرا گیا۔ اس نے اپنے قریب کھڑے ہوئے ایک ساتھی کو تھام لیا اور کہا "میں باہر جاؤں گی۔"

اس کا ساتھی اسے تھام کر باہر لے گیا پھر وہ بھی واپس نہیں آیا۔ شاید وہ بھی کچھ پریشان ہو گیا تھا۔

ڈس سیکشن کا عمل جاری رہا۔ کس طرح جاری رہا' یہ وہی عمل کرنے والے سمجھ رہے تھے۔ رخسانہ اور فرزانہ کی تو یہ حالت تھی کہ وہ لاش پر ہونے والے عمل کو دیکھ تو رہی تھیں لیکن لاش کے چہرے پر نظر نہیں ڈالتی تھیں' اس کے چہرے سے نظریں چرا رہی تھیں۔ معلوم نہیں کیوں لاش کی کھلی ہوئی آنکھیں دیکھ کر یوں لگتا ہے جیسے وہ ابھی ان کے درمیان اٹھ بیٹھے گی۔

رخسانہ ذرا دلیر تھی۔ فرزانہ اتنی دلیر نہیں تھی۔ ان حالات میں ڈر جاتی تھی۔ یوں تو کبھی گھر میں تنہا رہنا پڑ جاتا تو وہ اپنی امی کے بغیر دن رات گزار لیا کرتی تھی لیکن ایسے کمرے میں جہاں ایک لاش رکھی ہو' وہاں تو وہ کبھی تنہا نہیں رہ سکتی تھی۔ اگرچہ اس وقت وہ تنہا نہیں تھی مگر کبھی کبھی اس کے دماغ میں یہ بات آئی تھی کہ اچانک بجلی فیل ہو جائے اور اندھیرا چھا جائے تو کیا ہو گا؟ کیا وہ لاش اندھیرے میں اٹھ کر بیٹھ جائے گی۔

وہ گھبرا کر دروازے کی طرف دیکھنے لگتی تھی۔ جہاں کھڑی ہوئی تھی وہاں سے دروازے کا فاصلہ ذہن نشین کر رہی تھی تاکہ اچانک اندھیرا ہو تو وہ کسی طرح وہاں سے بھاگتی ہوئی اس ہال سے باہر نکل جائے گی۔ ڈاکٹر بننے والی سبھی لڑکیاں دلیر نہیں ہوتیں۔ کچھ فرزانہ کی طرح بزدل بھی ہوتی ہیں لیکن اپنی بزدلی کو چھپائے رکھتی ہیں جس طرح فرزانہ نے چھپایا ہوا تھا اور بڑے حوصلے کا اظہار کرتی ہوئی وہاں ڈس سیکشن کے لیے آ گئی تھی۔ اس کلاس کو اٹینڈ کر رہی تھی۔

خدا خدا کر کے ڈس سیکشن کا عمل ختم ہوا۔ لاش کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ اس کے کسی بھی ٹکڑے کو ہال کے باہر نہیں لے جایا جاتا۔ اس لیے ان سب کو تیزاب میں گلا دیا جاتا ہے۔ وہاں بڑے بڑے پیالے اور تیزاب کی بوتلیں لا کر طلبا اور طالبات کے پاس رکھ دی گئی تھیں تاکہ وہ آخری مرحلے سے گزریں۔ فرزانہ تیزاب کی بوتل کھول کر پیالے میں تیزاب انڈیلنے لگی۔ اس کے دائیں طرف ایک لڑکا کھڑا ہوا تھا۔ بائیں طرف

رخسانہ تھی جہاں پیالا رکھا ہوا تھا۔ وہیں لاش کا ہاتھ بھی تھا۔ وہ آہستہ آہستہ تیزاب انڈیل رہی تھی اور اس ہاتھ کو بھی دیکھ رہی تھی۔ اس کے بازو میں کھڑے لڑکے نے پتا نہیں لاش کو کس طرح ہاتھ لگایا' یا کوئی حرکت کی کہ لاش کا ہاتھ ذرا ادھر ادھر ہل گیا۔ فرزانہ کی سمجھ میں یہی آیا کہ لاش حرکت کر رہی ہے اور اب اٹھ کر بیٹھنے والی ہے۔ اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ مارے دہشت کے تیزاب کی بوتل اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر پیالے پر گری تو اس پیالے کا تیزاب ایک دم سے اچھل کر رخسانہ کے چہرے کی طرف آیا۔ اس کے ساتھ ہی رخسانہ کی چیخیں ہال میں گونجنے لگیں۔ فرزانہ تیزاب سے محفوظ رہی تھی کیونکہ وہ ہاتھ کے ہلتے ہی بوتل کو پیالے میں چھوڑ کر ایک دم سے پیچھے ہٹ گئی تھی اور بھاگتے ہوئے دروازے کی طرف جا رہی تھی۔ وہ اکیلی نہیں تھی۔ جو طلبا اور طالبات پہلے سے دہشت زدہ تھے۔ وہ بھی اس کے پیچھے بھاگتے چلے گئے۔ اس وقت کسی نے یہ نہیں دیکھا کہ رخسانہ پر کیا گزر رہی ہے۔

وہ فرش پر تڑپ رہی تھی۔ انسٹرکٹر اور دو لڑکے جو خاصے دلیر تھے۔ وہ اس کی طرف بڑھے۔ انہوں نے اسے سنبھالا تاکہ یہ جان سکیں کہ تیزاب سے کیا حادثہ پیش آیا ہے۔ انہوں نے فوراً ہی رخسانہ کے چہرے سے نقاب کو کھول دیا۔ اس کا آدھا چہرہ متاثر ہوا تھا۔ گردن اور شانے پر بھی تیزاب کے چھینٹے پڑے تھے۔ وہ اسے فوراً ہی اٹھا کر ہال سے باہر لے گئے اور دوسرے کمرے میں لے جا کر فوری طبی امداد پہنچانے لگے۔

وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔ اپنا چہرہ نہیں دیکھ سکتی تھی لیکن کالج کے تمام طلبا اور طالبات آ کر اس کے چہرے کو دیکھ رہے تھے اور افسوس کرنے کے ساتھ ساتھ منہ پھیر رہے تھے اس لیے کہ وہ آدھا چہرہ دیکھا نہیں جاتا تھا۔ فرزانہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے کیونکہ ہر آنے جانے والا سوال کرتا تھا۔ یہ کیسے ہوا؟ جواب ملتا تھا۔ فرزانہ کے ہاتھ سے بوتل چھوٹ کر پیالے میں گری۔ پیالے کا تیزاب اچھل کر رخسانہ کے چہرے پر آگرا۔

ایسا دانستہ ہوا یا نادانستہ' لیکن فرزانہ مجرم بن گئی تھی۔ اب آنے والا وقت ہی اپنا فیصلہ سناتا کہ حقیقت کیا ہے؟ اور جو حقیقت ہے اسے رخسانہ کے گھر والے تسلیم کریں گے یا نہیں؟ رخسانہ کو اسپتال پہنچا دیا گیا۔ اس کے والد اور والدہ کو خبر کر دی گئی۔

دوسرے رشتے دار بھی اسپتال میں دوڑے چلے آئے۔ جب وہ اسپتال پہنچے تو رخسانہ کو ہوش آچکا تھا۔ دو نرسیں اور وارڈ بوائے اسے پکڑے ہوئے تھے۔ وہ چیخ رہی تھی۔ تڑپ رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ اسے اس کا چہرہ دکھایا جائے اس کے سامنے آئینہ لایا جائے۔

اس کی امی نے اسے دیکھا تو چیخ مار کر اس کے بستر کے پاس گر پڑیں "ہائے! یہ کیا ہو گیا۔ میری بیٹی سے کس نے دشمنی کی ہے کس نے تیزاب پھینکا ہے۔ میں اس کا منہ نوچ لوں گی۔ اس کی صورت بگاڑ دوں گی۔"

فرزانہ ایک طرف کھڑی تھی۔ رخسانہ نے اس کی طرف دیکھا' پھر ہذیانی انداز میں چیختی ہوئی بولی "وہ کمینی کھڑی ہے۔ اس نے میرے منہ پر تیزاب پھینکا ہے۔ یہ مجھ سے جلتی تھی۔ حسد کرتی تھی۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ مجھے چھوڑ دو۔ میں اسے کچا چبا جاؤں گی۔ میں اس کے منہ پر تھوکوں گی' یہ کمینی' حرام زادی ہے۔ میں بھی اس کی صورت بگاڑ دوں گی۔ چھوڑ دو۔ ذرا مجھے اس کے پاس تو جانے دو۔"

وہ چیخ رہی تھی' مچل رہی تھی۔ اپنے ہاتھ پاؤں چھڑا کر بستر سے اٹھنا چاہتی تھی پھر وہ اچانک ہی ساکت ہو گئی۔ اس کا بدن تن گیا پھر وہ ڈھیلی ہو کر بستر پر گر پڑی۔ وہ دوسری بار بے ہوش ہو گئی تھی۔

جب دوبارہ ہوش آیا تو اس کے کمرے میں گہرا سناٹا تھا۔ شاید پورے اسپتال میں سناٹا ہو اور مریض سو رہے ہوں۔ وہ چند لمحوں تک خاموشی سے بستر پر پڑی چھت کو تکتی رہی۔ اس کے بعد آہستہ سے اپنا بایاں ہاتھ اٹھا کر بہت احتیاط سے اپنے چہرے کو چھوا پھر جلدی سے ہاتھ ہٹا لیا۔ اسے تکلیف کا احساس ہوا تھا اور اس کی انگلیوں میں کوئی دوا لگ گئی تھی۔

ان انگلیوں کو دیکھتے ہی اس نے انکار میں سر ہلایا۔ حقیقت سے انکار کہ چہرہ نہیں بگڑا ہے' صحیح سلامت ہے مگر انگلیوں میں لگی ہوئی دوا اس بات کی گواہ تھی کہ چہرہ بگڑ چکا ہے۔ ایک دم سے چیخ مار کر وہ اٹھ بیٹھی پھر اپنے بستر سے اٹھ کر دوڑتے ہوئے چیختے ہوئے' کمرے سے باہر نکل گئی۔ وارڈ بوائے اور نرس نے اسے دوڑ کر پکڑ لیا۔ وہ ایک ہی بات کی رٹ لگائے ہوئے تھی "آئینہ کہاں ہے' مجھے آئینہ دکھاؤ' میں اپنی صورت دیکھنا

چاہتی ہوں۔"

دو بجے کئے وارڈ بوائے اسے دونوں طرف سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے کمرے میں لے آئے۔ وہ ان کے ساتھ آ رہی تھی اور چیختی جا رہی تھی "مجھے آئینہ کیوں نہیں دکھاتے ہو؟ میں اپنی صورت دیکھنا چاہتی ہوں۔ میں اپنی صورت دیکھے بغیر نہیں رہ سکتی۔ میں اپنی صورت دیکھے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ ایک بار مجھے آئینہ دکھا دو' جب دیکھوں گی کہ میری صورت نہیں رہی ہے تو میں بھی نہیں رہوں گی۔ میں اپنی جان دے دوں گی۔"

ڈاکٹر نے کمرے میں آ کر گرجتے ہوئے کہا "خاموش رہو۔ یہ کیا تماشا بنا رکھا ہے۔ یہاں دوسرے مریض بھی ہیں۔ بہت سے دل کے مریض بھی ہیں۔ تمہارے شور مچانے سے ان پر کیا اثر پڑے گا؟ تمہیں اتنی عقل نہیں ہے؟ تم میڈیکل کی طالبہ ہو اور تمہیں دوسرے مریضوں کا احساس تک نہیں ہے۔ اپنے دکھ کے سامنے دوسروں کے دکھ بھول بیٹھی ہو۔"

وہ اپنے آپ کو چھڑانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بولی "مجھے کسی کی پروا نہیں ہے۔ جب اپنا آپ جل رہا ہو' تو میں دوسروں کے جلتے ہوئے گھر کو نہیں دیکھ سکتی۔ میں خود کو دیکھوں گی' مجھے دکھا دو کہ میں کیا ہوں۔"

ڈاکٹر نے سخت لہجے میں کہا "اسے خاموشی سے لٹا دو' اگر اب یہ اٹھے گی یا پاگل پن کرے گی تو اسے پاگل خانے بھیج دیا جائے گا۔ بستر سے اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیے جائیں گے' بولو! تم کیا کہتی ہو۔ سکون سے لیٹی رہو گی یا تمہارے ہاتھ پاؤں باندھ کر منہ پر ٹیپ لگا دیا جائے۔"

وہ بستر پر لیٹ گئی پھر اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر رونا چاہتی تھی کہ خیال آیا' آدھے چہرے پر دوا لگی ہوئی ہے پھر وہ تڑپ کر بولی "یہ کتنا ظلم ہے کہ میں روتے وقت اپنے منہ پر ہاتھ بھی نہیں رکھ سکتی۔"

ڈاکٹر آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے قریب آیا پھر اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بڑی محبت سے بولا "میں ظالم نہیں ہوں مگر تم مجھے سخت بننے پر مجبور کر رہی ہو۔ کیا تم تقدیر سے لڑ سکتی ہو؟ جو ہوا ہے کیا اسے جھٹلا سکو گی کہ نہیں ہوا ہے۔ حالات سے سمجھوتا کرنا پڑتا ہے۔ بڑے صبر اور حوصلے سے کام لینا پڑتا ہے۔ تمہیں کالج سے نکلنے کے بعد اپنے جیسی

کتنی دکھی انسانیت کو دیکھنا ہوگا اور ان کے ساتھ ہمسفر بن کر چلنا ہوگا۔ میں ڈاکٹر بھی ہوں' تمہارا استاد بھی ہوں اور تمہارے باپ کی جگہ بھی ہوں۔ بس ایک آخری اور فیصلہ کن بات تمہیں سمجھاتا ہوں۔ وہ یہ کہ جو کچھ ہو چکا ہے اسے برداشت کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ نہیں برداشت کرو گی تو پاگلوں کی طرح حرکتیں کرتی رہو گی اور اس کا نتیجہ برا ہوگا۔ اچھا کبھی نہیں ہوگا۔"

وہ سر جھکا کر رونے لگی۔ ڈاکٹر نے وارڈ بوائے سے کہا "رخسانہ کے لیے کچھ کھانے کے لیے لاؤ۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی "میں نہیں کھاؤں گی' کچھ نہیں کھاؤں گی' بھوکی مر جاؤں گی۔"

"کوئی بھوکا نہیں مرتا۔ یہ سب جذباتی باتیں ہیں' جنونی باتیں ہیں۔ جنون کم ہو جائے گا' جذبات ٹھنڈے پڑ جائیں گے تو تم کھانے بھی لگو گی' سونے بھی لگو گی۔ اس سے بہتر ہے کہ اپنے استاد' اپنے ڈاکٹر کے مشورے پر عمل کرو۔"

رخسانہ نے بے بسی سے سر اٹھا کر التجا آمیز لہجے میں پوچھا "آپ اتنا بتا دیجیے کیا میں بدصورت ہو گئی ہوں۔"

ڈاکٹر نے ایک گہری سانس لے کر کہا "بدصورتی آئینے میں ہوتی ہے۔ تم آئینہ نہیں دیکھو گی تو سدا خوب صورت رہو گی۔"

"آپ مجھے لفظوں سے بہلا رہے ہیں۔ آپ سچ سچ بتا دیجیے۔ کیا میرا چہرہ اتنا بگڑ گیا ہے کہ اب ٹھیک نہیں ہو سکے گا؟ اگر ٹھیک ہو سکے گا تو کب تک؟"

ڈاکٹر نے ہمدردی سے دیکھا پھر کہا "ہم سارے زخم ٹھیک کر سکتے ہیں' چہرہ ٹھیک نہیں کر سکتے۔ تم میڈیکل کی طالبہ ہو' تم جانتی ہو کہ ایسی حالت میں پلاسٹک سرجری کے ذریعے ہی چہرے کو ٹھیک کیا جا سکتا ہے۔" پھر وہ مایوسی سے سر ہلا کر بولا "اور یہ سرجری ہمارے یہاں نہیں ہوتی۔ اس کے لیے باہر جانا پڑتا ہے۔ بڑا مہنگا علاج ہے۔ خدا تمہیں اس کی توفیق دے۔"

یہ کہہ کر وہ اس کے پاس سے پلٹ گیا پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔ رخسانہ رو رہی تھی۔ آنسو نہیں تھم رہے تھے پھر اسے فرزانہ یاد آ گئی۔ سب کچھ

اسی نے کیا تھا۔ اس کے دل سے گالیاں نکل رہی تھیں۔ وہ بددعائیں دینے لگی۔ اسے کوسنے لگی مگر اس سے کیا ہوتا؟ ہاں اتنا ضرور ہو رہا تھا کہ دل کا غبار نکل رہا تھا۔

ادھر اس کی ماں گھر پہنچ کر اپنے دل کا غبار نکال رہی تھی۔ اس نے چیخ چیخ کر محلے والوں کو جمع کر لیا تھا اور پڑوس کی طرف اشارہ کر کے فرزانہ اور اس کی ماں کو گالیاں دے رہی تھی۔ لوگوں کے سامنے فریاد کر رہی تھی کہ اس لڑکی نے حسد اور جلاپے میں اس کی بیٹی کا چہرہ بگاڑ دیا ہے۔ اس کے منہ پر تیزاب پھینک دیا ہے۔ دوسری طرف فرزانہ کی ماں اپنے دروازے پر کھڑی ہو کر دونوں ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے فریاد کر رہی تھی۔ خدا اور رسول کا واسطہ دے کر کہہ رہی تھی کہ میری بیٹی ایسا کبھی نہیں کر سکتی۔

محلے کے کچھ لوگوں نے سمجھایا کہ چیخنے چلانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اگر رخسانہ کے ساتھ واقعی زیادتی کی گئی ہے اور جان بوجھ کر اس کا چہرہ بگاڑا گیا ہے تو پولیس میں رپورٹ لکھائی جائے۔ فرزانہ کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے۔

رخسانہ کی امی نے پھر چیخ کر کہا "میں کیا کروں؟ میں تو ایسا کرنا چاہتی تھی لیکن کوئی میرا ساتھ نہیں دے رہا ہے۔ وہاں جو انسٹرکٹر تھا اور جو لڑکے اور لڑکیاں تھے وہ فرزانہ کی حمایت کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ سب کچھ ایک حادثہ تھا۔ میں نہیں مانتی' یہ حادثے سے نہیں سازش سے ہوا ہے۔"

محلے کے دو چار لوگوں نے کہا "تم جو کچھ بھی کہو' جرم ثابت کرنے کے لیے گواہوں کی ضرورت پڑتی ہے اور وہاں کالج میں کتنے ہی چشم دید گواہ ہیں جو فرزانہ کی حمایت کر رہے ہیں لہٰذا تم اس کے خلاف کچھ نہیں کر سکو گی۔"

محلے کی ایک عورت نے کہا "بہن یہ بات تو ہماری سمجھ میں بھی نہیں آئی۔ فرزانہ اور رخسانہ اتنی گہری سہیلیاں ہیں کہ ہم نے انہیں ایک ساتھ آتے جاتے دیکھا۔ ایک جیسے کپڑے پہنتے دیکھا ہے۔ دونوں ایک ساتھ کھانا کھاتی ہیں۔ ایک ہی جگہ سوتی ہیں ایک ہی جگہ پڑھتی ہیں پھر فرزانہ کو رخسانہ سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے؟"

فرزانہ اپنے کمرے میں منہ چھپائے بیٹھی ہوئی تھی۔ باہر سے آنے والی آوازیں سن رہی تھی۔ رفتہ رفتہ محلے والے اس کی حمایت میں بول رہے تھے' اسے مجرم نہیں سمجھ رہے تھے لیکن وہ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے خود کو مجرم سمجھ رہی تھی۔ بے شک سب

کچھ نادانستگی میں ہوا لیکن ہوا۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ غلطی اس کی تھی کہ وہ دہشت زدہ ہو گئی تھی اگر اتنے ہی کمزور دل کی تھی تو کیا ضرورت تھی کہ وہ ڈس سیکشن کے لیے وہاں جاتی۔ بے شک وہ قانون کی نظروں میں مجرم نہیں تھی لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتی تھی کہ اس کے ہاتھوں سے اس کی سہیلی کا چہرہ بگڑ گیا تھا۔

○☆○

دوسری صبح رخسانہ کی آنکھ کھلی تو وہی اسپتال کا کمرا نظر آیا۔ وہی دل میں خنجر مارنے والی حقیقت یاد آئی کہ چہرہ بگڑ چکا ہے۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ ابھی اس سے حقیقت تسلیم نہیں ہو رہی تھی۔ وہ بار بار گھبرا جاتی تھی' پریشان ہو کر اٹھ بیٹھتی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بھاگ کر کہاں جائے کہ چہرہ چھپ جائے یا کوئی ایسی دوا یا کوئی ایسا طلسم ہاتھ آ جائے کہ بگڑا ہوا چہرہ پھر سے بن جائے۔ وہ رات کو سونے سے پہلے ایسی ہی اوٹ پٹانگ باتیں سوچتی رہی تھی اور سوچتے سوچتے دوا کے اثر سے سو گئی تھی۔ اب پھر وہی سوچیں دماغ میں آ رہی تھیں۔

اسی وقت کمرے کا دروازہ کھلا۔ کھلے ہوئے دروازے پر اس کا ایک کلاس فیلو جمشید علی کھڑا تھا۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ آنکھیں یوں لگ رہی تھیں جیسے وہ رات بھر جاگتا رہا ہو۔ لباس پر شکنیں تھیں۔ جیسے کروٹیں بدلتا رہا ہو۔ اسے دیکھتے ہی رخسانہ نے دوسری طرف منہ پھیر لیا پھر بولی "تم یہاں کیوں آئے ہو؟ چلے جاؤ' دروازہ بند کر دو۔ میں اپنے کمرے میں کسی کو آنے کی اجازت نہیں دوں گی۔"

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا آگے آیا پھر آہستگی سے بولا "تمہارے چہرے پر تمہارے دل و دماغ پر جو قیامت ٹوٹی ہے اس کی وجہ سے میں سو نہیں سکا۔ کھا نہیں سکا۔ میں اپنے آپ کو رات بھر گالیاں دیتا رہا۔ جانتی ہو کیوں؟ وہ جو خطوط تم دونوں سہیلیوں کے پاس پہنچتے تھے وہ میں ہی لکھتا رہا۔ مجھے لڑکیوں کو چھیڑنا اچھا لگتا تھا۔ پتا نہیں کیوں انہیں چھیڑ کر' انہیں خطوط لکھ کر مجھے ایک طرح کی تسلی ہوتی۔ میں نے تجزیہ کیا تو معلوم ہوا کہ بچپن میں مجھے ماں کا پیار نہیں ملا۔ میری کوئی بہن نہیں ہے۔ جوان ہوا تو کوئی محبوبہ نہیں ملی۔ میں جتنی لڑکیوں کو چھیڑتا تھا' تصور میں انہیں اپنی محبوبہ کے روپ میں دیکھتا تھا۔ تم دونوں کے ساتھ بھی میں نے یہی کیا۔"

رخسانہ منہ پھیر کر بیٹھی ہوئی تھی' وہ بولی "تم نے جو کچھ کیا' اب نہیں کرو گے۔ کیونکہ اب میں اس قابل نہیں ہوں۔ یہاں کیا لینے آئے ہو۔ چلے جاؤ۔"

"ابھی چلا جاؤں گا' مگر اپنے جرم کا اعتراف کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیسا جرم؟"

"کل ڈس سیکشن کا کام ختم ہونے کے بعد جب فرزانہ پیالے میں تیزاب ڈال رہی تھی تو میں اس کے پاس ہی کھڑا ہوا تھا۔ میں نے اسے ڈرانے کے لیے لاش کے ہاتھ کو ذرا سا ہلایا تھا۔ بس وہ ڈر کر بوتل کو چھوڑ کر تمہارے پاس سے بھاگی تو یہ حادثہ پیش آیا۔ اگر میں وہ شرارت نہ کرتا تو ایسا کبھی نہ ہوتا۔ میں مجرم ہوں اور اب میں تمام کالج میں چیخ چیخ کر کہوں گا کہ جوانی کے زعم میں شرارت کرنے کا انجام بھی دیکھ لو۔ ہم لڑکیوں کو چھیڑتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ یہ کبھی نہیں سوچتے کہ ہماری چھیڑ چھاڑ سے وہ کہاں کہاں بدنام ہوتی ہیں۔ ہمیں ان کی بے بسی پر ہنسی آتی ہے۔ ہم کالج میں تعلیم حاصل کرنے آتے ہیں لیکن ایسی حرکتیں کرتے ہیں جو ہماری ہی بہنوں کے کردار پر اور چہرے پر تیزاب کے چھینٹے اڑاتی ہیں۔"

"تم چیختے چلاتے رہو۔ ایک ایک کو پکڑ کر نصیحتیں کرتے رہو تو کیا ہو گا۔ مجھے میرا چہرہ واپس تو نہیں ملے گا۔"

وہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر بولا "ضرور ملے گا۔ میں تمہارا چہرہ تمہیں لوٹاؤں گا۔ میں نے کل تمام رات جاگ کر یہ فیصلہ کیا ہے کہ یہاں سے ٹرانسفر سرٹیفکیٹ لے کر لندن جاؤں گا۔ وہاں پر پلاسٹک سرجری کا کورس کروں گا اور ایک دن بہت بڑا سرجن بن کر واپس آؤں گا پھر سب سے پہلے تمہارے چہرے کی خوب صورتی تمہیں لوٹاؤں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔ جب تک ایسا نہیں کروں گا میرا ضمیر مجھے چین سے بیٹھنے نہیں دے گا۔"

"مجھے سہانے سپنے نہ دکھاؤ۔ جب تک تم سرجری سیکھ کر آؤ گے اس وقت تک میں بوڑھی ہو چکی ہوں گی۔ ہاں' رہ گئی تمہارے ضمیر کی بات' تو میں سمجھ رہی ہوں کہ تم پوری سچائی سے اپنے جرم کا اعتراف کر رہے ہو اور واقعی پچھتا رہے ہو۔ میری دعا ہے کہ خدا تمہیں معاف کرے مگر اس سے پہلے میں تمہیں معاف کر رہی ہوں۔ مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ تم جہاں رہو خوش رہو۔"

"رخسانہ! تم بہت خوب صورت ہو۔ تمہارے خیالات اور زیادہ خوب صورت ہیں۔ یہ سچ ہے کہ حسن مٹ جاتا ہے حسن خیال کبھی نہیں مٹ سکتا۔ میں تمہیں پہلے بھی چاہتا تھا اور اب آپنی جان' اپنی زندگی سے بھی زیادہ تمہیں چاہتا ہوں۔ میں کبھی شادی نہیں کروں گا۔ تمہاری سرجری کے بعد تم سے تمہیں مانگوں گا۔ چاہو تو اپنا ہاتھ میرے ہاتھوں میں دے دینا ورنہ مجھے ٹھکرا دینا مگر میں تمہارا انتظار کرتا رہوں گا۔ اچھا اب جا رہا ہوں دعا کرو کہ میں اپنے ارادوں میں کامیاب رہوں۔"

وہ منہ پھیرے خاموش بیٹھی رہی۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اسے اپنے پیچھے ۔ جمشید علی کی آواز سنائی نہیں دی۔ وہ تھوڑی دیر تک انتظار کرتی رہی پھر اس نے اپنے آدھے چہرے کو چھپاتے ہوئے ادھر پلٹ کر دیکھا تو کمرا خالی تھا۔ وہ جا چکا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس کی امی اور ابو بھی آ گئے۔ ان کے ساتھ رشتے کی کچھ عورتیں بھی اسے دیکھنے آئی تھیں۔ رخسانہ اپنے آدھے چہرے کو بار بار چھپا لیتی تھی۔ اس کی امی اس وقت بھی فرزانہ کو گالیاں دے رہی تھیں اور اسے بتا رہی تھیں کہ وہ پولیس میں رپورٹ درج کرانا چاہتی تھیں لیکن کوئی ان کا ساتھ نہیں دے رہا ہے۔ اس کے ابو نے کہا "کسی کے ساتھ نہ دینے سے کیا ہوتا ہے ہم تو ان ماں بیٹی کو چین سے نہیں بیٹھنے دیں گے۔ ایسا انتقام لیں گے کہ وہ کسی کو بھی منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گی۔"

رخسانہ جواب میں کچھ کہنا چاہتی تھی مگر کہہ نہ سکی۔ دروازے کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ سب نے اس کی نظروں کا تعاقب کیا تو وہاں فرزانہ کھڑی ہوئی نظر آئی۔ وہ مجرموں کی طرح سر جھکائے ہوئے تھی مگر نظریں اٹھائے رخسانہ کی طرف التجا آمیز نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی رخسانہ کی امی نے بھڑک کر کہا "کیوں آئی ہے یہاں؟ دفع ہو جا' ورنہ میں تیری صورت بگاڑ کے رکھ دوں گی۔ میں اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ تو پھر سے میری بیٹی کو بہلا پھسلا کر دوستی کرنے آئی ہے۔"

وہ کمرے میں آ گئی پھر اس نے آہستگی سے کہا "میں یہاں آؤں گی اور آپ کے گھر میں بھی آؤں گی۔ میرا رخسانہ پر حق ہے۔ یہ میری بہن ہے۔ اگر میرے ہاتھوں سے اس کا چہرہ بگڑا ہے تو میں اس کی بگڑی کو بنانے کی ہر ممکن کوشش کروں گی۔ میں سب سے پہلے رخسانہ سے معافی مانگوں گی۔ اگر مجھے معافی مل گئی تو میں اپنی ساری زندگی اس کے لیے

وقف کردوں گی۔ محنت کروں گی۔ ڈاکٹر بن کر جو کچھ بھی کماؤں گی سب کچھ اس کے لیے جوڑوں گی اور پلاسٹک سرجری کے ذریعے اس کے چہرے کی خوب صورتی کو واپس لاؤں گی۔"

اس کی باتوں کے دوران رخسانہ اپنے بستر پر سے سرکتی ہوئی کنارے پر آگئی تھی۔ وہ بستر سے اتر کر کھڑی ہوگئی پھر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس کے روبرو آگئی۔ فرزانہ نے کہا "میں تمہاری مجرم ہوں۔ تم چاہو تو ابھی میرا چہرہ بگاڑ سکتی ہو۔"

رخسانہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ یک بارگی وہ بڑے ہی کرب سے، دل کی گہرائیوں سے بولی "ہائے! فری میں تو لٹ گئی۔"

یہ کہتے ہی وہ کٹی ہوئی شاخ کی طرح فری کے اوپر آگری اور اس سے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ فری کا بھی یہی حال تھا۔ وہ سسک سسک کر رو رہی تھی، تڑپ تڑپ کر بول رہی تھی۔ رخسانہ کو بھینچ بھینچ کر اپنے اندر چھپالینا چاہتی تھی اور رخسانہ خود اس کے اندر چھپ کر مرجانا چاہتی تھی۔

"رخسانہ، میری جان! میں سچ کہتی ہوں۔ میں نے تجھ سے کوئی دشمنی نہیں کی ہے۔ میرے ہاتھ ٹوٹ جائیں، ایسا دھوکے سے بھی کیوں ہوا؟ میں اپنے آپ کو کبھی معاف نہیں کرسکوں گی۔"

"فری! مجھے سب معلوم ہوچکا ہے۔ یہ سب کچھ دھوکے سے ہوا اور نادانستہ ہوا۔ تو بالکل نہیں جانتی تھی کہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ تو دہشت زدہ ہو کے بھاگ گئی تھی۔ میں تیرے مزاج کو خوب سمجھتی ہوں، فری میری جان! میں نے تجھے معاف کیا۔ تیرا کوئی قصور نہیں ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ تو خود کو لعنت ملامت کرے۔"

"رخسانہ! تو کتنی اچھی ہے۔ میں کیا کہوں؟ بس اتنا کہتی ہوں کہ جب تک تجھے اپنا چہرہ واپس نہیں ملے گا۔ اس وقت تک میں سنگار نہیں کروں گی، جب تک تو سہاگن نہیں بنے گی، میں دلہن نہیں بنوں گی۔ تیرا دکھ میرا ہے۔ تجھ سے کوئی منہ پھیرے گا تو میں ساری زندگی کے لیے اس سے منہ پھیرلوں گی۔"

دونوں سہیلیاں بول رہی تھیں اور دونوں ایک دوسرے کے دل کی دھڑکنوں کو سمجھ رہی تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ اندر سے ایک دوسرے کے لیے کتنی سچی ہیں۔ دونوں کو

ایک دوسرے سے کتنی گہری محبت ہے۔ ایسی ہوتی ہے محبت جس کے منہ پر کوئی تیزاب نہیں پھینک سکتا۔

ایک ہفتے کے بعد رخسانہ اسپتال سے گھر آگئی۔ زندگی کسی نہ کسی طرح گزرنے لگی۔ دونوں سہیلیوں کی محبت پہلے سے بڑھ گئی۔ کچھ دنوں بعد رخسانہ نے برقع پہننا شروع کردیا اور اپنے چہرے کو نقاب میں چھپا کر کالج جانے لگی۔ وہ بڑے حوصلے سے تقدیر کے ظلم کو برداشت کررہی تھی مگر اندر ہی اندر غیر شعوری طور پر نفسیاتی مریض بنتی جارہی تھی۔ یہ بات بہت چپکے چپکے اس کے دماغ میں پک رہی تھی کہ کوئی اسے دیکھتا نہیں ہے۔ اب کوئی اسے اپنی شریک حیات بنانے کبھی اس کے دروازے پر نہیں آئے گا، اب وہ ہمیشہ کسی کے انتظار میں بیٹھی رہے گی۔

فرزانہ اسے حوصلہ دیتی تھی۔ کہتی تھی "ہم دونوں ڈاکٹر بننے کے بعد خوب محنت کریں گے، کسی اچھے علاقے میں پریکٹس کریں گے۔ ڈھیروں روپے کمائیں گے اور ایک دن اتنی رقم جمع کرلیں گے کہ تم انگلینڈ یا امریکا جا کر پلاسٹک سرجری کے ذریعے بگڑے ہوئے چہرے کو بنالوگی۔"

فرزانہ حوصلہ دیتی تھی اور وہ حوصلہ پاتی تھی مگر چپکے سے اپنے دل کی بات کہہ دیتی تھی "ٹھیک ہے فری کہ ہم دونوں مل کر بہت کچھ کریں گے مگر اپنا جیون ساتھی ہو تو بات کچھ اور ہوتی ہے۔ میں اپنے ساتھی کی پناہ میں بڑی جلدی، بڑے تحفظ کے ساتھ اپنی منزل تک پہنچ سکتی ہوں۔ کاش کہ میری شادی ہوجاتی، کوئی مجھے قبول کرلیتا پھر تم میرا حوصلہ دیکھتیں۔"

فرزانہ نے یہ بات اپنی امی اور رخسانہ کی امی تک پہنچائی۔ سب سر جوڑ کر سوچنے لگیں کہ لڑکی کی شادی جلد سے جلد کرنا بہتر ہے۔ یوں بھی اب وہ مان نہیں رہا تھا کہ وہ بلا کی حسین ہے۔ رشتے خود ہی بھیک مانگنے آئیں گے۔ اب تو خود ہی بھیک مانگنے کی نوبت آگئی تھی۔

پہلے تو اونچے گھرانوں کی طرف گردن اٹھا کر دیکھا گیا کیونکہ اونچے گھرانوں سے کئی بار پیغامات آئے تھے اور انہیں یہ کہہ کر ٹال دیا گیا تھا کہ لڑکی جب تک ڈاکٹر نہیں بن جائے گی شادی نہیں کرے گی۔ اب انہیں گھروں کے چکر لگانے پڑے مگر کوئی اندھا یا

بہرہ تو ہوتا نہیں ہے کہ رخسانہ کے بگڑے ہوئے چہرے کو نہ دیکھے۔ جنہوں نے نہیں دیکھا تھا انہوں نے دوسروں کی زبانی سن لیا تھا۔ اب لڑکے والے رخسانہ کی امی کو دیکھتے ہی سنا دیتے کہ ان کے لڑکے کی بات فلاں جگہ طے پا گئی ہے اور لڑکا ملک سے باہر جانے والا ہے۔ اتنی سنگ دلی تو کسی میں نہ تھی کہ کوئی زبان سے رخسانہ کی بدصورتی کا ذکر کرتا اور منہ پر کہہ دیتا کہ چڑیل کو کون دلہن بنا کر لائے۔ سنگ دل بھی اتنے سنگ دل نہیں ہوتے ٹھکرانا بھی ہو تو حسن ادا سے ٹھکرایا جاتا ہے۔

فرزانہ بڑی جذباتی لڑکی تھی۔ اس نے اپنی امی سے کہا "امی! ہم اپنا گھر بیچ دیں گے۔ کم از کم پچاس ہزار روپے تو ضرور مل جائیں گے۔ یہ ساری رقم رخسانہ کو دے دوں گی۔ اس سے وہ پلاسٹک سرجری کرا لے گی۔"

اس کی امی پیار سے سمجھاتی تھیں "بیٹا! میں تمہاری طرح نادان نہیں ہوں۔ میں بھی اپنے آگے پیچھے دیکھتی ہوں۔ اگر تمہاری جگہ کوئی بیٹا ہوتا تو میں رخسانہ کے لیے یہ قربانی ضرور دیتی۔ اول تو یہ کہ اس کے چہرے کے بگڑنے میں تمہارا ہاتھ دانستہ نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہ میں اسے اپنی بیٹی سمجھتی ہوں اور اس کے لیے میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ جلد از جلد چہرہ اچھا ہو جائے۔ اس کے لیے ضروری نہیں ہے کہ ہم اپنا گھر بیچ دیں۔ یہ گھر میں نے ایک خاص وقت کے لیے رکھا ہے جب تم ڈاکٹر بن جاؤ گی اور جب تمہیں ڈسپنسری کھولنے کے لیے اچھی خاصی رقم کی ضرورت پیش آئے گی تب میں یہ مکان فروخت کر دوں گی۔ اس کے بعد تم سہیلیاں ڈاکٹر بن کر کماؤ گی، پیسے جوڑو گی۔ اس طریقے سے جو کام ہو گا وہ دانش مندی کا ہو گا۔"

رات کا وقت تھا۔ دونوں ماں بیٹی باتیں کر رہی تھیں کہ اچانک پڑوس سے چیخنے چلانے کی آواز سنائی دی۔ فرزانہ اپنی سہیلی کی آواز لاکھوں میں پہچان سکتی تھی۔ وہ ایک دم اچھل کر کھڑی ہو گئی پھر بولی "امی! یہ تو رخسانہ چیخ رہی ہے۔ کیا ہو گیا ہے اسے؟"

دونوں ماں بیٹی دوڑتے ہوئے اپنے مکان سے باہر نکلیں پھر دوسرے مکان میں داخل ہوئیں۔ رخسانہ اپنے کپڑے پھاڑ رہی تھی، بال نوچ رہی تھی۔ اس کی امی اور ابو اسے پکڑ کر اپنے قابو میں کرنا چاہتے تھے لیکن وہ کسی کے قابو میں نہیں آ رہی تھی۔ فرزانہ جاتے ہی اس سے لپٹ گئی۔ اس سے کہنے لگی "رخسانہ! میں تمہاری بہن ہوں۔ تمہاری

سہیلی ہوں۔ مجھے بتاؤ، تمہیں کیا تکلیف ہے؟"

"آگ!" رخسانہ نے چیخ کر کہا "آگ لگی ہے، میرے اندر آگ لگی ہے، میرے باہر آگ لگی ہے۔ کیا تم سب اندھے ہو گئے ہو؟ تم لوگوں کو دکھائی نہیں دیتا، پانی.... مجھ پر پانی ڈالو۔ مجھے سمندر میں لے جا کر ڈبو دو۔ میں یہ آگ برداشت نہیں کر سکتی۔"

وہ فرزانہ سے الگ ہونے کی کوشش کرنے لگی۔ فرزانہ نے اسے نہیں چھوڑا تو وہ اسے نوچنے کھسوٹنے لگی۔ سب نے اسے مل کر پکڑ لیا تھا۔ وہ مچل رہی تھی۔ تڑپ رہی تھی پھر اس طرح تڑپتے تڑپتے سرد پڑ گئی۔ اس کے دیدے پھیل گئے پھر اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔ اس کی امی نے ایک زوردار چیخ ماری "ہائے میری بیٹی کو کیا ہو گیا؟ کوئی ڈاکٹر کو بلاؤ۔ دیکھو اسے کیا ہو گیا ہے؟"

ڈاکٹر کو بلایا گیا۔ اس نے رخسانہ کو ہوش میں لا کر کچھ دوائیں کھانے کے لیے دیں اور ان سب کو تسلی دے کر چلا گیا۔ وہ چپ چاپ بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ فرزانہ نے اس کے سر کو سہلاتے ہوئے پوچھا "کیا بات ہے؟ تمہیں کیا دکھ ہے؟ تم ایسا کیوں کر رہی تھیں؟"

اس نے سوالیہ نظروں سے فرزانہ کو دیکھا، پھر کہا "میں کیا کر رہی تھی؟ کیا مجھے کچھ ہو گیا تھا؟"

"ہاں! تم چیخ رہی تھیں۔ اپنے کپڑے پھاڑنا چاہتی تھیں۔ اپنے بال نوچ رہی تھیں اور بار بار کہہ رہی تھیں کہ تمہارے اندر آگ لگی ہے۔"

یہ سنتے ہی رخسانہ نے بڑی آہستگی سے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

دو دن بعد پھر اس پر دورہ پڑا۔ اس بار ایک تجربے کار لیڈی ڈاکٹر کو بلایا گیا۔ لیڈی ڈاکٹر نے دو روز تک اس کا علاج کیا۔ تیسرے دن اس نے بتایا "لڑکی ہسٹریا میں مبتلا ہے۔ دواؤں سے یہ وقتی طور پر اچھی تو ہو جائے گی۔ اسے سکون تو مل جایا کرے گا لیکن یہ مرض ہمیشہ کے لیے اسی وقت جا سکتا ہے جب اس کی شادی کر دی جائے۔ اس کا آخری علاج شادی ہے۔"

لیڈی ڈاکٹر کے جانے کے بعد فرزانہ کی امی نے رخسانہ کی والدہ سے کہا "بہن! اگر تم برا نہ مانو تو ایک بات کہوں؟"

انہوں نے کہا "اب برا ماننے کے لیے کیا رہ گیا ہے۔ میں تو ہر طرف سے لٹ رہی ہوں۔ میری بچی کی زندگی برباد ہو رہی ہے۔"

"یہی میں کہنا چاہتی ہوں کہ اس کی زندگی بچانے کے لیے شادی ضروری ہے اور شادی کے لیے اب یہ ضروری نہیں رہا کہ اونچے گھر کے لڑکے دیکھے جائیں۔ ہمارے طبقے کے کتنے ہی لوگ ہیں جو معمولی ملازموں کو اپنی بیٹیاں دیتے ہیں۔ وہ جو ہمارے محلے میں مرزا صاحب ہیں' کتنے شریف لوگ ہیں۔ خاندانی آدمی ہیں۔ ان کے بیٹے اچھے کماتے ہیں۔ انہوں نے اپنی بیٹی ایک ایسے آدمی کو دی ہے جو چپلوں کا کارخانہ کھولے بیٹھا ہے۔ خود بھی چپلیں بناتا ہے' کیا ہم اسے موچی کہیں گے؟"

"وہ موچی کا کام کرتا ہے تو موچی ہی کہلائے گا۔"

"نہیں۔ نہیں' اس کے کام کو نہ دیکھو۔ اس کے ہنر کو دیکھو۔ اس کی آمدنی کو دیکھو۔ وہ جب سوسائٹی میں اپنی عزت بنا کر رکھتا ہے' اپنے لیے ایک مکان بناتا ہے اپنے لیے تین وقت کی روٹی عزت سے کماتا ہے۔ کسی کا محتاج نہیں رہتا تو پھر اس آدمی میں کھوٹ کیا ہے؟ آخر ہم جو سفید پوش کہلاتے ہیں۔ درمیانے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہمارے گھروں میں کیا ہے؟ ہم دونوں اسکول میں ٹیچر ہیں۔ کتنی مشکل سے ہماری گزر بسر ہوتی ہے۔ دوسروں کے گھروں میں بھی ہم جھانک کر دیکھتے ہیں۔ ایک ایک دو دو وقت کے فاقے ہوتے ہیں' اپنی کمزوریاں ہم دنیا والوں سے چھپاتے ہیں تاکہ کوئی ہمیں غریب' نادار اور محتاج نہ سمجھے' اپنے سے کم تر نہ سمجھے۔"

رخسانہ کی امی نے پوچھا "تم کیا چاہتی ہو' میں اپنی بیٹی کسی ایرے غیرے کو دے دوں؟"

"یہاں ایرا غیرا کون ہے؟ جب سے پاکستان بنا ہے یہاں کتنے ہی ایسے لٹے ہوئے خاندان آئے ہیں جو کبھی ہاتھوں سے اپنے کرتے کا بٹن نہیں ٹانکتے تھے۔ اب وہ یہاں آکر مزدوری کرنے لگے ہیں۔ یہاں پہنچ کر لوگ چھوٹے بن گئے ہیں۔ انہیں تین وقت کی روٹی کے لیے موچی بننا پڑا' اور پتا نہیں کیسے کیسے کام کرنے پڑے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کی خاندانی شرافت مر گئی ہے۔ لوگ شریف ہوتے ہیں مگر پیشے کے اعتبار سے ہم انہیں کمتر سمجھتے ہیں۔ اگر ہم اپنی بیٹیاں ایسے لوگوں کو دیں تو اس میں ہماری بے عزتی

نہیں' برائی ہے۔"

پہلے تو رخسانہ کی امی کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی لیکن جب تیسرے ہفتے تیسری بار پھر دورہ پڑا تو وہ اچھی طرح سمجھ گئیں کہ بیٹی کو دلہن بنا کر جلد سے جلد رخصت کرنا ہوگا اور اس کے لیے اب گھرانا نہیں' بس لڑکے کی شرافت اور اس کی آمدنی دیکھنی ہوگی۔

دونوں سہیلیاں رات کو ایک ہی بستر پر سوتی تھیں۔ اب ان کی گفتگو کا بھی یہی موضوع ہوتا تھا کہ لڑکے کو اس کے مزاج اور اس کی شرافت سے پرکھنا چاہیے حالات سکھا دیتے ہیں کہ انسان کو انسانی اقدار کے مطابق کس طرح پرکھنا چاہیے۔ فرزانہ نے کہا "ہاں! یہ جو محنت مزدوری کرنے والے ہوتے ہیں' یہ بھی تو بے چارے انسان ہوتے ہیں۔ ان کے سینے میں بھی دل ہوتا ہے۔ ان کی آنکھوں میں شرم ہوتی ہے۔ یہ ہمیں دیکھ کر سر جھکائے ہوئے گزر جاتے ہیں اور ہم ان کی قدر نہیں کرتے۔ یہ لوگ چھوٹا موٹا کاروبار کرتے ہیں تو ہم انہیں محض معمولی دکان دار سمجھتے ہیں۔ یہ نہیں دیکھتے کہ جب ہم ان کے پاس سے چیزیں خریدنے جاتے ہیں تو یہ کس طرح ہماری عزت کرتے ہیں۔ اتنی خوشامدیں کرتے ہیں کہ ہم مغرور ہو جاتے ہیں۔ یہ خیال قائم کرتے ہیں کہ ہم قابل عزت' قابل احترام ہیں اور ان بے چاروں پر احترام کرنا واجب ہے۔ وہ ہماری عزت کرنے کے لیے پیدا ہوتے ہیں۔ اس طرح ہم خود کو معزز اور ان کو کم تر سمجھنے لگتے ہیں۔ یہ ہماری بھول ہے۔"

رخسانہ اس کی بات سن رہی تھی اور اس کے چہرے کو تک رہی تھی پھر اس نے آہستگی سے کہا "کوئی بھی ہو۔ چھوٹا دکان دار ہو یا ایک معمولی مزدور ہو۔ بس تین وقت کی روٹی عزت سے کماتا ہو۔ میں بھی تو کوئی اپاہج بن کر نہیں رہوں گی۔ یہ آخری سال ختم ہوتے ہی پریکٹس شروع کر دوں گی۔ آمدنی کی کوئی فکر نہیں ہے بس آدمی شریف ہونا چاہیے۔ کوئی بھی آکر عزت سے میرا ہاتھ پکڑے تو میں اس کے لیے مرجانے کے لیے تیار رہوں گی۔ تم دیکھ لینا جو شخص مجھے قبول کرے گا۔ میں اس کی اتنی خدمت کروں گی۔ ایسی وفاداری کا ثبوت دوں گی کہ عورتوں کے لیے ایک مثال قائم کر دوں گی۔"

دوسرے دن وہ دونوں کالج سے واپس آئیں۔ فرزانہ اس کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد اپنے گھر میں آگئی۔ اپنے بستر پر تھوڑی دیر تک لیٹی رہی۔ ارادہ تھا کہ

شام کی چائے پیتے وقت رخسانہ کو اپنے یہاں بلائے گی۔ شام کو پتا چلا کہ وہ برقع پہن کر کہیں گئی ہے۔ اسے بڑا تعجب ہوا۔ وہ اس کے بغیر کہیں جاتی نہیں تھی۔ ایک گھنٹے بعد جب وہ واپس آئی تو اس نے پوچھا "کہاں گئی تھیں؟"

وہ برقع اتارتے ہوئے بولی "اپنے آپ کو آزمانے گئی تھی۔"

"کیا مطلب؟"

وہ اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی "مطلب یہ ہے کہ پاپوش نگر میں وہ جو نقلی زیورات کی دکان ہے نا' اس کا مالک اچھے کھاتے پیتے گھرانے کا لگتا ہے۔ دیکھنے میں بھی ٹھیک ہی ہے۔ اچھے کپڑے پہنتا ہے۔ سلیقے سے باتیں کرتا ہے۔ میں جب بھی ادھر سے گزرتی تھی۔ اس کی دکان پر جاتی تھی تو وہ اشارے کنائے سے اپنے دل کی بات زبان پر لاتا تھا لیکن میں انجان بن جاتی تھی۔ آج میں اپنا آدھا چہرہ چھپا کر اس کے پاس گئی تو اس نے پھر وہی باتیں شروع کر دیں۔ تب میں نے اپنا باقی چہرہ بھی کھول دیا۔"

یہ کہہ کر وہ چپ ہو گئی۔ فرزانہ نے پوچھا "پھر کیا ہوا؟"

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی "پھر کیا ہوگا" مجھے دیکھتے ہی وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا اور پیچھے والی ریک سے جا ٹکرایا۔ ریک میں رکھا ہوا سامان اس کے اوپر گر پڑا۔ میں نے اپنے چہرے کو چھپا لیا۔ مجھ سے بچے ہی نہیں بڑی عمر کے لوگ بھی ڈرتے ہیں۔ اس کے بعد وہ جلدی جلدی اپنے سامان کو ریک پر رکھنے لگا۔ اب وہ میری طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ میں تھوڑی دیر تک وہاں کھڑی رہی۔ جب اس نے سامان رکھ لیا تو میں نے پوچھا "کیا اب اور کچھ نہیں بولو گے؟"

وہ ہچکچایا' پھر ذرا سا جھینپ کر بولا "میں اس دنیا میں تنہا ہوں۔ مجھے کبھی بہن کا پیار نہیں ملا۔ میں تم سے پاکیزہ محبت کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ دوسرے گاہک کی طرف مڑ گیا۔

"بس میں سمجھ گئی۔ جب سے میرا چہرہ بگڑا ہے اس وقت سے میں سمجھ رہی ہوں کہ بولنے والے کے اندر کیا ہے اور وہ کس جذبے سے بول رہا ہے۔ میں وہاں سے چلی آئی۔"

فرزانہ نے کہا "مجھے ساتھ لے جانا چاہیے تھا۔ میں اسے کھری کھری سناتی۔"

"نہیں فری! تجھے ساتھ لے جاتی تو وہ تیرے حسن میں کھو جاتا۔"

یہ کہہ کر اس نے فری کے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ چند لمحوں تک اسے تکتی رہی پھر اس کی پیشانی کو چوم کر بولی "بدصورتی سب سے بڑا عیب ہے۔ اس عیب کو کوئی پسند نہیں کرتا۔ ساری دنیا حسن کی پجاری ہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جانوروں کو قربانی دی جاتی ہے تو انہیں بھی ٹٹول کر دیکھا جاتا ہے کہ ان جانوروں میں کوئی عیب نہ ہو۔ خداوند کریم عیب پسند نہیں کرتا۔ وہ اس نے مجھے دے دیا۔ یا اللہ! یہ میرے کس گناہ کی سزا ہے۔ میں بے شک مغرور تھی مگر اس کی اتنی بڑی سزا تو نہ دیتا میرے مالک!"

یہ کہہ کر وہ فری کے گلے لگ گئی۔ فری بڑے صدمے سے اور بڑی محبت سے اس کی پیٹھ کو آہستہ آہستہ تھپکنے لگی۔ جب سے چہرہ بگڑا تھا' تب سے اسے سمجھانے کے لیے اور تسلیاں دینے کے لیے اتنا کچھ کہا گیا تھا کہ لفظوں کا خزانہ اب خالی ہو گیا تھا۔ بولنے کے لیے کچھ نہیں رہا تھا۔ بس وہ ایک ہاتھ تھا جو اس کی پیٹھ تک پہنچ جاتا تھا اور اب خاموش ہاتھ کی تھپتھپاہٹ ایک سہیلی کے جذبے کو بیان کرتی تھی۔

"چپ ہو جا میری جان! میرے بس میں ہو تو میں تجھے اپنا چہرہ دے دوں۔ میرے بس میں ہو تو اپنی تقدیر بھی تیرے نام کر دوں اور اگر میرے بس میں ہو تو میں کہیں سے ایک پیار کرنے والے کو تیرے لیے پکڑ لاؤں۔ کتنی حیرانی کی بات ہے کہ اتنی بڑی دنیا میں ایک پیار کرنے والا نہیں ملتا۔ سب چہرے کو پوجتے ہیں۔ انسان کی کوئی قدر نہیں کرتا۔ میں ان بے قدروں کی دنیا میں تیرے لیے کیا کروں' سمجھ میں نہیں آتا۔"

ایک ہفتے کے بعد دو عورتیں اور دو لڑکیاں وہاں آئیں۔ وہ رخسانہ کا رشتہ مانگنے آئی تھیں۔ رخسانہ فوراً ہی دوسرے کمرے میں جا کر چھپ گئی۔ لڑکیاں شریر ہوتی ہیں۔ اس کمرے میں بھی اس کو دیکھنے کے لیے گھستی چلی آئیں۔ اس نے ایک چادر سر پر رکھ لی۔ ارادہ تھا کہ کوئی جیسے ہی کمرے میں داخل ہوگا' وہ چادر کا گھونگھٹ بنا ڈالے گی' اپنے چہرے کو چھپا لے گی۔ باہر ڈرائنگ روم میں وہ عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں اور بتا رہی تھیں کہ ان کا لڑکا ایک لانڈری کا مالک ہے۔ مہینے کی اچھی خاصی آمدنی ہے۔ ابھی کرائے کے مکان میں رہتا ہے لیکن جلد ہی کوئی پلاٹ خرید کر مکان بنا لے گا۔

رخسانہ کی امی اپنے کمرے میں جا کر ایک البم میں سے رخسانہ کی تصویر لے آئیں پھر

ان عورتوں کو دکھاتے ہوئے کہا "میری بیٹی لاکھوں میں ایک ہے۔ کتنے ہی رشتے اس کے لیے آئے ہیں مگر ابھی ڈاکٹری پڑھ رہی ہے۔ اس کے ساتھ ایک حادثہ پیش آیا تھا اس کے آدھے چہرے پر تیزاب گر گیا تھا لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ڈاکٹری پاس کرتے ہی یہ اپنے چہرے کو پھر سے بنالے گی پھر ایسی ہی پوری طرح خوب صورت ہو جائے گی۔"

ایک عورت نے کہا "بہن! ہم نے بہت پہلے تمہاری بیٹی کو دیکھا تھا۔ بہت دنوں سے ہمارے دماغ میں یہ بات تھی کہ تمہاری بیٹی کو بہو بنائیں گے پھر یہ بات بھی سنی کہ اس کا چہرہ بگڑ گیا ہے۔ ہم یہی دیکھنے آئے ہیں۔ اگر تھوڑی بہت خرابی ہوئی تو کوئی بات نہیں۔ حادثہ تو کسی کے ساتھ بھی پیش آسکتا ہے۔ انسان کو چہرے سے نہیں، انسان کے دل سے محبت کرنی چاہیے۔"

رخسانہ کی امی خوش ہو کر دعائیں دیتی ہوئی بولیں "بہن! ہماری دنیا میں ایسے خیالات رکھنے والے بہت کم ہیں۔ آپ بہت ہی نیک خاتون ہیں۔ میری بیٹی بہت جلد ڈاکٹر بن جائے گی۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ اس کا آدھا چہرہ بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔"

"بہن! تصویر تو ہم نے دیکھ لی۔ لڑکی بھی دیکھی بھالی تھی مگر اب اور بات ہے ایک نظر اسے دکھا دو پھر ہم جا کر لڑکے کی رضامندی معلوم کرلیں گے۔"

رخسانہ کی امی نے ہچکچاتے ہوئے کہا "لڑکے کی رضامندی ہی حاصل کرنا ہے تو اسے یہ تصویر لے جا کر دکھا دیں۔"

"تصویر میں اور لڑکی کو دیکھنے میں بڑا فرق ہے۔ آخر اس میں ہرج ہی کیا ہے ہم تو عورتیں ہیں۔ یہ تو نہیں کہہ رہے ہیں کہ اسے لڑکے کو دکھایا جائے۔"

رخسانہ کی امی کو راضی ہونا پڑا۔ وہ ساری عورتیں دوسرے کمرے میں آئیں۔ رخسانہ چادر میں منہ چھپا رہی تھی مگر انہوں نے زبردستی چادر کو ہٹا کر اسے دیکھ ہی لیا۔ بس ایک بار دیکھا۔ دوسری بار ادھر نظر نہیں ڈالی۔ فوراً ہی پلٹ کر کمرے سے باہر چلی گئیں دوسرے کمرے میں پہنچ کر رخسانہ کی امی نے کہا "آپ لوگ بیٹھیں، میں چائے لے کر آتی ہوں۔"

"نہیں بہن، رہنے دیں، ہم کھا پی کر آرہے ہیں۔ چائے کی طلب نہیں ہے۔"

یہ کہتے ہی عورتوں نے اپنی چادریں سنبھالیں۔ لڑکیوں نے ایک دوسرے کو مسکرا کر دیکھا پھر سب کی سب وہاں سے چلی گئیں۔ ایسے وقت فرزانہ وہاں نہیں آئی تھی۔ اس کی امی نے اسے روک کر کہا تھا "بیٹی نہ جاؤ! یہ بوڑھی عورتیں تھالی کا بینگن ہوتی ہیں، دیکھنے کسی کو آتی ہیں پسند کسی اور کو کرلیتی ہیں۔ اگر انہوں نے تمہیں پسند کرلیا تو یہ بات رخسانہ کی ماں کو بہت بری لگے گی۔ وہ پھر سے دشمنی پر اتر آئیں گی۔"

بہر حال ان عورتوں کے جانے کے بعد رخسانہ خود ہی اس کے پاس آئی اور آتے ہی پیش گوئی کی "وہ جو گئی ہیں نا، اب واپس نہیں آئیں گی۔"

فرزانہ نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا "مایوسی کفر ہے۔ یقین رکھو، تم پر بھی اللہ کا کرم ہوگا۔"

وہ بولی "بے شک جھولی پھیلانے والوں کو اللہ دیتا ہے مگر میری جھولی میں تو چھید ہیں۔ میرا معبود جن رشتوں کو بھیجتا ہے وہ جھولی کے چور راستوں سے نکل جاتے ہیں۔"

رخسانہ کی امی دوسرے دن تک پر امید رہیں۔ تیسرے دن مایوس ہوئیں، چوتھے دن ان عورتوں کو گالیاں دینے لگیں "کمینے ہیں، کم ظرف ہیں۔ خود کو لانڈری والے کہتے ہیں اصل بات نہیں کہتے کہ دھوبی ہیں۔ کیسا زمانہ آگیا ہے۔ اپنے پیشے کو چھپانے کے لیے انگریزی نام رکھ لیتے ہیں۔ دھوبی بولیں گے تو کوئی اپنے گھر میں رشتے کے لیے گھسنے نہیں دے گا۔ اس لیے خود کو لانڈری کا مالک بتاتے ہیں۔ اونہہ، اچھا ہوا۔ میری بیٹی کیا ایسوں میں جائے گی۔ خاندان والے ہمیں باتیں سناتے کہ ہم نے اپنی بیٹی دھوبی کو دے دی ہے۔ تھوکیے ان پر۔"

رخسانہ کے باپ فرید احمد نے تاش کے پتے پھینٹتے ہوئے کہا "اب تو بس ایک ہی صورت نظر آتی ہے۔ ہماری بیٹی بڑے آرام کے ساتھ بیاہی جاسکتی ہے۔"

رخسانہ کی امی اور فرزانہ کی امی ان کے پاس آکر بیٹھ گئیں۔ جلدی سے پوچھا "بتاؤ کیا راستہ ہے؟"

انہوں نے کہا "یہی کہ کسی اندھے لڑکے سے اسے بیاہ دیا جائے۔ وہ کبھی اس کی صورت نہیں دیکھ سکے گا۔"

رخسانہ کی امی نے جل کر کہا "اندھی تو میں ہو گئی تھی کہ تم سے شادی کی اور اپنی زندگی برباد کرلی۔ تمہیں تاش کھیلنے کے سوا آتا کیا ہے؟ کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ لڑکی جوان ہو گئی ہے۔ لڑکی پر کتنی مصیبتیں آئی ہیں۔ اب اسے سہاگن بنانے کے لیے لڑکے والوں کو زیادہ سے زیادہ رقم کا لالچ دینا ہوگا۔ اس کے لیے کمانا پڑتا ہے اور کیا کمانے کے لیے میں ہی ایک عورت رہ گئی ہوں۔ تم سے کوئی کام نہیں ہوتا۔ بیٹھے بیٹھے آرام کی کھاتے رہتے ہو۔"

اس نے تاش کے پتوں سے کھیلتے ہوئے کہا "اسی لیے میں نہیں بولتا۔ بولتا ہوں تو سننا پڑتا ہے۔ میں تو ایک اچھا مشورہ دے رہا ہوں۔ نہیں مانوگی تو پھر دوسرا مشورہ بھی سن لو۔"

رخسانہ کی امی نے ہاتھ اٹھا کر کہا "بس خبردار! مجھے تمہارے مشوروں کی ضرورت نہیں ہے۔"

فرید احمد نے کہا "دیکھو! گھر کے کونے میں پڑا ہوا ایک بھاری پتھر بھی کبھی کبھی کام آجاتا ہے۔ کام نہ آئے تو زندگی سے بیزار ہو کر اس پتھر کو اپنے سر پر بھی مارا جا سکتا ہے میں کچھ تو کام آسکتا ہوں۔"

فرزانہ کی امی نے کہا "بہن! سن تو لیں کہ بھائی صاحب کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس دنیا میں دھوکے' فریب اور جھوٹ کے بغیر کام نہیں چلتا۔ اگر لڑکی کو بیاہنا ہی چاہتی ہو' تو کسی عقل کے اندھے اور گانٹھ کے پورے کو پکڑنا ہوگا۔ اس سے اپنی بیٹی کو چھپا کر بیاہنا ہوگا۔ صورت کسی کی دکھانی ہے۔ دلہن کسی کو بنانا ہوگا۔ کیا میری بات سمجھ میں آرہی ہے۔"

فرزانہ کی امی نے تائید میں سر ہلا کر کہا "ہاں بھائی صاحب! آپ جو بات کہہ رہے ہیں' وہ دل کو لگ رہی ہے۔ ہم اتنے عرصے تک ایماندار بن کے دیکھ چکے۔ اپنی شرافت اور خاندانی تذکرے کہاں کہاں نہیں کیے۔ لڑکی کی پہلی خوب صورت تصویر کسے نہیں دکھائی مگر کوئی ہمارے دکھ کو نہیں سمجھتا۔ ہمیں دنیا کے اس دستور کو سمجھ لینا چاہیے کہ مال کیسا ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے اوپر سب سے زیادہ خوب صورت لیبل لگا کر بیچا جاتا ہے۔ ہر دکان دار یہی کرتا ہے پھر ہم ایسا کیوں نہ کریں؟"

رخسانہ کی امی نے سر ہلاتے ہوئے کہا "کیا تم دونوں یہ کہنا چاہتے ہو کہ صورت فرزانہ کی دکھائی جائے اور دلہن رخسانہ کو بنایا جائے؟"

"ہاں! یہی کرنا ہوگا۔"

"مگر کیسے؟ شادی تو رخسانہ کی ہو جائے گی۔ دھوکا اس حد تک کامیاب ہوگا لیکن جب دولہا اس کی صورت دیکھے گا تو قیامت آجائے گی۔ سسرال والے میری بیٹی کو نوچ کھائیں گے۔"

فرید خان نے ہاتھ اٹھا کر کہا "میں نے سب سوچ لیا ہے۔ یہ جو میں تاش کے پتے پھینٹتا رہتا ہوں تو اس دوران میرے سامنے میری بیٹی کا آدھا چہرہ ہوتا ہے۔ میں بے حس ہوں' میں محنت نہیں کرتا' مگر باپ تو ہوں نا۔ بیٹی کے دکھ کو سمجھ سکتا ہوں۔ میری سمجھ میں یہی آیا کہ اب کسی کو دھوکا دیا جائے۔ ایسے شخص کو دھوکا دیا جائے جو تنہا رہتا ہو۔ جس کے آگے پیچھے کوئی نہ ہو۔ اس کی شادی میں عورتیں نہ آئیں۔ عورتیں آئیں گی تو یہاں گھونگھٹ کے پیچھے جھانک کر دلہن کو دیکھیں گی لہٰذا کوئی ایسا تنہا نوجوان ہو جو اچھا کماتا ہو' اچھا کھاتا ہو۔ رہنے کے لیے جگہ ہو۔ عزت سے زندگی گزار رہا ہو۔ مزاج کا اچھا ہو شریف ہو۔ خواہ وہ نچلے طبقے کا ہو۔ طبقہ کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اصل میں انسان کو دیکھنا اور سمجھنا چاہیے۔"

رات کو بستر پر لیٹتے ہوئے فرزانہ نے پوچھا "رخسانہ! کیا ان باتوں سے متفق ہو جو ہمارے بزرگ سوچ رہے ہیں۔"

رخسانہ نے پوچھا "تمہارا اپنا کیا خیال ہے؟"

"یہی کہ سیدھی انگلی سے گھی نہ نکلے تو انگلی ٹیڑھی کرنی پڑتی ہے۔ میں سمجھ رہی ہوں کہ آدمی برا کیوں بنتا ہے' جھوٹا کیوں بنتا ہے' جرم کیوں کرتا ہے' عام لوگ پیدائشی جھوٹے اور بدمعاش نہیں ہوتے۔ سب کچھ اس دنیا میں آکر سیکھتے ہیں اور دوسروں کو سیکھنے پر مجبور کرتے ہیں۔"

رخسانہ نے کہا "ٹھیک ہے۔ اب یہی ایک صورت رہ گئی ہے لیکن مجھے کچھ اچھا نہیں لگتا کہ میں زبردستی کسی کی شریک حیات بن جاؤں۔"

فرزانہ نے کہا "یوں دیکھا جائے تو ہمارے معاشرے میں زبردستی ہی کی شادیاں

زیادہ ہوتی ہیں۔ لڑکا لڑکی ایک دوسرے کو نہیں دیکھتے۔ شادی کے بعد دیکھتے ہیں اور ایک دوسرے کو قبول کرلیتے ہیں۔ تمہارے ساتھ بھی یہی ہوگا۔ تمہارا ہونے والا شوہر تمہیں پہلے نہیں دیکھے گا۔ کیا تم اس وقت کے حالات سے نمٹ سکتی ہو۔"

"فری! میرا چہرہ میرا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔ جب سے یہ بگڑا ہے' میں تمام بگڑے ہوئے حالات سے گزرنے کا حوصلہ پارہی ہوں۔"

تب ایک احمق کی تلاش شروع ہوگئی۔ فرید احمد سے کہا گیا کہ وہ تمام دن بیکار گھر میں بیٹھا رہتا ہے یا محلے میں جاکر تاش کھیلتا ہے۔ وہ ایسے لڑکے کو تلاش کرے جو اچھا خاصا کماتا ہو اور تنہا رہتا ہو۔ بہت زیادہ پڑھا لکھا نہ ہو اور زیادہ دانش مندی کی باتیں نہ کرتا ہو۔

فرید احمد باتیں کرنے اور مشورہ دینے میں پیش پیش رہتا تھا مگر کام کی بات آتی تو پیچھے ہٹ جاتا تھا۔ وہ لڑکے کی تلاش میں صبح نکلتا تھا اور شام کو واپس آتا تھا دن بھر کہیں بیٹھ کر تاش کھیلتا تھا۔ گھر آکر من گھڑت باتیں سنا کر اپنی بیوی کی تسلی کردیتا تھا کہ وہ کتنے لوگوں سے ملتا رہا اور اس کے کتنے ہی ساتھی ایسے کسی لڑکے کی تلاش میں ہیں پھر دوسری صبح وہ آنے جانے کے لیے بس کے کرائے کے پیسے لے کر گھر سے نکل جاتا تھا۔ رخسانہ کی امی اور فرزانہ کی امی بھی اسی تلاش میں تھیں۔ اس تلاش اور جستجو میں وقت دبے پاؤں گزرتا رہا۔ فرزانہ اور رخسانہ میڈیکل کے آخری سال میں پہنچ گئیں ایک صبح فرزانہ کالج جانے سے دو گھنٹے پہلے گھر سے نکلی۔ رخسانہ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اس نے جانے سے انکار کردیا۔ فرزانہ کو جہانگیر روڈ کی طرف جاکر اپنی ایک کلاس فیلو سے نوٹ بک لینی تھی۔ جب وہ نوٹ بک لے کر سہیلی کے گھر سے نکلی اور ایک گیراج کے پاس سے گزرنے لگی تب اسے بادشاہ جانی نظر آگیا۔

اس میں بظاہر اتنی خوبی یا کشش تھی کہ اسے دیکھ کر وہ ٹھٹک گئی۔ وہ قد آور تھا' خوب رو تھا' صحت مند تھا۔ دراصل اس کے بولنے کا انداز ایسا تھا کہ اس کی بات سنتے ہی وہ ذرا دیر کے لیے رک گئی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا "چاچا! اگر آدمی بیل کی طرح ہل نہ چلائے' گدھے کی طرح بوجھ نہ اٹھائے' بکری کی طرح پان نہ چبائے' تو اسے آدمی کون کہے گا۔ ارے اسے تو کوئی اپنی لڑکی بھی نہیں دے گا۔"

بادشاہ جانی کے باتیں کرنے کا اسٹائل غضب کا تھا۔ اگر اتنی ہی بات ہوتی تو فرزانہ آگے بڑھ جاتی لیکن اس کے بعد مستری چاچا نے بادشاہ جانی کی ایک مختصر ہسٹری پیش کردی جس کی وجہ سے فرزانہ توجہ سے سننے کے لیے کھڑی ہوگئی۔ مستری چاچا کہہ رہے تھے "ارے! تجھے کون لڑکی نہیں دے گا۔ تو اچھا کماتا ہے' اچھا کھاتا ہے' اچھا لباس پہنتا ہے۔ تیری ٹیکسی ہے۔ تیرے پاس اپنا ایک مکان ہے۔ تجھے تو کوئی بھی اپنی لڑکی دینے کو تیار ہوجائے گا۔"

مستری چاچا کی یہ بات ایسی تھی جو فرزانہ اور رخسانہ کے مختصر سے خاندان کو متاثر کرسکتی تھی۔ اب وہ مخصوص نظر آرہا تھا جسے شکار کیا جاسکتا تھا۔ صرف اسے سمجھنے کی ضرورت تھی اور اسے سمجھنے کے لیے اس کے ساتھ تھوڑا وقت گزارنا ضروری تھا۔ فرزانہ نے اسی وقت فیصلہ کرلیا کہ وہ بس میں نہیں' اس ٹیکسی میں بیٹھ کر جائے گی اور اس طرح اسے کریدنے کی اور سمجھنے کی کوشش کرے گی۔

پھر اس نے سمجھنے کی کوشش شروع کردی۔ گیرج کے پاس سے چلتی ہوئی ٹیکسی کے پاس آئی اور پوچھا "ٹیکسی خالی ہے؟"

اس کے بعد اس نے بادشاہ جانی کو تھرتھراتے دیکھا۔ اسے اپنی طرف دیوانہ وار تکتے ہوئے پایا۔ وہ بادشاہ جانی کی ایک ایک حرکت کو محسوس کرتی رہی۔ اس سے نظریں چراتی رہی۔ بظاہر انجان بنتی رہی۔ قدرت نے لڑکیوں کی آنکھوں میں شرم دی ہے۔ وہ کسی کے سامنے نظریں نہیں اٹھاتیں' کسی کو نظر بھر کر نہیں دیکھتیں۔ آنکھیں جھکالیتی ہیں جب آنکھیں جھک جائیں تو سامنے کچھ نظر نہیں آتا لیکن نہیں۔ جب لڑکیوں کی آنکھیں بند ہوتی ہیں تو ان کے تجسس کی ایک چور آنکھ کھل جاتی ہے۔ اس آنکھ سے وہ سب کچھ دیکھتی رہتی ہیں۔ فرزانہ نے بھی دیکھا کہ وہ کس انداز سے آرہا ہے اور کس اسٹائل سے ٹیکسی کا پچھلا دروازہ کھول رہا ہے۔ جب وہ بولتا تھا تو فرزانہ اس کی آواز کو ندا سے سنتی تھی۔

ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھنے کے بعد اسے احساس ہوا کہ وہ اسے دل کی آنکھوں سے دیکھ کر پرکھ رہی ہے حالانکہ اسے دماغ سے پرکھنا چاہیے۔ وہ ایسی غلطی کیوں کررہی ہے؟ یہ زندگی کوئی فلم تو نہیں ہے کہ ایک تعلیم یافتہ لڑکی ایک معمولی ٹیکسی ڈرائیور سے

چشم زدن میں متاثر ہو جائے۔ اس غلطی کا پس منظر بہت دور تک تھا۔ بات یوں بھی کہ رخسانہ کے لیے اب کوئی معمولی درجے کا لڑکا ہی تلاش کیا جا رہا تھا اور جب معمولی درجے کی بات آئی تھی تو معمولی لوگ بھی اچھے بھلے لگ رہے تھے۔ وہ انسان نظر آتے تھے۔ اچھے کھانے کمانے والے دکھائی دیتے تھے جو اونچے اونچے گھرانے میں اپنا بول بالا کرتے ہیں۔ اپنی شان دکھاتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں یہ چھوٹے چھوٹے لوگ بہتر نظر آنے لگے تھے۔ رخسانہ کے ساتھ کالج میں، گھر میں، دن رات اٹھتے بیٹھتے ایسے ہی لوگوں کا تذکرہ ہونے لگا تھا۔ ایسے ہی لوگ دل کو بھا رہے تھے اور ایسے ہی لوگوں کو آزمانے کا حوصلہ پیدا ہو رہا تھا، انہیں قبول کرنے کے لیے ذہن غیر ارادی طور پر آمادہ ہوتا جا رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ غیر شعوری طور پر بادشاہ جانی کو دماغ سے دیکھنے کے بجائے دل کی آنکھ سے دیکھ رہی تھی۔

بے شک یہ اس کی غلطی تھی لیکن غلطی جان بوجھ کر نہیں ہوتی اور اس نے جان بوجھ کوئی غلطی نہیں کی تھی اور اس نے نظر بھر کر بادشاہ جانی کو دیکھا بھی نہیں تھا۔ البتہ یہ بات سمجھ میں آ رہی تھی کہ ایک وقت جو کچھ نظر آتا ہے۔ دوسرے وقت وہی نظر آنے والی بات کوئی اور مفہوم لے کر آتی ہے، جیسے یہ کہ جب اس نے چور نظروں سے بادشاہ جانی کو ٹیکسی کی جانب آتے دیکھا، ٹیکسی کا دروازہ کھولتے دیکھا تو وہ بات، وہ منظر کچھ اور تھا اور جب ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر اس نے غور کیا تو تصور کی آنکھ نے پھر وہی منظر دکھایا وہ لانبے قد کا جوان لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا ٹیکسی کی طرف آ رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اس کا پاؤں کسی کچی زمین پر پڑ رہا ہے اور زمین دہل رہی ہے۔ جب اس نے پچھلی سیٹ کے دروازے کے ہینڈل کو تھام کر اسے کھولا تو اس کی بڑی سی ہتھیلی اور چوڑے پنجے نظر آئے۔ موٹی موٹی بھدی انگلیاں ایسے لگیں جیسے سلاخیں ہوں۔ اس نے دروازے کے ہینڈل کو جکڑ لیا۔ اس کی مٹھی اتنی مضبوط اور مستحکم لگی کہ فرزانہ کی کلائی کانپنے لگی۔

ایسا ارادتاً نہیں ہوتا۔ اگر ہوتا تو فرزانہ کو پہلے ہی خبر ہو جاتی۔ اسے تو بعد میں ہوش آیا کہ وہ کیا دیکھ رہی تھی؟ اور اس کا دماغ چوری چوری کیا محسوس کر رہا تھا۔ اس وقت تک ٹیکسی آگے بڑھ گئی تھی۔ وہ خیالات سے چونک گئی۔ اس نے سامنے کی طرف دیکھا

تو ٹیکسی کا میٹر نظر آیا۔ اس نے بات شروع کرنے کے بہانے ذرا ناراضگی سے کہا "یہ تم نے میٹر کیوں نہیں آن کیا؟"

تب بادشاہ جانی نے اسے بتایا کہ آج وہ بہت خوش ہے۔ اس لیے میٹر آن کرے گا اور نہ ہی کرایہ لے گا اور اسے کالج سے واپس گھر بھی کرایہ لیے بغیر پہنچائے گا۔ اس نے پوچھا تھا کہ آخر خوشی کس بات کی ہے؟

تب اس نے بتایا کہ اس کی شادی ہونے والی ہے۔ وہ اپنی باتوں سے کچھ احمق اور کچھ بھولا بھالا سا لگا۔ نہ تو اس نے لڑکی کی مرضی پوچھی تھی اور نہ ہی لڑکی کا گھر دیکھا تھا۔ خواہ مخواہ خوش ہو رہا تھا کہ اسے کسی شریف گھرانے میں رشتہ مل جائے گا۔

بہرحال فرزانہ کو یہ معلوم ہو گیا کہ وہ کسی اچھے گھرانے میں شادی کرنا چاہتا ہے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس کی اپنی ٹیکسی ہے، اپنا مکان ہے۔ اچھا کماتا ہے اور اچھا کھاتا ہے لیکن باتوں سے اس کے مزاج کا اور اس کی عادتوں کا پتا نہیں چل رہا تھا۔ کبھی تو وہ اپنی باتوں سے بہت چالاک اور دانش مند لگتا تھا کیونکہ اس نے اپنی ٹیکسی کو یونیورسٹی کہا تھا اور اس کی تفصیل بیان کی تھی۔ ایک بار اس نے کہا تھا کہ وقت سے پہلے ہنسنے والے کو پاگل کہتے ہیں لیکن یہ امید وقت سے پہلے ہی ہنساتی ہے چاہے بعد میں رلا دے۔

کبھی اس کی باتوں سے حماقت ظاہر ہوتی تھی۔ ایک بار فرزانہ نے کہا کہ وہ جہانگیر روڈ پر اپنی سہیلی کے یہاں کتاب اور نوٹس لینے آئی تھی۔ اس کے جواب میں بادشاہ جانی نے کہا تھا کہ اس کے پاس بھی پانچ کے، دس کے، پچاس کے اور سو کے نوٹ ہر وقت جیب میں پڑے رہتے ہیں۔ اس پر فرزانہ کو بڑے زور کی ہنسی آئی تھی۔ باتوں ہی باتوں میں جلد ہی یہ بھید بھی کھل گیا کہ بادشاہ جانی دراصل اسے پسند کرنے لگا ہے۔ وہ زیادہ پڑھا لکھا نہیں تھا اور زیادہ دور تک سوچ نہیں سکتا تھا اس لیے اچانک ہی آپ کہتے کہتے تم کہنے لگا تھا۔

ٹیکسی میں سفر کے دوران باتیں آگے بڑھتی رہیں تھیں۔ وہ دل ہی دل میں سوچتی رہی تھی جب وہ خود ہی میری طرف مائل ہو گیا ہے تو بات کو آگے بڑھتے رہنا چاہیے یہ دو بجے مجھے کالج سے گھر پہنچانے آئے گا تو مجھے انکار نہیں کرنا چاہیے۔

لیکن جب یہی بات بادشاہ جانی نے کہی تو اس نے رسمی طور پر انکار کیا۔ مجھے ٹیکسی

میں مفت سفر کرنا اچھا نہیں لگتا اور یہ کہہ کر وہ کالج کے گیٹ میں داخل ہو گئی تھی۔ اسے یقین تھا کہ دو بجے بادشاہ جانی ضرور آئے گا۔

کالج کے احاطے میں داخل ہو کر وہ ایک دیوار کی آڑ میں کھڑی ہو گئی۔ اس طرح کہ بادشاہ جانی اسے نہ دیکھ سکے لیکن اسے وہ ٹیکسی نظر آ رہی تھی۔ بادشاہ جانی کچھ دیر تک وہاں بیٹھا رہا' سوچتا رہا پھر ٹیکسی اسٹارٹ کر کے چلا گیا۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ ضرور دو بجے آئے گا۔ اچانک رخسانہ کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

اس نے تیزی سے پلٹ کر دیکھا۔ رخسانہ برقع پہنے چہرے پر نقاب ڈالے کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے حیرانی سے پوچھا "تمہاری تو طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ تم آج کالج آنا نہیں چاہتی تھیں پھر کیسے آ گئیں؟"

"کیا کروں' تمہارے جانے کے بعد دل نہیں لگ رہا تھا۔ کالج کی بس آئی تو میں نے فوراً ہی کتابیں اور کاپی اٹھائی اور بس میں آ کر بیٹھ گئی۔ اب تم بتاؤ کہ باہر کے دیکھ رہی تھیں؟"

"ہائے رخسانہ! اگر تھوڑی دیر پہلے آ جاتیں تو میں اسے دکھاتی۔ وہ ایک ٹیکسی ڈرائیور ہے اور ٹیکسی کا مالک بھی ہے۔ اسے ڈرائیور نہیں کہنا چاہیے۔ بہت اچھی آمدنی ہے۔ اس کی اپنی ٹیکسی ہے۔"

رخسانہ نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا "ایک بار تم نے کہہ دیا کہ ٹیکسی کا مالک ہے پھر تم یہ کیوں کہتی ہو کہ اس کی ٹیکسی ہے؟ بار بار ایک ہی بات دہرا رہی ہو۔ تم اپنے آپ میں نظر نہیں آ تیں؟"

وہ ذرا سنبھل کر بولی "مجھے گرمی لگ رہی ہے اس لیے گڑبڑا رہی ہوں۔ کینٹین میں بیٹھیں گے۔ کچھ ٹھنڈا پئیں گے پھر میں تمہیں بتاؤں گی۔"

وہ کینٹین میں آ گئیں۔ وہاں فرزانہ نے بتایا کہ بادشاہ جانی کس قسم کا آدمی ہے' کیسی باتیں کرتا ہے' اسے دیکھ کر' اس سے کچھ باتیں کرنے کے بعد فرزانہ نے اسے رخسانہ کے لیے منتخب کیا ہے۔

رخسانہ نے کہا "اگر وہ ٹیکسی ڈرائیور ہے تو اس کی بڑی بڑی مونچھیں ہوں گی یا بدمعاشوں کی طرح دونوں جانب سے مونچھیں لٹکتی ہوں گی۔ گال پچکے ہوں گے' آنکھیں

بڑی بڑی سرخ ہوں گی جیسے ابھی چرس کا دم لگا کر آیا ہو۔"

فرزانہ نے انکار میں سر ہلا کر کہا "یہی تو بات ہے کہ اس میں ایسی کوئی بات نہیں ہے' وہ کسی طرح بھی ٹیکسی ڈرائیور معلوم نہیں ہوتا تھا۔ بس ذرا ان پڑھ ہے۔"

رخسانہ نے کہا "صرف یہ بات نہیں ہے۔ بات یہ بھی ہے کہ وہ پیشے کے اعتبار سے ٹیکسی ڈرائیور ہے۔ امی وغیرہ کیا سوچیں گی؟"

"سوچنا تمہارا کام ہے۔ امی کا کام نہیں ہے۔ یہ فیصلہ آج ہی ہو جانا چاہیے۔ وہ دو بجے آئے گا۔ اچھا ہوا کہ تم یہاں آ گئیں۔ اب اسے دیکھ لینا۔ میں اس کے ساتھ جاؤں گی۔ تھوڑی دیر وقت گزار کر اس سے باتیں کروں گی۔ اس کی عادتوں کو' اس کے مزاج کو سمجھنے کی کوشش کروں گی پھر اسے گھر لے آؤں گی۔ تم پہلے سے جا کر امی وغیرہ کو بتا دینا۔"

رخسانہ نے پوچھا "مجھے اس کی ایک ایک بات بتاؤ۔ وہ دیکھنے میں اور سننے میں کیسا ہے؟"

فرزانہ سوچنے لگی۔ رخسانہ نے سوال کیا تھا کہ وہ دیکھنے میں کیسا ہے؟ فرزانہ اسے خلا میں دیکھنے لگی۔ رخسانہ نے سوال کیا تھا کہ وہ سننے میں کیسا ہے؟ وہ سننے میں ایسا ہے کہ اس کی آواز سے دل کو دھڑکنوں کی آواز ملتی ہے۔ رخسانہ نے پوچھا "تم ادھر دیوار کو کیا دیکھ رہی ہو۔ کیا اس کے خیالوں میں کھو گئی ہو؟"

فرزانہ نے چونک کر اسے دیکھا پھر مسکراتے ہوئے بولی "ہاں' میں اسی کے متعلق سوچ رہی تھی کہ تمہیں اس کے بارے میں کیا بتاؤں' کہاں سے بتانا شروع کروں؟ وہ بہت ہی دلچسپ آدمی ہے۔"

وہ اس کے متعلق ایک ایک بات پوری تفصیل سے بتانے لگی۔ اس سے بادشاہ جانی کی ایک گھنٹے کی ملاقات تھی مگر وہ چار گھنٹے تک اس کے بارے میں بولتی رہی۔ ایسا ہوتا ہے۔ جب ایک ٹیکسی ڈرائیور کے متعلق کچھ کہنا ہو تو ایک حقارت بھری اونہہ کے بعد ساری بات مکمل ہو جاتی ہے۔ ایک اونہہ میں ساری تفصیل آ جاتی ہے کہ ایسے لوگ قابل ذکر نہیں ہوتے لیکن جس کے ذکر میں ہائے کا چٹخارہ ہو اس کی بات کرتے صبح سے شام اور شام سے صبح ہونے لگتی ہے۔ فرزانہ اسے بادشاہ جانی کے متعلق بتا رہی تھی اور

بار بار اس کا گلا خشک ہو رہا تھا۔ یوں جیسے بات حلق میں اٹک رہی ہو اور رخسانہ کی بھلائی کی خاطر' اپنی غلطی کی تلافی کی خاطر ان باتوں کو اگلتی جا رہی ہو۔ اگر اس کے سامنے رخسانہ نہ ہوتی' اس کا بگڑا ہوا چہرہ نہ ہوتا تو وہ آج کی انجانی اور ادھوری ملاقات کو ایک راز کی طرح دل کی ڈبیہ میں چھپا کر رکھ لیتی اور بڑی فرصت سے' چپکے چپکے اس راز کا انکشاف اپنی ذات پر کرتی رہتی۔

وہ دو بجے آنے والا تھا۔ اس کے آنے سے پہلے دونوں سہیلیوں کی عجیب حالت تھی۔ ایک اس کی باتیں سن رہی تھی اور دوسری سناتے ہوئے لڑکھڑا رہی تھی۔ کبھی کبھی یہ سوچ کر جھنجلا جاتی تھی کہ وہ ایک ٹیکسی ڈرائیور سے کیوں متاثر ہو رہی ہے۔ آخر اس میں کیا بات ہے۔ کیا وہ فلمی ہیرو ہے؟ یا آسمان سے اترا ہے؟ جو ایک گھنٹے کی ملاقات میں اتنا سر چڑھا جا رہا ہے۔

بات سر پر چڑھنے کی نہیں تھی' سر پر چڑھانے کی تھی۔ وہ لڑکیاں ہی اسے اہمیت دے رہی تھیں۔ ایک چھوٹے آدمی کو قدر آور بنا رہی تھیں کیونکہ وہ جو بھی تھا' جیسا بھی تھا' ان کی ضرورت تھا۔ ضرورت رخسانہ کے لیے تھی کیونکہ اس سے بہتر اسے اور کوئی نہیں مل سکتا تھا۔ فرزانہ کو تو ایک سے بڑھ کر ایک جیون ساتھی مل سکتا تھا پھر وہ کیوں باؤلی ہو رہی تھی؟ زمین کی دھول اٹھا کر اپنے سر پر ڈال رہی تھی۔ کوئی دیوانے سے پوچھے کہ وہ مٹی اپنے سر پر کیوں ڈالتا ہے؟ تو دیوانہ ہنس دے گا۔ اس کی ہنسی ایک گہرا جواب ہوگی۔ جیسے طنز کر رہا ہو کہ پوچھنے والو! تم کیا جانو دیوانگی کیا ہوتی ہے۔ وہ اونچ نیچ نہیں دیکھتی' مشرق و مغرب کی سمت نہیں پہچانتی۔ وہ جھکنا جانتی ہے اور جھک کر کسی بھی چیز کو اٹھا کر اسے برابر لانا چاہتی ہے۔

دونوں سہیلیوں نے اس دن کی آخری کلاس اٹینڈ نہیں کی۔ ایک بجے ہی اوپری منزل پر آگئیں اور وہاں سے سڑک کی طرف دیکھنے لگیں۔ آدھے گھنٹے بعد وہ ٹیکسی نظر آئی۔ بادشاہ جانی مقررہ وقت سے آدھے گھنٹے پہلے پہنچ گیا تھا۔ فرزانہ نے بتایا۔ "دیکھو وہی ٹیکسی ہے اور اس میں وہ بیٹھا ہوا ہے۔ ہاں! اب دیکھو وہ گاڑی سے نکل رہا ہے۔ تم گیٹ کے باہر جاؤ اور اسے قریب سے دیکھو۔ جب کالج کی بس جانے لگے گی تو تم بس میں بیٹھ کر چلی جانا۔ اس کے بعد میں یہاں سے نکلوں گی۔"

رخسانہ چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی فرزانہ کے دل نے کہا۔ یہ بادشاہ جانی کے ساتھ اچھا نہیں ہو رہا ہے۔ بے شک رخسانہ ضرورت مند ہے اور اس کا علاج یہی ہے کہ اس کی شادی ہو جائے لیکن ایک لڑکی کا علاج کرنے کے لیے کسی دوسرے کو گڑھے میں نہیں گرانا چاہیے۔ اسے بادشاہ جانی کی سادگی اور بھولپن یاد آ رہا تھا۔ ایسے سیدھے اور بھولے بھالے آدمی کو دھوکا دینا کہاں کی شرافت ہے؟ کیا وہ اچھا کر رہی ہے؟

گیٹ کے باہر وہ ٹیکسی کے پاس ٹہل رہا تھا۔ بار بار گیٹ کو دیکھ رہا تھا۔ کتنے ہی طلبا اور طالبات باہر آ رہے تھے اور کالج کی بس میں بیٹھ رہے تھے۔ وہیں ایک برقع پوش لڑکی کھڑی ہوئی اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا۔ اسے تو بس ایک ہی لگن تھی کہ جسے ایک بار دیکھا ہے' وہ جلد دوبارہ نظر آ جائے۔

رخسانہ وہاں سے پلٹ کر پھر کالج کے احاطے میں داخل ہوئی۔ دوسری طرف فرزانہ اوپری منزل سے اتر آئی تھی۔ دونوں کینٹین کے پاس ملیں۔ رخسانہ نے فرزانہ کا ہاتھ دبا کر خوشی سے کہا "وہ تو بہت ہی خوب صورت اور اسمارٹ دکھائی دے رہا ہے۔ پتا ہی نہیں چلتا کہ وہ ان پڑھ اور ٹیکسی ڈرائیور ہے۔ تم اسے ڈرائیور نہ کہو وہ ٹیکسی کا مالک ہے۔"

فرزانہ نے اس کے ہاتھ کو تھپک کر کہا "اچھی بات ہے' میں باتوں ہی باتوں میں اسے سمجھا دوں گی کہ وہ خود کو ڈرائیور نہ سمجھے' خود کو ٹیکسی کا مالک کہتا رہے اس طرح اس کا طبقہ بدل جائے گا۔ معاشرے میں اس کی عزت بڑھ جائے گی اور ایک شریف خاندان اس کو سر آنکھوں پر بٹھائے گا۔ میں اسے سمجھا دوں گی۔"

رخسانہ نے خوش ہو کر کہا "بس جانے والی ہے' میں جا رہی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ گیٹ کی طرف بڑھی۔ چند قدم جانے کے بعد پھر پلٹ کر آئی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی "دیکھو جلدی آنا۔ میں تمہارا انتظار کروں گی۔ امی کو ساری باتیں بتا دوں گی۔ جلدی آؤ گی نا؟"

"ہاں بابا! جلدی آؤں گی۔ تو جا اب بس جانے والی ہے۔"

وہ تیزی سے چلتے ہوئے گیٹ کے باہر آگئی اور بس میں بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر بعد کالج کی وہ بس وہاں سے رخصت ہوگئی۔ اس کے بعد فرزانہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے گیٹ کی

طرف جانے لگی۔ اس کا دل آپ ہی آپ دھڑک رہا تھا۔ وہ پسینا پسینا ہو رہی تھی۔ ایک تو وہ اپنے اندر کی بات کو اچھی طرح نہیں سمجھ رہی تھی۔ دوسرے اس کا ضمیر اسے ملامت کر رہا تھا۔ وہ ایک سیدھے سادے آدمی کو دھوکا دینے جارہی تھی۔ فرزانہ سے رخسانہ بننے والی تھی اور رخسانہ بن کر اسے کسی اور کا دولہا بنانے والی تھی۔

گیٹ تک پہنچتے پہنچتے اسے پھر اپنی سہیلی کی بے بسی اور بیماری کا شدت سے احساس ہوا۔ کیے ہوئے وعدے اور قسمیں یاد آئیں کہ وہ سہیلی کے لیے اپنی جان بھی دے دے گی۔ جب تک اس کی سہیلی سہاگن نہیں بنے گی' اس وقت تک وہ بھی دلہن نہیں بنے گی۔ اس کے لیے بڑی سے بڑی قربانیاں دے گی۔ یہ جذبہ اس پر غالب آنے لگا۔ تب ہی گیٹ کے پاس پہنچ کر اس نے نظریں اٹھا کر بادشاہ جانی کو دیکھا تو ایک دم سے دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ وہ صبح والا ٹیکسی ڈرائیور نظر نہیں آرہا تھا۔ وہاں تو کوئی دوسرا ہی اسمارٹ اور خوبرو نوجوان کھڑا ہوا تھا۔ لباس بھی بدلا ہوا تھا اور اس کی شخصیت بھی بدلی ہوئی تھی۔ اسے یقین نہیں آیا کہ وہ بادشاہ جانی کو دیکھ رہی ہے۔

وہ انجان بن کر بولی "میں نے جھوٹ سمجھا تھا' تم سچ مچ آگئے؟"

وہ بولا "یہ مرد کی زبان ہے' گاڑی کا بریک فیل ہو سکتا ہے' مرد کی زبان فیل نہیں ہو سکتی۔"

ہائے! کیسی بات کرتا تھا' بات کرنے کا حق ادا کر دیتا تھا۔ وہ جلدی سے آگے بڑھ کر ٹیکسی کی طرف جانے لگی۔ بادشاہ جانی نے پوچھا "تم کچھ پریشان نظر آرہی ہو۔ کسی نے کچھ کہا ہے؟ اگر کہا ہے تو بتاؤ' میں ایک ایک کا کچومر نکال دوں گا۔"

وہ بولی "ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بھلا مجھے کوئی کیا کر سکتا ہے؟"

یہ کہہ کر اس نے ٹیکسی کی پچھلی نشست کا دروازہ کھولا پھر وہ ایک دم سے جاگتی آنکھوں کے ساتھ خوابوں کی جنت میں پہنچ گئی۔ دروازہ کھلتے ہی خوشبو کا جھونکا آیا تھا۔ ایسا لگا جیسے وہ جلتی دھوپ سے گزرتے گزرتے اچانک ٹھنڈی چھاؤں میں پہنچ گئی ہو۔ پچھلی سیٹ پر پھولوں کی تازہ پتیاں بکھری ہوئی تھیں۔ اتنی اچھی خوشبو تھی' اتنی آرام دہ جگہ لگ رہی تھی کہ وہ کچھ سوچنے سے پہلے بے اختیار وہاں بیٹھ گئی۔ دروازے کو بند کرلیا۔ پھولوں کی پتیوں کو نظریں جھکائے دیکھنے لگی۔ ہائے یہ کیا ہو گیا؟ وہ تو رخسانہ کے

لیے پھولوں کی سیج بچھائے آئی تھی۔ دیوانے نے اس کے لیے سیج بچھادی۔ اس کا سر گھومنے لگا۔ اسے پتا نہ چلا کہ بادشاہ جانی کب اسٹیئرنگ سیٹ پر آکر بیٹھا۔ کتنی دیر تک خاموش بیٹھا رہا پھر گاڑی آگے بڑھی تو فرزانہ نے سر اٹھا کر دیکھا' بادشاہ جانی اس کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن پوچھ رہا تھا کہ وہ پریشان کیوں ہے؟ اسے خدا کا واسطہ دے کر اس کی پریشانی معلوم کرنا چاہتا تھا۔ اب وہ کیا جواب دیتی۔ اسے کیسے بتاتی کہ وہ اس کے لیے پھولوں کی پتیاں بچھا رہا ہے اور وہ شریف لوگ اس کے لیے جال بچھا رہے ہیں؟

اس نے ذرا سوچنے کے بعد بات بنائی کہ وہ ابھی ایک لاش کو چیر کر آرہی ہے اس لیے اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے' حلق خشک ہو رہا ہے۔ اسے سخت پیاس لگ رہی ہے۔ بادشاہ جانی نے اسے ایک جگہ سے جوس پلایا پھر وہ وہاں سے کلفٹن گئے۔ کلفٹن میں ساحل کے کنارے ریت پر چلتے ہوئے وقت گزارتے رہے اور خوب باتیں کرتے رہے۔ باتیں جو بنتی ہیں تو بتنگڑ بن جاتی ہیں۔ بات دل میں رہے تو کینہ ہے' زبان پر آئے تو محبت ہے۔ بات دو دھاری تلوار بھی ہوتی ہے جسے فرزانہ آزما رہی تھی۔ بات پھولوں کا ہار بھی ہوتی ہے۔ جس کے زخم بادشاہ جانی سہہ رہا تھا۔

وہ شام کے وقت اسے رخسانہ کے گھر لے آئی پھر اسے رخسانہ کی امی کے سامنے پہنچادیا۔ خود دوسرے کمرے میں رخسانہ کے پاس آگئی۔ ادھر رخسانہ بری طرح بے تاب ہو رہی تھی۔ اسے تنہائی میں پاتے ہی طرح طرح کے سوالات کرنے لگی۔ فرزانہ نے کہا "کیوں بے چین ہو رہی ہو؟ ابھی تو ساری رات پڑی ہے۔ میں تمام باتیں تمہیں تفصیل سے سمجھا دوں گی۔"

جانی جب رخصت ہونے لگا تو فرزانہ پہلے ہی ٹیکسی کے پاس جاکر کھڑی ہوگئی تھی۔ اسے آہستہ سے سمجھا دیا کہ دوسرے دن عباسی اسپتال کے سامنے صبح نو بجے ملے گی۔ اس وقت رخسانہ کی امی نے اندر سے آواز دی "رخسانہ! ادھر آؤ۔"

وہ جانی سے رخصت ہو کر اندر آئی تو رخسانہ کی امی نے کہا "بیٹی! اب اس سے تمہارا ملنا مناسب نہیں ہے۔ تمہارا کام ختم ہو چکا ہے' ہم صرف تمہاری صورت دکھانا چاہتے تھے۔ وہ لڑکا دیکھ چکا ہے' اب تم اس سے ملتی رہو گی تو وہ تمہاری ہی ذات میں دلچسپی لیتا رہے گا لہٰذا اب تمہیں اس کا سامنا بالکل نہیں کرنا چاہیے۔"

پلاننگ یہی تھی کہ فرزانہ اپنا چہرہ دکھا کر رخسانہ بن کر پھر چھپ جائے گی اس کا کام ختم ہو جائے گا لیکن بادشاہ جانی کے ساتھ اپنا وقت گزارنے کے بعد وہ بھول گئی تھی کہ اسے بادشاہ جانی کی نگاہوں سے چھپنا ہو گا۔ یہ بات اس سے برداشت نہ ہو سکی۔ اس نے بے اختیار کہا "خالہ جان! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ مجھے تو بادشاہ جانی سے ملنا چاہیے۔"

رخسانہ کی امی نے ذرا گھور کر پوچھا "کیوں ملنا چاہیے؟"

وہ ذرا ہچکچائی پھر بولی "وہ اس لیے کہ بات آگے بڑھی نہیں ہے اور بات آگے چلانے کے لیے اسے یہاں لانے کے لیے میں ہی تو اس سے رابطہ قائم کروں گی۔"

رخسانہ کی امی نے ذرا سوچ کر کہا "ہاں' یہ تو میں نے لڑکے سے کہا ہی نہیں کہ وہ کل یہاں آئے۔ اسے آنا چاہیے۔ ٹھیک ہے' وہ تم سے باہر ملے تو اس سے کہنا کہ کل یہاں آجائے پھر میں رخسانہ کے ابو کو اس کے ساتھ بھیجوں گی وہ اس کی زمین کے اور ٹیکسی کے کاغذات دیکھیں گے اور معلوم کریں گے کہ اس کا کوئی آگے پیچھے ہے یا نہیں۔"

اس کے بعد سب ہی وہاں بیٹھ کر آپس میں خیالی پلاؤ پکانے لگے۔ طرح طرح کے منصوبے بنانے لگے۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ اگر بادشاہ جانی کی بارات میں عورتیں آئیں گی اور نکاح سے پہلے ہی انہوں نے گھونگٹ کے پیچھے رخسانہ کے آدھے چہرے کو دیکھ لیا تو بات بگڑ جائے گی پھر بادشاہ جانی بھڑک کر چلا جائے گا۔ ہر طرح کی پیش بندی ضروری تھی۔ بادشاہ جانی کو پابند کرنے کے لیے پہلے سے سوچ لیا گیا تھا کہ مہر کی رقم پچاس ہزار رکھی جائے تاکہ وہ طلاق کا لفظ زبان پر نہ لا سکے۔ دیکھا جائے گا کہ وہ کس شدت سے رخسانہ کی تمنا کرتا ہے پھر اسے بہلا پھسلا کر اس کا مکان اور پلاٹ رخسانہ کے نام لکھوا لیا جائے گا تاکہ وہ ہر طرح سے پابند ہو جائے اور شادی کے بعد رخسانہ کا چہرہ دیکھ کر فریاد بھی نہ کر سکے۔

ان باتوں کے دوران میں فرزانہ باتھ ر۔۔ سانہ کرکے اپنے گھر آئی پھر اپنے کمرے میں پہنچتے ہی بستر پر اوندھے منہ گر پڑی۔ اس بری طرح گھبرا رہا تھا۔ طبیعت پریشان تھی' دماغ پر بوجھ تھا۔ رہ رہ کر بادشاہ جانی کی صورت آنکھوں کے سامنے آتی تھی۔ اس کا ضمیر ایک ہی بات پوچھتا تھا کہ اس آدمی نے اس کا کیا بگاڑا ہے؟ وہ کیوں اسے دھوکا دے

رہی ہے؟

رخسانہ کی بے چینی الگ تھی۔ وہ اب فرزانہ کے بغیر ایک پل نہیں رہ سکتی تھی۔ تنہائی کا موقع ڈھونڈ رہی تھی کہ وہ کہیں بھی اکیلی جائے تو اس کے پیچھے پہنچ جائے۔ وہ اس کے پیچھے اس کے کمرے میں پہنچ گئی۔ اسے بستر پر اوندھے منہ لیٹے دیکھ کر بولی "تم یہاں آکر سو رہی ہو۔ کیا مجھ سے پیچھا چھڑا رہی ہو؟"

فرزانہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ رخسانہ نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "ارے! تمہاری تو آنکھیں بھیگی ہوئی ہیں۔ کیا بات ہے؟"

فرزانہ نے گھبرا کر اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھا۔ تب پتا چلا کہ وہ کسی کے لیے رونا بھی سیکھ گئی ہے وہ جلدی سے سنبھل کر بولی "کوئی بات نہیں ہے بس یونہی ذرا سر میں درد ہو رہا ہے۔"

رخسانہ نے قریب آکر کہا "اٹھو' میرے سامنے کھڑی ہو جاؤ۔ مجھ سے آنکھیں ملا کر بولو۔ کیا بات ہے۔ مجھ سے چھپاؤ گی تو ٹھیک نہیں ہو گا۔"

فرزانہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی پھر زبردستی مسکراتے ہوئے بولی "کوئی بات نہیں ہے' تم خواہ مخواہ پیچھے پڑ جاتی ہو۔"

رخسانہ نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا "کیا تم بادشاہ جانی کے متعلق سوچ رہی تھیں؟"

فرزانہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھا پھر ایک گہری سانس لے کر بولی "میں جس انداز میں سوچ رہی ہوں' وہ تمہیں بتاؤں تو شاید تمہیں دکھ ہو گا۔"

"مجھے دکھ نہیں ہو گا۔ میں سچ سننا چاہتی ہوں۔"

"رخسانہ! میرا ضمیر مجھے بار بار کہتا ہے کہ میں غلطی کر رہی ہوں' وہ بادشاہ جانی ہیرا ہے ہیرا۔ ایسا سیدھا سادا اور شریف انسان ہے کہ اسے دھوکا دینا اچھا نہیں لگ رہا ہے۔"

رخسانہ حیرانی سے ایک قدم پیچھے ہٹ گئی پھر بولی "کیا تم سمجھ رہی ہو کہ ہم اسے لوٹ رہے ہیں؟ اس کا مکان' اس کا پلاٹ میرے نام لکھا جائے گا تو کیا میں اسے گھر سے بے گھر کر دوں گی۔ اس کے مکان پر قبضہ کرکے وہاں اپنی حکومت قائم کر لوں گی؟ تم مجھے

اتنی گری ہوئی لڑکی سمجھتی ہو؟"

"میں یہ نہیں کہہ رہی ہوں کہ تم ایسا کرو گی۔ تم لالچی نہیں ہو لیکن اسے صورت کسی اور کی دکھائی گئی ہے اور دلہن کوئی اور بنے گی تب وہ میرے متعلق کیا سوچے گا۔ فریبی، مکار، جھوٹی، دغاباز اور جانے کیا کچھ کہے گا۔"

"اچھا تو تم اس کے سامنے نیک نام رہنا چاہتی ہو۔ ہاں وہ ایسا ہے کہ اس کے لیے تم بدنام ہو جاؤ گی۔ ایک سہیلی کے لیے بدنام ہونے کا بھلا فائدہ ہی کیا ہو گا؟"

"رخسانہ تم غلط سمجھ رہی ہو۔ میں بھلا اس کے لیے کیوں بدنام ہونے جاؤں گی۔ میں تو تمہارے لیے اپنی جان بھی دینے کو تیار ہوں۔"

رخسانہ غصے سے بولی "بکواس مت کرو۔ جان دینے والیاں ایسی نہیں ہوتیں۔ ایک بات بن رہی ہے تو تم اسے بگاڑنے کے انداز میں سوچ رہی ہو۔ تمہیں اس سے ہمدردی ہو گئی ہے تم اتنا تو سوچو کہ وہ میرا جیون ساتھی بنے گا تو کیا میں اس کی دشمن بن کر رہوں گی؟ کیا میں اسے برباد کردوں گی؟ کیا میں اس کی جائداد پر قبضہ جمالوں گی؟ کیا میں اس سے مہر کے پچاس ہزار روپے وصول کر کے اسے ٹھوکر مار دوں گی؟"

"دیکھو رخسانہ! میں تمہیں دشمن نہیں کہہ رہی ہوں، میں اپنے آپ کو کہہ رہی ہوں کہ اسے بے وقوف بنا کر اس سے دشمنی کر رہی ہوں۔"

"تو پھر دیر کس بات کی ہے فری بیگم۔ اس کے گلے کا ہار بن جاؤ۔ دوستی ہو جائے گی۔ میں تمہاری نیت کو خوب سمجھ رہی ہوں۔ جب جمشید علی ہمیں بے وقوف بنانے کے لیے خط لکھا کرتا تھا اس وقت بھی تم احساس کمتری میں مبتلا ہو جایا کرتی تھیں۔ مجھ سے برتر ہونے کے لیے ثابت کرنا چاہتی تھیں کہ وہ تمہیں بھی خط لکھتا ہے، آج بادشاہ جانی ہمارے درمیان آیا ہے تو پھر وہی چالیں چل رہی ہو۔ تم اپنی فطرت سے باز نہیں آؤ گی۔"

وہ پاؤں پٹختے ہوئے دروازے تک گئی پھر وہاں سے پلٹ کر بولی "میں لعنت بھیجتی ہوں تمہاری دوستی پر اور تمہاری مہربانیوں پر، میں تمہاری صورت دکھا کر کسی کو پھانسنا نہیں چاہتی۔ میں اپنی زندگی آپ بناؤں گی۔ تمہیں وہ ٹیکسی ڈرائیور مبارک ہو۔ تھو ہے تم پر۔"

یہ کہہ کر وہ غصے سے چلی گئی۔ فرزانہ نے اسے آواز دی مگر وہ واپس نہیں آئی۔ اس رات پڑوس کے مکان سے رخسانہ کے رونے کی آوازیں سنائی دیں پھر اس کے قہقہے سنائی دیے اس کے بعد چیخیں بلند ہونے لگیں، محلے والے سمجھ گئے کہ کیا ہو رہا ہے، اس لیے کوئی نہیں آیا۔ ادھر سے فرزانہ کی امی آگئیں۔ انہوں نے واپس آکر بتایا کہ پھر رخسانہ پر ہسٹیریا کا دورہ پڑا ہے۔ اسے بڑی مشکلوں سے سنبھالا گیا ہے۔ ڈاکٹر انجکشن لگا کر گیا ہے۔ وہ ابھی چپ چاپ آنکھیں بند کیے لیٹی ہوئی ہے۔

فرزانہ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر رونے لگی۔ رخسانہ ابھی پرسکون تھی تو کیا ہوا، اسے دورہ پڑے گا اور بار بار پڑے گا۔ اس کی چیخیں فرزانہ پر پتھر برسائیں گی۔ تب اس نے اسی وقت مصمم ارادہ کرلیا کہ وہ بادشاہ جانی کو دھوکا دے گی، جھوٹ بولے گی لیکن رخسانہ کی زندگی برباد نہیں ہونے دے گی۔ وہ اسے ضرور بادشاہ جانی کی دلہن بنائے گی۔

اس کی امی نے حیرانی سے پوچھا "وہ اتنی دیر تک چیختی چلاتی رہی مگر تم اسے دیکھنے نہیں گئیں؟"

وہ سر اٹھا کر بولی "ہاں جاؤں گی، ابھی جاؤں گی۔"

"کیا بات ہے تم دونوں میں پھر جھگڑا ہو گیا ہے؟ تم کیوں رو رہی ہو؟"

"بس یونہی۔"

"یونہی تو کبھی رونا نہیں آتا۔ کوئی تو وجہ ہوتی ہے۔ اگر جھگڑا نہیں ہوا ہے تو تم اس کے دکھ، اس کی بیماری پر آنسو بہا رہی ہو اور اگر اس کی بے چارگی پر آنسو بہا رہی تھیں تو تمہیں سب سے پہلے اس کے پاس جانا چاہیے۔ اس کے سرہانے بیٹھنا چاہیے، اسے تسلی دینا چاہیے۔ جیسے کہ تم ہمیشہ کرتی ہو۔ آج اس سے دور یہاں بیٹھی ہوئی ہو کیا ہمیں نہیں معلوم کہ تم دونوں کھانا چھوڑ کر ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتی ہو۔ جب جھگڑا کرتی ہو تو دکھ بیماری میں بھی شریک نہیں ہوتیں، آخر تم دونوں کا مزاج کیسا ہے؟"

وہ بیزاری سے بولی "بس ایسا ہی ہے، جانے دیجیے امی۔"

"یہاں اکیلی کیوں بیٹھی ہو؟ رخسانہ کے پاس جاؤ۔"

"اب وہاں جانے کی ضرورت نہیں رہی۔ اس ڈرامے میں، میں نے اپنا رول ادا کر دیا۔ میری ایکٹنگ ختم ہو گئی، میری صورت دکھا دی گئی۔ اب میرا کیا؟"

اس کی امی اس کے پاس آکر بیٹھ گئیں پھر بولیں "ضرور کوئی خاص بات ہے ورنہ تم ایسی باتیں نہ کرتیں۔ یہ سب جو کچھ کہا گیا ہے' وہ اس لڑکے کے لیے کہا گیا ہے مگر تمہاری سہیلی سے تو تمہارا رشتہ نہیں ٹوٹ گیا۔ تم ایسی باتیں کیوں کرتی ہو۔ تم دونوں میں کس قسم کے اختلافات ہیں' مجھے بتاؤ۔"

فرزانہ نے نظریں اٹھا کر امی کو دیکھا پھر بڑے دکھ سے بولی "امی میں نے بادشاہ جانی کے ساتھ جو کچھ بھی کیا ہے' اچھا نہیں کیا۔ مانا کہ رخسانہ کے علاج کے لیے راستہ ہموار ہو رہا ہے مگر وہ بھی بہت اچھا آدمی ہے۔ اچھے آدمیوں کو دھوکا دیتے وقت' جھوٹ بولتے وقت دل دکھتا ہے۔ بس یہی بات میں نے رخسانہ سے کہہ دی تو وہ آگ بگولا ہو گئی' کہنے لگی کہ میں بادشاہ جانی پر مرمٹی ہوں۔ وہ بہت الٹی سیدھی باتیں کر کے غصے میں یہاں سے گئی تھی۔"

"تم دونوں کو بڑی جلدی غصہ آتا ہے۔ کسی بات پر وہ اکڑ دکھاتی ہے اور کسی بات پر تم بھڑک جاتی ہو' چلو جاؤ۔ وہ ہوش میں آگئی ہوگی اور یقیناً تمہارا انتظار کر رہی ہوگی۔ اسے سمجھاؤ' اسے تسلیاں دو' انشاء اللہ وہ جلد ہی دلہن بنادی جائے گی۔"

"امی میں رخسانہ کے لیے بہت کچھ کر رہی ہوں مجھے اس بات پر تعجب ہے کہ آپ میرے احساسات کو اہمیت نہیں دے رہیں۔"

انہوں نے پوچھا "کون سے احساسات؟"

"تعجب ہے' ابھی میں نے ایک شخص کی سادگی اور بھولپن کا ذکر کیا' اس کی شرافت جتائی اور اپنے خیالات کا اظہار کیا کہ ایک شریف آدمی کو دھوکا دیتے وقت دل دکھتا ہے کیا آپ اس پر کوئی تبصرہ نہیں کر سکتیں؟ اس کی حماقت یا مخالفت میں کچھ نہیں کہہ سکتیں؟"

"بیٹی میں کیا کہوں' اگر انصاف سے دیکھا جائے تو اس لڑکے کی حمایت میں بولنا چاہیے لیکن ہمارے سامنے رخسانہ کا دکھ بھاری ہے۔"

"کچھ بھی ہو امی' ہم اچھا نہیں کر رہے ہیں۔"

"بس یہی کہہ کر تم نے اسے غصہ دلا دیا ہے۔ چلو اس کے پاس' میں بھی وہیں چل رہی ہوں۔"

وہ ابھی رخسانہ کے پاس نہیں جانا چاہتی تھی مگر ماں کی ضد پر گھر میں تالا لگا کر وہاں پہنچ گئی۔ جب ماں بیٹی رخسانہ کے کمرے کی طرف جارہی تھی تو انہیں کمرے سے اس کی امی کی ذرا بلند آواز سنائی دی' وہ اپنی بیٹی سے کہہ رہی تھی "بیٹی تم ہی فری کو گلے لگاتی رہتی ہو۔ میں تو کئی بار تمہیں سمجھا چکی ہوں کہ وہ ایک نمبر کی خود غرض ہے' کبھی دل وجان سے تمہاری سہیلی بن کر نہیں رہ سکتی۔ ہمیشہ تمہاری کاٹ کرتی رہتی ہے۔ غضب خدا کا' اس کے تو دیدے کا پانی مر گیا ہے۔ آج ہم نے اپنی بیٹی کے لیے ایک لڑکے کو پسند کیا تو وہ اس پر نیت خراب کر رہی ہے' بڑی چھچھوری ہے' معلوم ہوتا ہے اسے اور کوئی نہیں ملے گا۔"

فرزانہ کی امی نے کمرے کے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا "بہن! کیوں میری بیٹی پر کیچڑ اچھال رہی ہو؟ میری بیٹی نے آج ایک اجنبی لڑکے سے ملاقات کی' اسے گھیر کر یہاں تک لائی۔ کوئی بھی شریف زادی ایسے کام نہیں کرتی' یہ بہت بڑی ذلالت ہے اور یہ ذلالت ہم نے تمہاری بیٹی کے لیے کی' تم اس کا یہ صلہ دے رہی ہو کہ میری بیٹی کو بدنام کر رہی ہو۔"

بستر پر لیٹی ہوئی رخسانہ بہت کمزور نظر آرہی تھی' اس کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔ بال بکھرے ہوئے تھے اور اس کا لباس کہیں کہیں سے پھٹا ہوا تھا۔ اس نے ذرا نقاہت سے اور ذرا حقارت سے فرزانہ کی طرف دیکھا پھر اس کی طرف سے نظریں پھیر لیں۔ اس کی امی نے کہا "ٹھیک ہے' فری اسے ہمارے پاس لے کر آئی تھی لیکن ایسی مہربانی کا کیا فائدہ؟ تمہاری بیٹی تو میری رخسانہ کے بجائے' اس ڈرائیور سے مہربانی جتا رہی ہے' اس کے لیے آنسو بہا رہی ہے' اسے بھولا بھالا کہہ رہی ہے اور ہم اس کی نظروں میں ظالم' جھوٹے اور مکار ہو گئے ہیں۔ ابھی لڑکے نے ہمارے گھر قدم رکھا ہے تو یہ اس قدر بدنام کر رہی ہے کل شادی تک نوبت پہنچے گی تو پتا نہیں ہمیں کہاں کہاں بدنام کرتی پھرے گی' بھئی ایسی مہربانی' ہمدردی اور دوستی سے تو ہم باز آئے' دور سے ہاتھ جوڑتے ہیں۔"

رخسانہ نے کہا "امی ہمیں دور سے بھی ہاتھ نہیں جوڑنا چاہیے' میں اس لڑکی کو اچھی طرح سمجھ گئی ہوں۔ یہ کسی سے بھی دوستی کے قابل نہیں ہے۔ یہ دنیا کو دکھاتی ہے کہ میری محبت میں میرے پاؤں کی جوتی بن گئی ہے لیکن میں جانتی ہوں کہ یہ جوتی کہاں

سے کاٹتی ہے۔"

فرزانہ نے آگے بڑھ کر کہا "جوتی کاٹتی ضرور ہے لیکن پاؤں میں کانٹا نہیں چبھنے دیتی، راستے کی ہر بلا سے محفوظ رکھتی ہے لیکن یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔ ویسے میں بھی سمجھ گئی ہوں کہ اب ہماری دوستی آگے نہیں بڑھ سکتی۔ ہمیں آج کے بعد ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہیے۔"

رخسانہ نے غصے سے کہا "ہاں! کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ چلی جاؤ یہاں سے مگر جانے سے پہلے یہ سن لو اگر انسان کی بچی ہو تو یہ کبھی نہیں بھولو گی کہ میرا چہرہ تمہارے ہاتھوں سے بگڑا ہے اور آج میری بنتی ہوئی تقدیر تم سے بگڑ رہی ہے۔"

رخسانہ کے والد فرید احمد نے آہستہ آہستہ چلتے ہوئے فرزانہ کے پاس آکر اس کے سر پر ہاتھ رکھا "بیٹی تم سب غصے میں ہو، مجھے کبھی غصہ نہیں آتا اور جنہیں غصہ نہیں آتا وہ دانش مند ہوتے ہیں۔ میں اس وقت تم لوگوں کے درمیان عقل کی بات کر سکتا ہوں اور عقل کی بات یہ ہے کہ جو کام بن رہا ہے، اسے غصے میں نہ بگاڑو۔ میری بیٹی کو دلہن بنادو بس میں اور کچھ نہیں چاہتا۔"

فرزانہ نے کہا "انکل! میں نے کب دشمنی لی ہے۔ میں کب چاہتی ہوں کہ رخسانہ دلہن نہ بنے۔ میں نے اسی کے لیے سب کچھ کیا ہے، یہ ذرا ذرا سی بات میں غصہ دکھاتی ہے۔ میں اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہوں گی، اتنا کہتی ہوں کہ کل بادشاہ جانی کالج میں میرے پاس آئے گا تو میں اسے یہاں بھیج دوں گی۔ آپ لوگوں کے خلاف کبھی ایک لفظ نہیں کہوں گی۔ انشاء اللہ وہ یہاں داماد بن کر رہے گا۔ میں اپنا یہ فرض ادا کردوں گی، اس کے بعد ہم آئندہ آپ لوگوں سے تعلق نہیں رکھنا چاہتے، آیئے امی۔"

وہ اپنی امی کا ہاتھ پکڑ کر جانے لگی۔ رخسانہ کی امی نے کہا "ہم کیسے یقین کریں کہ تم ہمارے ساتھ اب دشمنی نہیں کرو گی؟"

فرزانہ نے دروازے سے پلٹ کر کہا "یہ تو آنے والا وقت ہی بتا سکتا ہے۔ ویسے میں ایک شریف باپ کی بیٹی ہوں، اپنے ابا مرحوم کی قسم کھا کر کہہ سکتی ہوں کہ رخسانہ سے دشمنی نہیں کروں گی اور آئندہ بھی اس کے لیے راستہ ہموار کرنے کی کوشش کرتی رہوں گی۔"

یہ کہہ کر وہ اپنی امی کے ساتھ ان کے گھر سے آئی اور اپنے گھر میں پہنچ کر سیدھی کمرے میں چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد اس کی امی نے کہا "بیٹی کھانا کھالو۔"

"مجھے بھوک نہیں ہے۔"

وہ اپنی بیٹی کے پاس آکر کھڑی ہوگئیں پھر کہا "یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ ماں بیٹی تمہارا نام اس ٹیکسی ڈرائیور کے ساتھ کیوں لے رہی تھیں۔ آخر یہ بات شروع کیسے ہوئی؟ کیوں ان کے دماغ میں ایسی بات آئی؟"

"اور کیسے آئے گی؟ رخسانہ نے اپنی امی سے کہا ہوگا۔ میں بادشاہ جانی کی حمایت میں بول رہی تھی، اس حمایت کو اس نے محبت سمجھ کر بات آگے بڑھادی اور بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچ گئی۔"

اس کی امی ایک کرسی پر بیٹھ گئیں پھر اسے غور سے دیکھنے لگیں۔ ان کے دیکھنے کا انداز ایسا تھا کہ فرزانہ نظریں چراتے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگی پھر اسے خیال آیا کہ اس طرح نظریں چرانے کا علم ہوجائے گا، وہ میز پر سے کتاب اٹھا کر یوں ہی اس کی ورق گردانی کرنے لگی مگر یہ سمجھتی جارہی تھی کہ اس کی امی اس کے چہرے کو ایک ٹک دیکھے جارہی ہیں پھر انہوں نے کہا "کبھی میں بھی ایک لڑکی تھی، تمہاری طرح بن بیاہی تھی۔ شادی نہیں ہوئی تھی مگر شادی کے خواب دیکھتی تھی۔ مجھے شہنائی کی آواز اچھی لگتی تھی۔ کانوں میں ڈھولک کی تھاپ سنائی دیتی تھی۔ کہیں محلے پڑوس میں کسی لڑکی کی شادی ہوتی تو میں سوچتی تھی، میری شادی کب ہوگی، میرا جیون ساتھی کب آئے گا اور آئے گا بھی یا نہیں۔ نہیں آئے گا تو کس طرح ڈھونڈا جائے گا۔ میں نے بادشاہ جانی کو دیکھا ہے، وہ ایسا ہے جسے کوئی بھی لڑکی ڈھونڈنا چاہے گی۔ تم نے اسے ڈھونڈ لیا اور شاید تم نے اسے پا بھی لیا۔"

فرزانہ نے ایک دم سے چونک کر اپنی امی کو دیکھا۔ نظریں ملیں تو اس نے فوراً ہی اپنی نظریں جھکالیں۔ اس کی امی نے کہا "بیٹی رخسانہ کو سہیلی بنانے کے بعد تم یہ بھول گئیں کہ تمہاری یہ ماں بھی تمہاری سہیلی رہی ہے، کوئی بات تم مجھ سے نہیں چھپاتی تھیں، آج بھی نہ چھپاؤ، صاف صاف کہو، میں دیوار نہیں بنوں گی۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی "میں یقین سے نہیں کہہ سکتی کہ اس کے متعلق میں

کیا سوچ رہی ہوں۔ کسی کو ڈھونڈنا اور ڈھونڈ کر پالینا اور بات ہے مگر پالینے کے بعد اسے اپنا لینا ایک الگ سی بات ہے۔ کیا میں بادشاہ جانی کے متعلق ایسا سوچتی ہوں؟ یہ بات ابھی پوری طرح میری سمجھ میں نہیں آئی ہے۔"

"بیٹی تم تعلیم یافتہ ہو' اپنے خیالات' اپنے احساسات کا تجزیہ کرو۔ دیکھو کہ تمہارے اندر کیا ہے؟"

"امی! میری سمجھ میں یہی بات آتی ہے کہ مجھے بادشاہ جانی سے بہت زیادہ ہمدردی ہو گئی ہے۔ میں نے اسے قریب سے دیکھا ہے۔ اگرچہ صرف چھ سات گھنٹے تک دیکھا ہے مگر اتنے کم عرصے میں وہ ایک کھلی کتاب کی طرح میرے سامنے آیا۔ اس میں کوئی کھوٹ نہیں ہے' وہ جھوٹ نہیں بولتا اور جب سچ بولتا ہے تو اس پر عمل بھی کرتا ہے۔ ایسے انسان کو دھوکا دیتے وقت ہمارا ضمیر کیا کہے گا۔ یہ آپ اچھی طرح سمجھتی ہیں۔ میرا ضمیر بھی مجھے ملامت کر رہا ہے' بار بار میرا دھیان بادشاہ جانی کی طرف چلا جاتا ہے' میں اسی کے متعلق سوچتی ہوں۔ میری عمر کی لڑکیاں اگر کسی مرد کے متعلق بار بار سوچنے لگیں تو اسے محبت کا نام دیا جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میرے ذہن کے کسی گوشے میں محبت چھپی ہوئی ہو' تو جو چیز چھپی ہو اس کا تذکرہ فضول ہے' ابھی جو بات سامنے آئی ہے' وہ یہی ہے کہ بادشاہ جانی مفت میں مارا جا رہا ہے اور میرے ہاتھوں سے مارا جا رہا ہے۔"

اس کی امی نے سر جھکا لیا پھر وہاں سے اٹھ کر جانے لگیں۔ فرزانہ نے کہا "امی میرے پچھتانے اور آپ کے سر جھکا کر جانے سے کیا ہماری اس غلطی کی تلافی ہو جائے گی؟"

وہ پلٹ کر بولیں "ہم ایسا کرنے پر مجبور ہیں' بے شک بادشاہ جانی قابل رحم ہے' مجھے بھی اس سے ہمدردی ہے لیکن ہمارا یہ فیصلہ اٹل رہے گا کہ بادشاہ جانی خواہ کیسا ہی فرشتہ کیوں نہ ہو' ہم! اسے دھوکا ضرور دیں گے۔ جانتی ہو کیوں؟"

فرزانہ نے انہیں سر اٹھا کر سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

وہ بولیں "اس لیے کہ رخسانہ کا چہرہ تمہارے ہاتھوں سے بگڑا ہے۔ خواہ نادانستہ ایسا ہوا ہے لیکن ہمیشہ کے لیے الزام تمہارے سر پر آگیا ہے۔ اگر تم اس کی یہ بگڑی بنا دو' اسے سہاگن بنا دو اور بادشاہ جانی اسے قبول کر لے تو یہ الزام کسی حد تک مٹ جائے گا'

کہنے کو تو ہو گا کہ تم نے صورت بگاڑی تھی تو اسے سہاگن بھی بنا دیا تھا۔ اس کے ہسٹیریا کے مرض کو ختم کر دیا تھا۔ کچھ تو ہم اپنے بچاؤ کے لیے کہہ سکتے ہیں اور اس کے لیے ہمیں اپنی سطح سے گر کر ہی وہ کام کرنا ہو گا جو شریف لوگ نہیں کرتے۔"

اس رات فرزانہ کو نیند نہیں آئی۔ اپنی ماں کو یہ سمجھانے کے لیے کہ وہ سو رہی ہے' اس نے کمرے کی بتی بجھا دی مگر تمام رات جاگتی رہی۔ وہ جان بوجھ کر نہیں جاگ رہی تھی' اسے اس کے اندر کوئی بات جگا رہی تھی' ایسی بات جو لفظوں میں دکھائی دیتی ہے مگر ان لفظوں کے معنی معلوم نہیں ہوتے۔ وہ اس بات پر آکر ٹھہر جاتی تھی کہ اسے صرف بادشاہ جانی سے ہمدردی ہے اور اگر ہمدردی ہے تو وہ کل صبح نو بجے کس لیے ملے گی؟ ہمدردی کے لیے یا اس سے دشمنی کے لیے؟

صبح ہوئی تو اس کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ صاف پتا چلتا تھا کہ اس نے رات بھر میں ایک بار بھی سونے کے لیے پلک نہیں جھپکائی۔ جاگتی بھی رہی اور شاید چپکے چپکے روتی بھی رہی۔ وہ غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر تولیا لپیٹے اپنے کمرے میں آئی پھر الماری کھول کر ایک اچھا سا سرخ رنگ کا لباس نکالا' اسے پہننے کا ارادہ تھا' اچانک خیال آیا کہ وہ کس کے لیے یہ لباس پہننے جا رہی ہے؟ یہ لباس پہننے کے بعد بناؤ سنگھار بھی کرے گی لیکن کیوں؟ ادھر رخسانہ نے اسے سنگھار کے بعد دیکھا تو جل کر راکھ ہو جائے گی۔ اس نے ضد میں آکر سوچا' کیا میں رخسانہ سے ڈرتی ہوں' میں تو ہمیشہ اس سے اچھا پہنتی ہوں اور سنگھار کرتی ہوں مجھے کسی کا ڈر نہیں ہے۔

پھر دل نے سمجھایا' بے شک کسی کا ڈر نہیں ہے لیکن بادشاہ جانی کے سامنے نہایت سادگی سے جانا چاہیے۔ ایسے انداز میں نہیں کہ وہ اور دیوانہ ہو جائے اور صرف اس کی تمنا کرے اور جب رخسانہ سے بہلنے کا وقت آئے تو ضدی بچے کی طرح اپنے پہلے ہی کھلونے کے لیے مچلنے لگے۔

اس نے ایک سادہ سا لباس پہن لیا۔ صبح سات بجے رخسانہ کی امی مسکراتے ہوئے اس کے گھر آئیں۔ "بیٹی' تم دونوں سہیلیاں سمجھ میں نہیں آتیں۔ گھڑی میں لڑتی ہو گھڑی میں ایک دوسرے پر مرتی ہو۔ اب وہ ضد کر رہی ہے کہ تم کو بلاؤں۔ تم جانتی ہو کہ اس پر دورہ پڑتا ہے تو بستر سے اٹھ نہیں سکتی۔ آج کالج بھی نہیں جا سکے گی۔ وہ تم

سے بات کرنا چاہتی ہے۔"

فرزانہ نے کہا "میں نے اور امی نے کل رات آخری فیصلہ سنا دیا۔ اب آپ لوگوں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں رہے گا لیکن میرا یہ وعدہ قائم رہے گا کہ آپ کا ہونے والا داماد آپ کے گھر آئے گا' اس کے بعد جو باتیں آپ لوگ طے کریں گے' اس میں نہ ہماری مداخلت ہوگی اور نہ ہی ہم شادی میں شریک ہوں گے۔"

رخسانہ کی امی نے فرزانہ کی امی کو سمجھایا کہ بات ختم کرو۔ لڑائی جھگڑے تو ہوتے ہی رہتے ہیں لیکن فرزانہ کی امی نے بھی یہی جواب دیا "بہن اگر ہماری بہت زیادہ ضرورت آپڑے تو ہم تمہارے یہاں ضرور بہ ضرور آئیں گے مگر ابھی آنا جانا بالکل غیر ضروری ہے' آپ کا کام یقیناً ہوگا' آپ خدا پر بھروسا رکھ کر جائیں۔"

وہ چلی گئیں' ان کے جانے کے بعد فرزانہ نے کہا "امی بہتر یہی ہے کہ ہم یہ مکان فروخت کر دیں اور کسی دوسرے علاقے میں چھوٹا سا مکان لے کر رہیں۔"

"اتنی جلدی جذباتی ہو کر ایسے فیصلے نہیں کرنا چاہئیں۔ یہ مکان میں نے اس دن کے لیے رکھا ہے' جب تم ڈاکٹر بنو گی اور تمہیں ڈسپنسری کھولنے کے لیے اچھی خاصی رقم کی ضرورت ہوگی۔ ابھی ہم ان سے دور کیوں بھاگیں۔ ہم کوئی مجرم تو نہیں ہیں۔"

"ہم مجرم نہیں ہیں لیکن میں ان لوگوں کے قریب نہیں رہ سکوں گی۔ ہم اتنے عرصے کے لیے تو دور چلے جائیں جب تک رخسانہ دلہن بن کر چلی نہ جائے۔ میں سکھر جانا چاہتی ہوں' وہاں ہم کچھ دن چچا جان کے یہاں رہیں گے پھر واپس آجائیں گے۔"

"ہاں' تمہارا یہ مشورہ مجھے قبول ہے۔ میں بھی بہت عرصے سے جانا چاہتی تھی۔"

"تو پھر کیوں نہ ہم آج ہی رات کو یہاں سے چلیں' دیکھئے امی' اب میں بادشاہ جانی کے سامنے نہیں جانا چاہتی۔ رخسانہ کی شادی سے پہلے کہیں سامنا ہوا تو میں مشکل میں پڑ جاؤں گی۔"

"میں تمہاری مجبوریوں کو سمجھ رہی ہوں۔ ٹھیک ہے' تو کالج جاؤ۔ میں سامان پیک کرتی ہوں انشاء اللہ ہم آج رات یہاں سے چلے جائیں گے۔"

صبح نو بجے سے پہلے وہ گھر سے نکلی اور عباسی اسپتال کی طرف جانے لگی۔ جو بھی ٹیکسی نظر آتی تھی' اس پر یہی گمان ہوتا تھا کہ بادشاہ جانی آگیا لیکن اسپتال کے سامنے کوئی

ٹیکسی نہیں تھی۔ بہت دور ایک طرف ایک ٹیکسی کھڑی ہوئی تھی لیکن وہ سمجھ نہ سکی کہ اس ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر بادشاہ جانی سو رہا ہے۔ وہ بھی رات بھر کا جاگا ہوا تھا اور اسے نیند نے دبوچ لیا تھا۔ جب وہ ساڑھے نو بجے تک انتظار کرتی رہی اور وہ نظر نہیں آیا تب وہ اسی ٹیکسی کی طرف بڑھنے لگی۔ پچھلی سیٹ پر کوئی سوتا ہوا نظر آرہا تھا۔ جب اس نے جھانک کر دیکھا تو بادشاہ جانی نظر آگیا۔ وہ حیران رہ گئی۔ دل نے کہا دیکھو' یہ تمہارے لیے کل سے یہاں موجود ہے' اپنے گھر نہیں گیا' آج اس نے تمہارے لیے گھر چھوڑا ہے' کل تمہارے لیے دنیا چھوڑ دے گا۔

وہ ایک سرد آہ بھر کر رہ گئی۔ جانی کو جگایا' اس کے ساتھ وہاں سے آگے بڑھی' شام تک اس کے ساتھ ٹیکسی میں گھومتی رہی۔ وہ ان کی ملاقات کا آخری دن تھا۔ شام کو جدا ہوتے وقت وہ بے اختیار رونے لگی تھی۔ بادشاہ جانی نے اسے سمجھایا کہ عارضی جدائی ہے' پھر تو ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے کے جیون ساتھی بن جائیں گے۔

وہ بڑی خاموشی سے بچھڑ گئی۔ اس کی امی نے بتایا کہ وہ کل صبح کی ٹرین سے سکھر جائیں گے۔ رات کو رخسانہ اس کے گھر آئی۔ اسے دیکھتے ہی فرزانہ نے ہاتھ جوڑ کر کہا "دیکھو' مجھے پریشان نہ کرو۔ مجھ سے محبت جتانے نہ آؤ۔"

رخسانہ نے کہا "میں جانتی ہوں' تم مجھ سے بری طرح ناراض ہو' چلو میں بھی آخری بار ملنے آئی ہوں۔ ہاں جب تمہارا دل چاہے گا' ملنا چاہو گی تو پھر میں ہزار بار ملوں گی' ابھی تو میں کچھ ضروری باتیں کرنے آئی ہوں۔"

فرزانہ نے کہا "بیٹھو' اور بغیر کسی تمہید کے ضروری باتیں سنا دو۔ میں ضروری سمجھوں گی تو جواب دوں گی ورنہ چپ چاپ چلی جانا۔"

وہ ایک کرسی پر بیٹھ گئی پھر بولی "امی نے بادشاہ جانی سے تمام باتیں طے کر لی ہیں اور وہ امی کی ہر شرط ماننے کے لیے راضی ہیں لیکن ایک بات ہم سب نے محسوس کی ہے کہ وہ جو کچھ بھی کر رہے ہیں' تمہارے لیے کر رہے ہیں۔ وہ ایک مکان میرے نام لکھیں گے لیکن ان کے دماغ میں تم ہوگی۔ مہر کی رقم میرے نام سے باندھی جائے گی مگر وہ اتنی بڑی رقم تمہارے تصور سے قبول کریں گے۔ نکاح میرے نام سے پڑھا جائے گا لیکن ان کے دل میں تم دھڑکتی رہو گی اور جب یہ سب کچھ ہوگا اور سہاگ رات کو تم نہیں ملو گی اور

میری صورت نظر آئے گی تو کیا ہو گا۔"

فرزانہ نے کہا "یہ سوچنا تمہارا کام ہے' میرا کام ختم ہو چکا ہے۔"

"ہاں یہ سوچنا میرا ہی کام ہے اسی لیے میں تمہارے پاس آئی ہوں۔ میں بادشاہ جانی کو کسی نہ کسی طرح ہینڈل کر لوں گی۔ ہر طرح سے باتیں بنا کر انہیں یقین دلاؤں گی کہ میں وہی رخسانہ ہوں جسے وہ چاہتے ہیں لیکن وہی رخسانہ بننے کے لیے اپنے آپ کو تمہاری شخصیت اور تمہارے روپ میں پیش کرنے کے لیے وہ تمام باتیں جاننا ضروری ہیں جو آج اور کل تم دونوں کے درمیان ہوتی رہیں۔ یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ کہ تم دونوں کہاں کہاں گئے اور کیسے وقت گزارا۔"

فرزانہ نے دو دن کے تمام حالات و واقعات اور ان کے درمیان ہونے والی گفتگو اور گفتگو کا انداز' یہ ساری باتیں تفصیل سے سنا دیں۔ اس کے بعد کہا "میں کل امی کے ساتھ سکھر جا رہی ہوں۔ پندرہ دن کے بعد واپس آؤں گی' تم اس وقت تک سہاگن بن چکی ہو گی۔ جس دن سہاگن بن جاؤ اور تمہیں تمہارا جیون ساتھی مل جائے تو اس کے بعد میرے سر سے یہ الزام ہمیشہ کے لیے مٹا دینا کہ میں نے تمہارا چہرہ بگاڑا تھا۔ ایک بات میں اب بھی یاد رکھتی ہوں کہ مجھے ڈاکٹر بننے کے بعد اپنی آمدنی کے ذرائع بنانے ہیں اور تمہاری پلاسٹک سرجری کے لیے زیادہ سے زیادہ رقم جمع کرنی ہے۔"

رخسانہ نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا "نہیں! میں تم سے اس سلسلے میں ایک پیسہ نہیں لوں گی۔ تم نے میرا چہرہ جان بوجھ کر نہیں بگاڑا۔ وہ تو میں غصے میں کہہ دیتی ہوں۔ تم نے میرے لیے بہت کچھ کیا ہے' میں سہاگن بن جاؤں گی تو پھر کبھی تمہارے خلاف کوئی بات نہیں کہوں گی' یہ میں وعدہ کرتی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ جانے لگی پھر رک گئی' بولی "فری! تم نے بادشاہ جانی کو مجھ سے پہلے سمجھا ہے اور مجھ سے زیادہ جانا ہے' میں کچھ اور معلوم کرنا چاہتی ہوں' کوئی ایسی بات جس سے میں اسے جیت لوں۔"

"دیکھو رخسانہ! اپنے مرد کو کیسے جیتنا چاہیے' یہ عورت ہی سمجھتی ہے۔ ویسے پہلے پہل خاموشی سے اپنے مرد کے مزاج کو سمجھنا ہوتا ہے۔"

"یہی تو میں کہہ رہی ہوں۔ تم نے مجھ سے پہلے بادشاہ جانی کے مزاج کو سمجھا ہے'

کوئی مشورہ دو۔"

"جب مشورہ مانگ رہی ہو تو میری ایک بات سن لو' یہ کھیل جو تم بادشاہ جانی سے کھیلنے جا رہی ہو' تمہیں شاید راس آجائے لیکن یہ کھیل منگا بہت پڑے گا۔"

"وہ کیوں؟"

"وہ یوں کہ تم میری شخصیت اور میرے روپ کا سہارا لے کر بادشاہ جانی کو یقین دلاؤ گی کہ تم پہلے والی رخسانہ ہو' جسے وہ دو دن پہلے تک دیکھتا رہا۔ وہ ایسا احمق تو نہیں ہے' کیا تمہارے آدھے چہرے سے تمہیں نہیں پہچانے گا۔ میرا اور تمہارا چہرہ مختلف ہے' آدھے چہرے سے بھی پہچانا جا سکتا ہے۔"

"ہاں' یہ میں نے سوچا ہے' میں نے ہر پہلو سے غور کیا ہے۔ میری کوشش یہی ہو گی کہ وہ مجھے پہلے دو دن پہلے والی رخسانہ سمجھ لے۔ اس کے لیے میں مثالیں بھی دوں گی' اپنی مصیبتیں بھی بیان کروں گی کہ تیزاب کے چہرے پر گرنے کے بعد باقی بچے ہوئے چہرے پر بھی اس کا اثر ہوا ہے' میں باتیں بناؤں گی' تم جانتی ہو کہ مجھے باتیں بنانا آتا ہے۔"

فرزانہ نے تائید میں سر ہلا کر کہا "مجھے یقین ہے کہ تم اسے اپنی باتوں سے قائل کر لو گی لیکن کب تک؟ میرا مشورہ ہے کہ شادی کی پہلی رات ہی اسے سب کچھ بتا دو' وہ بہت خدا ترس آدمی ہے۔ دل میں انسانی ہمدردی رکھتا ہے۔ تم پر گزرنے والے المیے کی بات سنے گا تو پہلے تم سے ہمدردی کرے گا پھر یہی ہمدردی محبت میں بدل جائے گی۔ وہ رفتہ رفتہ تمہیں تمہاری اپنی شخصیت کے ساتھ قبول کر لے گا۔"

"تم یہ مشورہ کیوں دے رہی ہو؟ شادی کی رات ہی اس نے ہنگامہ کر دیا' مجھے قبول کرنے سے انکار کر دیا' یہاں آکر شور مچانا شروع کر دیا تو محلے میں ہماری کیا عزت رہے گی۔"

فرزانہ نے چند لمحوں تک سوچ کر کہا "ہاں وہ ایسا کر سکتا ہے اور نہیں بھی کر سکتا لیکن تم اسے میرا روپ' میری شخصیت لے کر اپناؤ گی تو بعد میں یہ بات بہت مہنگی پڑے گی۔ ذرا سوچو' وہ جب بھی تمہارا ہاتھ پکڑے گا' تمہیں اپنی بیوی کی حیثیت سے قبول کرے گا تو اس کے تصور میں' میں رہوں گی' اور جب میں وہاں رہوں گی تو تمہاری اپنی

ذات، اپنی شخصیت، اپنی انانیت سب کچھ کہاں رہے گی؟ تم تو کچھ بھی نہیں رہو گی۔"

رخسانہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھتی رہی۔ چند لمحوں تک کچھ سوچتی رہی پھر اچانک مسکرا کر بولی "فری! تمہیں اپنے متعلق بہت زیادہ خوش فہمی ہے۔ تم سمجھتی ہو کہ میں صرف سہاگن بننے کے لیے تمہارے کاندھے پر بندوق رکھ کر چلا رہی ہوں اور ساری زندگی تمہارے ہی سہارے چلوں گی۔ نہیں، ایسا کبھی نہیں ہو گا۔ میرا جو آدمی ہو گا اور جو مجھے سر سے پاؤں تک قبول کرتا رہے گا اس کے سامنے میرا ہی چہرہ رہے گا اور وہ میرے اس چہرے کا عادی ہو جائے گا پھر ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ تمہارا تصور بالکل ہی مٹ جائے گا اور ہر جگہ اسے میری تصویر نظر آئے گی۔"

"اور اس دوران کہیں میں اسے نظر آ گئی تو؟"

"ہوں، اگر تمہارا اور ان کا سامنا ہو جائے تو تمہارا کیا فرض ہونا چاہیے، یہ تم نہیں سمجھتی ہو؟"

"تم سمجھا دو۔"

"تو سنو، تمہیں بالکل انجان بن جانا چاہیے۔ وہ تمہیں مخاطب بھی کرے تو تمہیں انکار کر دینا چاہیے کہ تم وہ ہو جو کبھی اسے ملی تھیں۔ جب تم اجنبی بن جاؤ گی تو پھر وہ کسی اجنبی لڑکی سے بات نہیں منوائے گا، کوئی ہنگامہ نہیں کرے گا۔ چار آدمی تمہاری حمایت کریں گے اور اس کی مخالفت کریں گے۔"

وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے دروازے تک گئی پھر وہاں سے پلٹ کر بولی "یہ بات کبھی نہیں بگڑے گی اگر میں اپنی بات پر اڑی رہوں کہ میں اس کی وہی دیکھی بھالی رخسانہ ہوں اور تم اس بات پر اڑی رہیں کہ تم کبھی رخسانہ نہیں تھیں، بچپن سے اب تک فرزانہ ہو۔ ایک اجنبی لڑکی ہو۔ تم نے بادشاہ جانی کو کبھی دیکھا بھی نہیں تھا۔ اگر ہم دونوں اپنی اپنی جگہ اٹل رہیں گی تو میرا سہاگ سلامت رہے گا۔ وہ رفتہ رفتہ میرے ہو جائیں گے اور اس بات کے قائل ہو جائیں گے کہ چہرہ بگڑ جائے تو اس حد تک بگڑ جاتا ہے کہ بعد میں پہچانا نہیں جاتا۔ بہرحال کیا تم آئندہ ان کے سامنے ایک اجنبی لڑکی بن کر رہو گی۔"

"جہاں میں نے اتنا کچھ کیا ہے، یہ بھی کر گزروں گی۔ میری کوشش یہی ہو گی کہ بادشاہ جانی کا سامنا کبھی نہ ہو، تم اطمینان رکھو۔"

وہ چلی گئی۔ دوسرے دن فرزانہ بھی اپنی امی کے ساتھ وہ شہر چھوڑ کر سکھر چلی گئی، وہاں پندرہ دن گزارے، کس طرح گزارے، یہ اس کا دل جانتا تھا یا خدا جانتا تھا۔ دن رات بادشاہ جانی کا خیال آیا کرتا تھا۔ وہ سوچتی تھی کہ وہ اسے ڈھونڈ رہا ہو گا۔ اس کی یاد میں گم ہو گا پھر سوچتی اب رخسانہ سے شادی ہو گئی ہو گی پھر یہ خیال آتا کہ اس نے رخسانہ کو قبول نہیں کیا ہو گا۔ وہ اندھا تو نہیں ہے کہ رخسانہ کے چہرے کو فرزانہ کا چہرہ سمجھ لے گا۔

پھر کیا ہوا ہو گا؟ کیا لڑائی جھگڑے شروع ہو گئے ہوں گے؟ بادشاہ جانی نے ہنگامے کیے ہوں گے؟ ماں بیٹی کو اور ان کے پورے خاندان کو گالیاں دی ہوں گی؟ محلے میں آ کر فساد برپا کیا ہو گا؟ لوگوں کو جمع کیا ہو گا، کیا ہو رہا ہو گا؟

وہ بڑی بے چینی میں مبتلا رہتی تھی۔ نہ اچھی طرح کھاتی تھی نہ پوری نیند سوتی تھی۔ دل ادھر ہی لگا رہتا تھا۔ جی چاہتا تھا فوراً ہی اڑ کر چلی جائے پھر ڈر لگتا تھا کہ پتا نہیں شادی ہوئی یا نہیں۔ اگر ہوئی ہے تو بادشاہ جانی اپنی پہلی رخسانہ کو تلاش کر رہا ہو گا، ایسے میں سامنا ہو گیا تو پھر کیا ہو گا؟

ڈرنے سے کیا ہوتا ہے، موت سے بھی تو ڈر لگتا ہے مگر زندگی کی ہر سانس میں موت سے سامنا کرتے رہنا پڑتا ہے۔ یہ بات اٹل تھی کہ کبھی بادشاہ جانی سے سامنا ہو گا اور جو بات موت کی طرح اٹل ہو، وہ رفتہ رفتہ ڈرانا چھوڑ دیتی ہے۔ پندرہ دن کے بعد وہ اپنی امی کے ساتھ واپس آ گئی، محلے میں امن امان تھا۔ بادشاہ جانی کی طرف سے دنگے فساد کے آثار نہیں تھے۔ جب وہ گھر کے سامنے پہنچیں تو فرید احمد اپنے گھر کے دروازے کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ فرزانہ نے انہیں سلام کیا۔ وہ جواب دیتے ہوئے قریب آئے پھر بولے "بیٹی کیسی ہو؟ خیریت سے تو رہیں نا؟"

"جی ہاں، آپ لوگ اپنی خیریت سنائیں۔"

"سب ٹھیک ہے، اللہ کا کرم ہے، میری بیٹی سسرال میں بہت خوش ہے۔"

یہ بات فرزانہ کی توقع کے خلاف تھی۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ بادشاہ جانی اس کے بدلے کسی دوسری کو دلہن کے روپ میں قبول کرلے گا۔ وہ ایسا تو نظر نہیں آتا تھا کہ محبت ایک سے کرے اور دوسری سے بہل جائے۔

وہ دل برداشتہ ہو کر اپنے مکان میں آئی۔ ماں کو اس بات کا اطمینان تھا کہ شادی کامیاب رہی۔ فرزانہ سے جو اس کا چہرہ بگڑا تھا' اس کی تلافی ہو گئی تھی۔ کسی نے اسے بیوی کی حیثیت سے تمام عمر کے لیے قبول کر لیا تھا۔ فرزانہ کے سر سے الزام ہٹ گیا تھا لیکن فرزانہ کے اندر عجیب سی ہل چل مچی ہوئی تھی۔ جو بات وہ سوچ نہیں سکتی تھی' وہ ہو رہی تھی۔ وہ سچ مچ ٹیکسی ڈرائیور نکلا۔ سواری بدلنا اس کا پیشہ تھا۔ اس نے سواری بدل لی۔

شام کو رخسانہ اپنی امی کے ساتھ سسرال سے واپس آئی جب پتا چلا کہ فرزانہ آگئی ہے تو دونوں ماں بیٹی ملنے کے لیے ان کے یہاں آگئیں۔ رخسانہ زرق برق لباس پہنے ہوئے تھی۔ بدن پر سونے کے ہلکے زیورات بھی تھے' وہ اپنے ہر انداز سے شادی شدہ لگ رہی تھی۔ چہرے پر رونق بھی تھی۔ اس نے فرزانہ کے آگے دونوں بانہیں پھیلا کر مسکراتے ہوئے پوچھا "کیا مجھے مبارک باد نہیں دو گی؟"

فرزانہ نے مصافحے کے لیے ایک ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا "مبارک ہو' میری دعا ہے کہ تمہاری زندگی کی ہر سانس مبارک سلامت رہے۔"

وہ بولی "فری میں گلے لگنے کے لیے بانہیں پھیلا رہی ہوں اور تم مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا رہی ہو۔ کیا ابھی تمہاری ناراضگی دور نہیں ہوئی' کیا تمہیں میری اس زندگی سے خوشی نہیں ہوئی؟"

"میں بہت خوش ہوں اور مطمئن بھی کہ میں نے اپنی ایک نادانستہ غلطی کی تلافی کر دی۔ جہاں تک گلے لگنے کا تعلق ہے تو ہمیں اپنے درمیان تھوڑا فاصلہ رکھنا چاہیے' اتنا فاصلہ کہ ہمیں ایک دوسرے کا چہرہ نظر آتا رہے۔ گلے لگنے سے چہرے پیچھے چلے جاتے ہیں۔"

رخسانہ کی امی نے مسکرا کر کہا "بیٹی ہم فری کی خوشی میں خوش ہیں' چلو صرف ہاتھ ہی ملا لو۔"

رخسانہ نے اس سے ہاتھ ملایا۔ وہ سب بیٹھ گئے پھر رخسانہ کی امی نے پوچھا "سکھر میں دن کیسے گزرے؟ کیسا موسم ہے؟"

فرزانہ نے کہا "خالہ جان! آپ رسمی گفتگو نہ کریں۔ جس مقصد کے لیے آئی ہیں' وہ

بیان کریں۔"

"ہائے بیٹی! تو تم سمجھتی ہو کہ ہم صرف مطلب ہی سے آتے ہیں۔"

فرزانہ نے کہا "سکھر جانے سے پہلے ہم ماں بیٹی نے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا کہ ہم صرف ضرورت کے تحت ایک دوسرے سے ملیں گے ورنہ دور رہیں گے۔ یہی بات میں پھر دہراتی ہوں' اگر کوئی ضرورت ہو تو بیان کریں۔ میں آج بھی ہر طرح آپ لوگوں کے کام آؤں گی۔"

رخسانہ کی امی نے دور ہی سے بلائیں لیتے ہوئے کہا "میں جانتی ہوں بیٹی تم بڑی سعادت مند ہو' خدا تمہیں خوش رکھے' تمہاری مرادیں پوری کریں۔ میں یہ بتانے آئی ہوں کہ بادشاہ جانی بہت خوش ہے اور میری بیٹی کو بہت مانتا ہے مگر بات یہ ہے کہ وہ اب تک اسے وہی رخسانہ سمجھ رہا ہے' یعنی وہ سمجھ رہا ہے کہ تمہارا چہرہ بگڑ گیا ہے اور تمہاری صورت کچھ بدل گئی ہے۔"

فرزانہ کی امی نے تعجب سے پوچھا "بہن یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔ رخسانہ کے اور فرزانہ کے چہرے میں بڑا فرق ہے' یہ ٹھیک ہے کہ دونوں کا رنگ گورا ہے' دونوں خوب صورت ہیں مگر ناک نقشے میں تو فرق ہے۔ بادشاہ جانی کو کیا یہ فرق دکھائی نہیں دیا؟"

"دکھائی تو دیا تھا اور وہ سہاگ رات کو غصہ بھی دکھا رہا تھا مگر دوسرے دن جب وہ مستری چاچا کو پکڑ کر لایا اور مستری چاچا نے میری بیٹی سے کچھ سوالات کیے اور صحیح جوابات ملے تو وہ قائل ہو گیا' انہوں نے بادشاہ جانی کو قائل کر دیا۔"

فرزانہ کی امی نے کہا "بڑی خوشی کی بات ہے کہ معاملہ نمٹ گیا۔ کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوئی' اب آپ کیا چاہتی ہیں؟"

"دیکھیے بہن! بات تو صاف ہے کہ بادشاہ جانی میری بیٹی کو فرزانہ سمجھ کر قبول کر رہا ہے' وہ جتنا سیدھا ہے' اتنا ہی ٹیڑھا بھی ہے۔ اگر اسے فریب اور جھوٹ کا پتا چلے گا تو وہ بڑے ہنگامے کرے گا۔"

"یہ تو رخسانہ کا فرض ہے کہ یہ رفتہ رفتہ اپنے شوہر کو سچ باتیں بتاتی جائے' جھوٹ آخر کب تک چھپے گا؟"

"جب تک چھپ سکتا ہے' ہمیں چھپانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ شادی کو کچھ وقت گزر جائے گا۔ بادشاہ جانی میری بیٹی کی خدمت گزاری' وفاداری اور اس کی محبت سے متاثر ہو جائے گا تو پھر یہ رفتہ رفتہ موقع دیکھ کر بادشاہ جانی کو بتا دے گی مگر ابھی بادشاہ جانی نے کہیں فرزانہ کو دیکھ لیا تو بڑی آفت آ جائے گی۔"

فرزانہ نے کہا "آپ چاہتی ہیں کہ آپ کے داماد مجھے نہ دیکھیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کہیں نہ کہیں' کسی نہ کسی دن سامنا تو ہو گا۔"

"بیٹی میں یہی درخواست کرنے آئی ہوں' تمہارے سامنے ہاتھ جوڑ کر منت کرتی ہوں' جہاں تم نے میری بیٹی کے ساتھ اتنا کیا' وہاں ایک مہربانی اور کرو' اب برقع پہن کر باہر نکلا کرو۔"

فرزانہ نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا "یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی کہ میں ساری دنیا سے اپنا چہرہ چھپاتی پھروں۔ مجھے برقعے سے وحشت ہوتی ہے۔ میں کیوں برقع پہنوں۔ جب میری آنکھوں میں شرم نہیں رہے گی' میری امی کو مجھ پر اعتماد نہ ہو گا اور وہ مجھے سات پردوں میں چھپا کر رکھنا چاہیں گی تو میں ان کی خواہش کا احترام کرنے کے لیے ایسا کروں گی' ابھی مجھ میں کیا کھوٹ ہے؟ میں کیوں برقع پہن کر رہوں۔"

رخسانہ نے کہا "تم مجھ سے بری طرح ناراض ہو۔ پچھلی تمام محبتوں کو تم نے بھلا دیا ہے۔"

"مجھے الزام نہ دو۔ تم نے مجھے ایسا کرنے پر مجبور کیا۔ تم اتنی مغرور اور اتنی غصیلی ہو کہ مجھ پر کیچڑ اچھالتے وقت تمہارے دل میں ذرا بھی محبت اور مروت نہیں ہوتی۔ پچھلی باتوں کو مت یاد دلاؤ' جو کام کی بات ہے وہ کرو۔"

"میں یہی کہنے آئی ہوں کہ میرے سہاگ کو سلامت رکھنے کے لیے تم ہی میرے کام آ سکتی ہو۔ بادشاہ جانی سے چھپ کر رہنے کے لیے برقع پہننا شروع کر دو۔ تمہاری یہ مہربانی میں کبھی نہیں بھولوں گی۔"

"دیکھو رخسانہ! تم ایسی بات کر رہی ہو جو میرے مزاج کے خلاف ہے۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ بادشاہ جانی سے دور رہوں گی' اس کی نظروں میں نہیں آؤں گی اگر وہ مل بھی گیا تو انجان بن جاؤں گی اور اجنبی بن کر اس سے کترا جاؤں گی۔"

"تمہارے چہرے پر نقاب ہو گا تو تمہیں ان سے کترانے کی ضرورت نہیں پڑے گی' میں تمہیں کچھ عرصے کے لیے ایسا کرنے کو کہہ رہی ہوں جب میں اپنے شوہر کو ساری باتیں سچ سچ بتا دوں گی اور معاملہ بالکل ٹھیک ہو جائے گا تو تم بے شک برقع اتار کر پھینک دینا۔ خدا کے لیے میری یہ بات مان لو' میں تمام عمر تمہاری احسان مند رہوں گی۔"

"اگر کچھ دنوں کی بات ہوتی تو میں ضرور مان لیتی لیکن میری بات گرہ میں باندھ لو کہ تم نے سہاگ رات کو فرزانہ بن کر اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی ماری ہے' تمہیں چاہیے تھا کہ سہاگ رات کو اپنی تمام داستان اپنی مجبوریوں کے ساتھ بیان کر دیتیں۔ وہ ایک سیدھا سادا اور رحم دل آدمی ہے۔ جتنا ٹیڑھا ہے' اتنا سیدھا بھی ہے۔ وہ یقیناً تم سے متاثر ہو جاتا مگر تم نے اسے میری شخصیت سے متاثر کیا۔ سہاگ رات سے لے کر اب تک اس پر میرے نام کا سحر طاری ہے۔ تم نے اس کے دماغ پر مجھے مسلط کر رکھا ہے پھر وہ کیسے کچھ دنوں میں یہ تسلیم کر لے گا کہ میں اس کے دماغ سے نکل جاؤں اور تم وہاں جگہ بنا لو۔ جگہ بنانے کا وقت تم نے کھو دیا ہے رخسانہ بیگم!"

رخسانہ نے اسے غصے سے دیکھا پھر فوراً ہی نظریں جھکا لیں۔ وہ ابھی غصہ نہیں دکھا سکتی تھی۔ ضرورت مند تھی' فرزانہ کی محتاج تھی۔ فرزانہ نے کہا "میں جانتی ہوں' اس وقت تمہیں مجھ پر کتنا غصہ آیا ہو گا۔ میں نے تمہارے ساتھ کئی برس گزارے ہیں۔ تمہاری رگ رگ کو سمجھتی ہوں۔ بہرحال میں خود بادشاہ جانی کا سامنا نہیں کرنا چاہتی۔ وہ دیوانہ ہے' اگر سر بازار اس نے میرا پیچھا کرنا شروع کر دیا تو میں کسی کو کیا جواب دوں گی۔ تماشا بن جاؤں گی اس لیے میرے دماغ میں بھی یہ بات آئی تھی کہ جہاں بادشاہ جانی سے سامنا ہونے کی توقع ہو سکتی ہے' وہاں میں اپنے چہرے پر نقاب ڈال کر رکھوں گی۔ مثلاً وہ تمہیں کالج چھوڑنے تو ضرور آیا کرے گا۔ میں کالج میں برقع پہن کر جاؤں گی۔ یہاں اس محلے میں جب تک رہوں گی' دروازے سے باہر نکلنے سے پہلے دیکھ لیا کروں گی کہ اس کی ٹیکسی تمہارے دروازے پر کھڑی ہے یا نہیں۔ اگر وہ یہاں آیا ہو گا تو میں باہر نہیں نکلوں گی۔ نکلوں گی تو اس طرح کہ وہ مجھے پہچان نہ سکے۔ اب تو تمہاری تسلی ہو گئی نا؟"

رخسانہ کی امی نے کہا "ہاں بیٹی! اتنا بھی ہو جائے تو بہت ہے۔ ہماری اپنی کوشش بھی یہی ہو گی کہ بادشاہ جانی اس محلے میں نہ آئے اور کالج کی طرف بھی نہ جائے' بہرحال

تمہاری ہمدردی کا شکریہ۔"

دونوں ماں بیٹی وہاں سے چلی گئیں۔ فرزانہ مسکرا رہی تھی۔ اس کا چہرہ خوشی سے کھلا ہوا تھا۔ اسے ایک عجیب سی جیت کا احساس ہو رہا تھا مگر اس کی امی بہت پریشان تھیں۔ انہوں نے تنہائی میں بیٹی کو دیکھتے ہی پوچھا "تم خوش نظر آرہی ہو' کیا تمہیں اس بات کی پریشانی نہیں ہے کہ وہ ٹیکسی ڈرائیور تمہارے حوالے سے رخسانہ کو قبول کر رہا ہے؟ وہ تمہیں چاہتا ہے اور اگر تمہیں چاہتا ہے تو یہ اچھی بات نہیں ہے۔"

"امی! میں نے اسے چاہنے کے لیے نہیں کہا۔ اگر وہ چاہتا ہے تو یہ اس کی اپنی مرضی' اپنی پسند ہے اور اس پسند میں شدت پیدا کرنے والی رخسانہ ہے۔ وہ جب تک فرزانہ بن کر زندگی گزارتی رہے گی' اس وقت تک میں بادشاہ جانی کی نگاہوں میں رہوں گی۔ یہ بادشاہ جانی کا قصور نہیں ہے' یہ میری غلطی بھی نہیں ہے۔ غلطی وہ کر رہی ہے اور اس کا احساس اسے' سمجھانے کے باوجود نہیں ہو رہا ہے۔"

"بیٹی اسے احساس ہو یا نہ ہو لیکن مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ یہ ٹیکسی ڈرائیور لوگ بڑے غنڈے بدمعاش ہوتے ہیں۔ اس نے تمہیں کہیں راستے میں پکڑ لیا' تم پر دھوکا دینے کا الزام لگایا' تم سے کوئی زیادتی کی تو کیا ہوگا؟"

"ہاں یہ میں بھی سوچتی ہوں کہ میں نے دھوکا دیا ہے تو وہ مجھے سزا دینے کا حق رکھتا ہے مگر میں کوشش کروں گی کہ بات نہ بگڑے۔ دیکھیں کبھی سامنا ہوگا تو کیا ہوتا ہے۔"

اور پھر ایک برس دو مہینے بعد سامنا ہو ہی گیا۔

وہ رکشے میں بیٹھی ایمپریس مارکیٹ کے سامنے سے گزر رہی تھی کہ پیچھے سے آواز سنائی دی "رخسانہ۔"

وہ ایک دم سے چونک گئی۔ اس آواز کو وہ قیامت کے شور میں بھی پہچان سکتی تھی۔ وہ آواز اسے راتوں کو جگاتی تھی' اس آواز کو اس نے دل سے ازبر کیا تھا۔ اس لیے ایک سبق کی طرح یاد رکھا تھا تاکہ قیامت کے دن وہ اس آواز کو سنے تو فوراً پہچان لے۔

اور اس نے فوراً ہی اسے پہچان لیا تھا۔ بے اختیار پیچھے کی طرف پلٹ کر رکشے کی پچھلی کھڑکی سے دیکھنے لگی۔ وہ ذرا فاصلے پر کھڑا ہوا تھا اور ہاتھ اٹھا کر چیخ رہا تھا "رخسانہ ادھر دیکھو' میں بادشاہ جانی ہوں۔" اسے کچھ یاد نہ رہا۔ ایک ہی چہرہ سامنے تھا جو لوگوں کی

بھیڑ میں الجھ رہا تھا۔ ٹکرا رہا تھا۔ کسی کو دھکے مار کر آگے بڑھ رہا تھا اور کسی سے دھکے کھا کر پیچھے گر رہا تھا۔ وہ چیخ رہا تھا' پکار رہا تھا۔ ایسی جنونی پکار تھی' ایسا سچا جذبہ تھا جو اس بھیڑ میں اس طرح پھڑپھڑا رہا تھا کہ وہ تڑپ گئی۔ ایک دل کہتا تھا کہ رکشے والے کو روک دے اور اس کے پاس پہنچ جائے مگر ایک خوف بھی تھا۔ اس نے رکشے والے کو رکنے کے لیے نہیں کہا۔ اس کا جنون اس کی محبت جتنی خوش آئند تھی' اتنی خوف زدہ کر دینے والی بھی تھی۔ اس نے سوچا اگر وہ دیوانہ اتنے لوگوں کے ہجوم میں اسے برا بھلا کہے گا' اسے الزام دے گا۔ اسے جھوٹی اور دھوکے باز کہے گا تو وہ کہیں منہ نہ چھپا سکے گی پھر دیوانہ تو دیوانہ ہوتا ہے۔ اگر وہ سربازار اسے اٹھا کر لے جانے لگے تب کیا ہوگا؟ بس وہ اسی گھبراہٹ میں اس سے دور ہو گئی۔ ایک گلی میں پہنچ کر اس نے رکشے والے کو روکا جیسے تیسے کرایہ ادا کیا پھر دوسری گلی میں پہنچ کر وہاں سے گزرتے ہوئے مین روڈ پر آئی۔ اورنگی جانے والی ایک بس گزر رہی تھی' وہ اس میں سوار ہو گئی۔ جب اسے اطمینان ہوا کہ وہ بچ کر نکل آئی ہے' تب اسے افسوس ہوا کہ بچ کر کیوں نکل آئی؟

رات گزرتی جا رہی تھی۔ میز پر وہ ڈائری رکھی ہوئی تھی جس کی جلد کا رنگ سبز تھا۔ اس پر فرزانہ ہاتھ رکھے ہوئے سوچ میں گم تھی۔ جب وہ اپنے خیالات سے چونکی تو احساس ہوا کہ وہ بہت دیر سے اسی طرح بیٹھی ہوئی تھی اور اس ڈائری کی جلد پر ہاتھ پھیر رہی تھی پھر اس نے اسے کھولا۔ اس کے کتنے ہی صفحات ماضی کی داستان سے پُر تھے۔ اس نے وہ صفحہ کھولا' جہاں داستان ادھوری رہ گئی تھی۔ اس ادھوری داستان کو اس نے آگے بڑھایا قلم کھول کر لکھنے لگی۔

"میں سمجھتی تھی کہ ایک برس دو مہینے میں اب وہ رخسانہ کا عادی ہو چکا ہوگا۔ وہ سر سے پاؤں تک اسے بہلا رہی تھی۔ اس کے لیے اپنے دن رات لٹا رہی تھی۔ ایک مرد یقیناً ایسے میں لٹ جاتا ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ اب اس سے سامنا ہوگا تو وہ شدت نہیں ہوگی۔ ایک ٹھہراؤ آگیا ہوگا۔ وہ سہولت سے شکایت کرے گا پھر شکایت آئی گئی ہو جائے گی۔

لیکن آج سربازار اس دیوانے نے میرے دل کو دہلا دیا۔ وہ چیخ رہا تھا۔ میرا فرضی نام لے رہا تھا۔ اس کی چیخ کے پیچھے یہ چیلنج تھا کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے میرے پاس پہنچنے

سے نہیں روک سکتی۔ یہ انسانوں کا سمندر بھی اسے نہیں روک سکے گا۔ ایک دن وہ میرے سامنے چلا آئے گا پھر اپنے ایک برس دو مہینے کا یعنی ایک ایک پل کا حساب لے گا اور پوچھے گا۔ بتاؤ فرزانہ! تم نے مجھے دھوکا کیوں دیا؟ میں ایک برس دو ماہ میں ایک ایک دن' ایک ایک رات' جب اس کا ہاتھ پکڑتا تھا تو ہاتھ تمہارا ہوتا تھا۔ جب میں اسے گلے لگاتا تھا تو میری سانسوں میں تم ہوتی تھی۔ جب میں اسے ایک مرد کا پیار' ایک مرد کا اعتماد' ایک مرد کی کمائی اور اپنا سب کچھ دیتا تھا تو وہ سب کچھ تمہارے لیے ہوتا تھا۔

ڈائری کا یہ صفحہ لکھتے ہوئے اس کی آواز میرے کانوں میں آرہی ہے۔ وہ مجھ سے پوچھ رہا ہے' فرزانہ! میری ایک بات کا جواب دو' جب قاضی صاحب کلام پاک کی تلاوت کر رہے تھے اور خدا کو حاضر وناضر جان کر میرا نکاح رخسانہ سے پڑھا رہے تھے تو وہ رخسانہ کون تھی؟ اگر وہ نام غلط تھا تو میرا نکاح اس نام سے نہیں ہوا' میرا نکاح تمہاری محبت سے ہوا' تمہارے تمنا سے ہوا پھر جب میں رخصتی کے وقت دلہن کے روپ میں رخسانہ کو سہارا دے کر لے جانے لگا تو ہمیں کلام پاک کے سائے سے گزارا گیا۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں کلام پاک کے سائے میں تمہارے ساتھ گزرا تھا۔

کون کہتا ہے کہ ہماری شادی نہیں ہوئی؟ میری بیوی تم ہو۔

ان لوگوں کی باتیں نہ کرو جو کلام پاک کے سائے سے بھی دھوکا دے کر گزار دیتے ہیں۔ تم میری بات کرو۔ محبت ایک آسمان ہے اور میں آسمانی کتاب کے سائے میں آج بھی تمہارے ساتھ گزر رہا ہوں۔

میری بن بیاہی شریک حیات! ہمارے ایک برس دو مہینے کے ایک ایک لمحے کا حساب کرکے تو دیکھو تم میرے بچے کی ماں بن چکی ہو.....

اس کی امی کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ اس نے میز پر سے سر اٹھایا' پھر پلٹ کر دیکھا' وہ دروازے پر کھڑی ہوئی کہہ رہی تھیں "تم ابھی تک جاگ رہی ہو؟"

"جی..... جی ہاں' میں ذرا لکھ رہی تھی' اب میں سونے جا رہی ہوں۔"

وہ جلدی سے ڈائری کو اٹھا کر دراز کے اندر رکھنے لگی۔ اس کی امی نے کمرے میں داخل ہو کر دراز کی طرف دیکھا پھر گہری سنجیدگی سے کہا "دل کے بھید دل میں چھپ کر نہیں رہتے۔ چہرے پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔"

فرزانہ وہاں سے اٹھ گئی اس نے اپنی امی کو دیکھا' پھر نظریں جھکا کر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے بستر پر آکر لیٹ گئی۔ اس کی امی نے کہا "تم اس طرح نہیں سوؤ گی۔ میں تمہیں سلاؤں گی چلو لیٹ جاؤ۔"

وہ چپ چاپ لیٹ گئی اور اس کی امی نے زیرو پاور کے بلب کو آن کیا پھر دوسری لائٹ بجھا دی۔ اس کے سرہانے بیٹھ کر اس کے سر کو سہلانے لگیں۔ کمرے میں گہری تاریکی تھی۔ ماں بیٹی ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ وہ آنکھیں کھولے اندھیرے کو دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی' کیا وہ بھی اندھیرے کمرے میں لیٹا ہوگا' جیسے بھی ہو' وہ اکیلا تو نہیں ہوگا۔ اس نے آہستگی سے پوچھا "امی جب آپ نے آخری بار رخسانہ کو دیکھا تھا تو وہ ماں بننے والی تھی؟"

"ہاں بیٹی' میرے حساب سے تو وہ اب تک ماں بن چکی ہوگی مگر تم کیوں پوچھ رہی ہو؟ تمہارا ذہن سوتے جاگتے ادھر ہی لگا رہتا ہے۔ میں کہتی ہوں' سوچنا چھوڑ دو۔ اپنے دماغ کو پرسکون رکھو۔ کسی دوسری طرف دھیان بٹاؤ۔"

وہ دھیان بٹانے کی کوشش کرتی تھی لیکن وہ اس کی کوششوں میں بھی موجود رہتا تھا۔ اس نے آہستگی سے پوچھا "امی کیسے دھیان بٹاؤں' میں تو سوچتے سوچتے تھک گئی ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اس سے سامنا ہو جائے' تب دل میں جو اندیشہ ہے' وہ ختم ہو سکتا ہے۔"

"بیٹی! میں نادان نہیں ہوں۔ تمہاری گھبراہٹ اس لیے نہیں ہے کہ وہ تمہیں نقصان پہنچائے گا' اس لیے ہے کہ اس سے ایک بار سامنا ہونے کے بعد تم اس سے دور نہ جا سکو گی۔ کمزور پڑ جاؤ گی' اس کے دکھوں کو سمیٹنے لگو گی اور یہ کوئی اچھی بات نہیں ہو گی بیٹی۔"

"میں کیا کروں امی؟"

"سو جاؤ بیٹی۔"

اس نے ایک گہری سانس لی۔ وہ سانس بتا رہی تھی کہ نیند نہیں آئے گی۔ اس کی امی نے کہا "بیٹی' اللہ کے کلام میں تاثیر ہوتی ہے۔ دو چار آیتیں یاد کر لو اور رات کو انہیں پڑھ کر سویا کرو۔ ابھی ایسا کرو کہ آنکھیں بند کر لو۔ دل اور دماغ سے بوجھ اتارنے

کی کوشش کرو' اپنے بدن کو ڈھیلا چھوڑ دو پھر دل کی گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ کو پکارو' اس سے دعا مانگو کہ وہ تمہیں سکون دے۔"

فرزانہ نے اپنے چاروں طرف کالی رات کو دیکھا پھر آنکھیں بند کرلیں اور دل کی گہرائیوں سے اپنے خداوند کریم کو پکارنے لگی۔

"میرے معبود مجھے سلادے میں سونا چاہتی ہوں۔ میں ایسی نیند نہیں چاہتی' بس میں آنکھیں بند ہوتی ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ میری محبت کو ایسی نیند آئے کہ پھر اس کی آنکھ کبھی نہ کھلے۔

خدایا! تو نے زلیخا کے بڑھاپے میں اس کی دعا قبول کی تھی' اسے دوبارہ جوانی دی تھی آج میری دعا قبول کرلے۔ مجھے بڑھاپا دے دے۔ نہ جوانی ہوگی' نہ یہ رت جگے کی کہانی ہوگی۔ روز سکون سے سوجایا کروں گی۔

میرے مالک میں بہت کوشش کرتی ہوں' اسے دل سے نکال دیتی ہوں' دماغ سے نوچ کر پھینک دیتی ہوں۔ یادوں کی دستک پر دروازہ نہیں کھولتی۔ اس کی کوئی بات یاد آئے تو نہیں بولتی' اس کے لیے خیالوں کے پر نہیں کھولتی۔ اپنے دل اور دماغ پر شعور کے جاگتے پہرے بٹھادیتی ہوں مگر کیا کروں' یہ تو بھی دیکھ رہا ہے کہ جب اسے کوئی راستہ نہیں ملتا تو وہ چپکے سے میری دعاؤں میں بھی چلا آتا ہے' اب میں سکون کی دعا کیا مانگوں؟

○☆○

بادشاہ جانی دونوں ہاتھ سینے پر باندھے' دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ سامنے بستر پر لیٹی ہوئی رخسانہ کو دیکھ رہا تھا۔ رخسانہ اپنے بچے کے ساتھ پلنگ پر نیم دراز تھی اور اسے اپنی داستان سنا رہی تھی۔ وہ داستان جس کی ابتدا فرزانہ اور بادشاہ جانی نے کی تھی لیکن انتہا سے پہلے یہ داستان بیچ میں اٹک رہی تھی۔ بادشاہ جانی کو فرزانہ نہیں مل رہی تھی۔ فرزانہ کو سکون نہیں مل رہا تھا اور رخسانہ کے ہاتھ سے اپنے شوہر کی محبت پھسلی جارہی تھی۔

رخسانہ کی امی اور ابو برآمدے میں سو رہے تھے۔ صبح ہونے والی تھی۔ ساری رات داستان سننے سنانے میں گزر گئی تھی۔ بادشاہ جانی نے دروازے کو اندر سے بند کرلیا تھا۔ دونوں میاں بیوی ایک دوسرے سے ذرا دور تھے۔ رخسانہ نے اس سے کئی بار کہا کہ وہ

پاس آکر بیٹھے مگر وہ اجنبی کی طرح دور ایک دیوار سے ٹیک لگائے اسے دیکھتا رہا اور اس کی باتیں سنتا رہا۔ جب باتیں ختم ہوگئیں تو اس نے کہا "تم کتنا سچ بول رہی ہو' یہ میں نہیں جانتا۔ جب فرزانہ ملے گی تو اس سے باتیں سننے کے بعد ہی معلوم ہوگا کہ اصل بات کیا ہے۔"

"جانی' میں نے تمہاری زندگی میں آنے کے بعد کبھی تم سے جھوٹ نہیں بولا۔ ہمیشہ تمہارا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کرتی رہی۔ کیا تمہیں یقین نہیں ہے کہ میں جو کچھ کہہ رہی ہوں' وہ درست ہے۔"

وہ انکار میں سرہلا کر بولا "ایک بار دھوکا کھا چکا ہوں' جب تک تمہاری باتوں کی سچائی معلوم نہیں ہوگی' اس وقت تک میں تمہاری بات کا یقین نہیں کروں گا اور یہ دیکھو کہ تم نے ساری داستان سنادی مگر یہ نہیں بتایا کہ فرزانہ اب کہاں ہے؟"

"میں نہیں جانتی' اگر جانتی تو ابھی تمہیں اس کے پاس پہنچا دیتی اور وہ میری باتوں کی تصدیق کردیتی۔"

"تم اپنی سچائی دکھانا چاہتی ہو۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ شادی کی پہلی رات سب کچھ سچ سچ بتادیتیں۔ آہ' وہ تمہاری پڑوسن تھی اور میں اس بات سے بے خبر رہا۔"

دونوں کے درمیان خاموشی رہی پھر بادشاہ جانی نے پوچھا "فرزانہ نے کتنے عرصے کے بعد ناظم آباد کا مکان چھوڑ دیا تھا؟"

"ہماری شادی کے تقریباً چھ ماہ بعد۔"

"کیا تم ماں بیٹی نے یا محلے والوں نے ان ماں بیٹی سے یہ نہیں پوچھا کہ وہ مکان بیچنے کے بعد کہاں جارہے ہیں؟"

"ہم نے نہیں پوچھا۔ ہمیں ان کے جانے کی خبر بھی نہیں ہوئی۔ ان کے جانے کے بعد معلوم ہوا۔ محلے والوں کو بتاگئی تھیں کہ فی الحال پاپوش میں کرائے کے مکان میں رہیں گی پھر اپنا مکان خریدیں گی۔ کبھی کبھار آتی رہیں گی۔"

"وہ تمہاری پکی سہیلی تھی پھر تم سے دور کیوں چلی گئی؟ تمہیں اپنا پتا کیوں نہیں بتایا اس نے؟"

"وہ مجھ سے دور نہیں جاسکتی تھی' تمہاری وجہ سے دور ہوگئی۔ ڈرتی ہے کہ مجھ سے

ملے گی تو تم سے بھی سامنا ہو گا۔"

وہ جھنجلا کر بولا "مجھے فریب دینے سے پہلے اسے ڈر نہیں لگا۔"

"فریب دینے کے بعد ڈر لگتا ہے۔"

"کیا میں اسے کھا جاؤں گا؟"

"تم اسے نہیں کھاؤ گے مگر یہ بھی تو معلوم ہو کہ مل کر کیا کرو گے؟"

"میں معلوم کروں گا کہ اس نے مجھے دھوکا کیوں دیا؟"

"یہ ساری باتیں میں تمہیں بتا چکی ہوں۔"

"میں اس کی زبان سے بھی سننا چاہتا ہوں۔"

"تم اس کی زبان سے کچھ سننے کے لیے نہیں' اس سے ملنے کے لیے بے چین ہو یہ دیکھنا چاہتے ہو کہ دو دنوں تک محبت جتانے والی کی محبت صرف دو دنوں تک ہی تھی یا اب بھی ہے۔"

بادشاہ جانی اس پر سے نظریں ہٹا کر' اپنے بچے کی طرف دیکھنے لگا۔ رخسانہ نے کہا "مجھ سے نظریں چراؤ گے تو بات نہیں چھپے گی۔ تم تو کبھی جھوٹ نہیں بولتے ہو جانی۔ سچ سچ بتاؤ کہ مجھے چھوڑ کر اس سے شادی کرو گے؟"

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے پاس آیا پھر بستر کے ایک سرے پر بیٹھ کر بچے کو دیکھتے ہوئے بولا "میں تمہیں چھوڑ نہیں سکتا۔ یہ بات میں پہلے بھی بول چکا ہوں پھر تم شک کیوں کرتی ہو' بس میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"کیوں ملنا چاہتے ہو؟ میں تمہاری بیوی ہوں۔ تمہارے لیے کسی بات میں کمی نہیں کرتی پھر تم کسی دوسری سے کیوں ملو گے' کیوں میرا دل جلاؤ گے؟"

"اس میں جلنے کی کیا بات ہے اس نے مجھے محبت کا فریب دیا تھا۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ واقعی فریب تھا یا محبت بھی تھی۔ اگر وہ مجھ سے محبت کر رہی ہو گی تو میں اسے کچھ نہیں کہوں گا اور اگر اس نے مجھ سے محبت نہیں کی تھی' الو بنایا تھا اور مجھے پھانس کر تم تک پہنچایا تھا تو میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا کیونکہ میں الو نہیں ہوں۔"

"ایسی باتیں نہ کیا کرو۔ اب تم تنہا نہیں رہے۔ تم پر میری اور بچے کی ذمے داری ہے۔ خدانخواستہ تم قتل کرنے کے الزام میں پھانسی پر چڑھ گئے تو میرا اور بچے کا کیا

ہو گا۔ تم ہمارے بارے میں سوچا کرو۔"

وہ جھنجلا کر کھڑا ہو گیا۔ ادھر سے ادھر ٹہلنے لگا۔ بڑبڑانے لگا "تم کہتی ہو تمہارے لیے سوچوں' بچے کے لیے سوچوں' ادھر فرزانہ کے لیے نہ سوچوں تو دماغ خود اس کے لیے سوچنے لگتا ہے۔ کبھی تمہاری طرف دیکھتا ہوں تو تمہارا جھوٹ اور فریب مجھے بے چین کر دیتا ہے۔ میں محبت کرتے کرتے تم سے نفرت کرنے لگتا ہوں۔"

رخسانہ نے بستر سے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا "اگر نفرت ہے تو میرا گلا گھونٹ کر مجھے مار ڈالو۔ ایک دم نہیں مار سکتے تو ہرجائی شوہروں کی طرح آہستہ آہستہ مارو۔ فرزانہ کا نام لو اور میری نیند اڑا دو۔ میری بھوک مار دو۔ فرزانہ کا نام لو اور مجھے کسی کروٹ چین نہ لینے دو۔ میرے دل میں امید کی کلی نہ کھلنے دو۔ میری سب آرزوؤں کو ہلاک کر دو۔ مجھے تو نکاح کے دو بول نے تمہارا کر دیا۔ وفا کے نام پر تمہاری پابند ہو گئی۔ کسی دوسرے کا نام بھی لوں تو حیا کی مار پڑتی ہے۔ بے شک میں تمہیں دھوکا دے کر اپنی مرضی سے تمہاری زندگی میں آئی مگر یہ یاد رکھو کہ آ کر کیسے اسیر ہوئی۔ پر ہوتے ہوئے بھی کبھی یہاں سے اڑ کر نہ جا سکوں گی۔"

"میں مانتا ہوں لیکن تمہیں بھی ماننا ہو گا کہ تم نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ میں اس دھوکے کو کیسے بھلا دوں۔"

"جانی تم کیسے ہو۔ میرے فریب کا احساس کرتے ہو' میری وفا کا شمار نہیں کرتے۔ وہ کون سی جگہ ہے جہاں اچھے اور برے کو' پسند اور ناپسند کو ایک ساتھ نہیں تولا جاتا۔ کیا قصائی تمہارے لیے گوشت کے ساتھ ہڈیاں نہیں تولتا؟ کیا تمہیں تقدیر پھول کے ساتھ پتھر نہیں مارتی۔ ہماری دنیا میں جب ایسا ہوتا ہے تو پھر میری بھی ایک ایسی ہی خطا معاف کر دو' میں نے تم سے کچھ نہیں مانگا' صرف معافی مانگتی ہوں۔"

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے پاس آیا پھر بستر پر بیٹھ گیا۔ اس کے بعد لیٹ گیا۔ وہ اس پر جھک گئی۔ اپنا سر اس کے سینے پر رکھ دیا۔ جانی نے کہا "رونا شروع نہ کر دینا۔ میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔"

"بتاؤ کیسے معاف کیا ہے؟"

"ایسے کہ اب میں تمہیں جھوٹی اور فریبی نہیں کہوں گا۔ جو کچھ تم نے کیا' وہ ایک

غلطی تھی اور میں جانتا ہوں کہ تم اور کوئی غلطی نہیں کروگی۔"

"نہیں جانی! مجھے یہ معافی نہیں چاہیے۔ تم مجھے ساری عمر میری غلطی اور میرے فریب کا طعنہ دیتے رہو۔ میں اسے برداشت کرلوں گی۔ تم اب تک نہیں سمجھے کہ عورت کسی دوسری عورت کا ذکر برداشت نہیں کرتی۔ تم فرزانہ کو بھول جاؤ۔ اس کا نام تک زبان پر نہ لاؤ۔"

اس نے رخسانہ کو تھپکتے ہوئے، چھت کی طرف گھورتے ہوئے، کچھ سوچتے ہوئے کہا "اچھی بات ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارا دل نہیں جلاؤں گا۔ فرزانہ کی بات بھی نہیں کروں گا۔ اس کا نام بھی نہیں لوں گا۔ اب ٹھیک ہے نا؟"

وہ خوش ہوگئی۔ اس کے سر کو سہلاتے ہوئے بولی "دیکھو، دن نکل آیا ہے۔ میں سر سہلاتی ہوں، تم سو جاؤ۔"

وہ اٹھتے ہوئے بولا "نہیں، تمہیں آرام سے گہری نیند سو جانا چاہیے اور تمہاری امی کو کمرے میں رہنا چاہیے تاکہ وہ بچے کا خیال رکھیں۔ میں باہر جاتا ہوں۔ ٹیکسی میں پچھلی سیٹ پر سو کر اپنی نیند پوری کرلوں گا۔"

وہ بڑی محبت سے رخصت ہوگیا۔ دروازہ کھول کر باہر آیا تو اس کی ساس ایک طرف بستر پر بیٹھی ہوئی تھی اور فرید احمد گہری نیند میں ڈوبے ہوئے تھا۔ اس نے ساس کو گھور کر دیکھا۔ وہ ہاتھ ہلا کر بولی "اے مجھے ایسے نہ دیکھا کر، نہیں تو آنکھیں پھوڑ دوں گی۔"

وہ بیک وقت نرم ہو کر مسکراتے ہوئے بولا "میں غلطی پر تھا، ابھی آپ کی بیٹی نے مجھے اچھی طرح سمجھا دیا ہے کہ وہی میری رخسانہ ہے۔ میں خواہ مخواہ کسی دوسری لڑکی کے متعلق سوچ رہا تھا اور شک کر رہا تھا کہ آپ لوگوں نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ توبہ توبہ میں کیسی غلطی پر تھا۔"

وہ فوراً خوش ہو کر بولی "کوئی بات نہیں بیٹے، بچوں سے غلطی ہوجاتی ہے اور ہم بڑے تو معاف کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔ جاؤ آرام سے سو جاؤ۔"

"مجھے نیند کہاں آئے گی۔ میں تو ابھی بہت کچھ سوچ رہا ہوں آپ کے لیے کچھ کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہائے بیٹے، میرے لیے کیا کروگے۔ اپنی بیوی اور بچے کے لیے سوچو۔"

"نہیں پہلے میں آپ کے لیے سوچ رہا ہوں کہ ایک پلاٹ اور خرید لوں۔ وہاں میں ایک بڑا سا باغیچہ بناؤں گا۔ اس میں بہت سے رنگ برنگے پھول کھلیں گے۔ وہاں ایک فوارہ بھی ہوگا۔"

وہ حیرانی سے بولی "کیا تم میرے لیے باغیچہ بناؤ گے۔"

"ہاں، اس باغیچے میں پھولوں کی بارہ دری میں ایک چاندنی کا جھولا ہوگا اور اس جھولے کے نیچے ایک قبر ہوگی۔"

وہ چونک کر بولی "قبر! کس کی قبر؟"

وہ دانت کچکچا کر گھونسا دکھاتے ہوئے بولا "تمہاری قبر اور اس قبر کے اوپر میں جھولا جھولتا رہوں گا۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے پلٹ کر جانے لگا۔ اس نے دونوں کانوں میں انگلیاں ٹھونس لی تھیں۔ اس کی ساس یقیناً بڑبڑا رہی ہوگی۔ اسے بہت کچھ سنا رہی ہوگی لیکن اسے سنائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر دور کھڑی ہوئی ٹیکسی کے پاس آیا پھر دروازہ کھول کر اندر پہنچا، دروازے کو بند کیا اور پچھلی سیٹ پر آرام سے لیٹ گیا۔

اس کی ساس بڑبڑاتے ہوئے کمرے میں آئی۔ رخسانہ نے پوچھا "کیا ہوا امی؟"

"ہوگا کیا! یہ لڑکا تو میری بالکل عزت نہیں کرتا ہے۔ کوئی ایک بات ہو تو تمہیں بتاؤں۔"

"آخر ہوا کیا؟"

"وہ پاگل کا بچہ کہہ رہا تھا کہ میرے لیے پلاٹ خریدے گا۔"

"امی آپ خواہ مخواہ انہیں گالیاں دے رہی ہیں۔ کیا آپ کے لیے پلاٹ خریدنا کوئی جرم ہے؟"

"آگے تو سنو، کہتا ہے کہ میرے لیے بہت ہی خوب صورت باغیچہ بنائے گا۔"

"امی، وہ ایسا کریں یا نہ کریں مگر آپ کے لیے محبت سے ایسا سوچتے تو ہیں۔"

"واہ بیٹی، بڑی محبت ہے۔ آگے تو سنو۔"

"آپ سنائیں تو۔"

"وہ اس باغیچے میں ایک قبر بنائے گا اور اس قبر کے اوپر جھولا جھولے گا۔ یعنی قبر

میری ہوگی اور جھولا اس کا ہوگا۔ میں لعنت بھیجتی ہوں ایسے داماد پر۔"

رخسانہ کے چہرے سے دکھ اور پریشانی کے تاثرات ابھرے پھر وہ آہستگی سے بولی "امی، مجھے افسوس ہے کہ انہوں نے آپ کی شان میں گستاخی کی لیکن آپ میرے سامنے ان پر لعنت نہ بھیجیں اور نہ ہی اپنی زبان سے گالی نکالیں۔"

وہ ہاتھ نچا کر بولیں "واہ بیٹی خوب اپنے میاں کی حمایت کر رہی ہو۔ میرے ساتھ جو بدتمیزی ہو رہی ہے اس کا تمہیں احساس تک نہیں ہے۔"

"میں اتنے عرصے میں جانی کو خوب اچھی طرح سمجھ گئی ہوں۔ امی وہ بیل کی طرح بالکل سیدھے ہیں۔ جب کوئی انہیں چھیڑتا ہے تو وہ سینگ مارتے ہیں ورنہ کسی کو نقصان نہیں پہنچاتے۔ ہم نے انہیں اتنی بری طرح چھیڑا ہے کہ ان کا سینگ مارنا فطری امر ہے۔ جب وہ کمرے سے نکل کر جا رہے تھے تو ہمارے درمیان پوری طرح سمجھوتا ہو چکا تھا اور وہ مطمئن تھے۔ کمرے سے باہر جاتے ہی یقیناً انہیں آپ کی کسی بات سے دکھ پہنچا ہوگا جب ہی تو انہوں نے آپ سے ایسی بات کہہ دی۔"

"لو بیٹی، تم تو مجھے ہی الزام دے رہی ہو۔ بھلا میں اسے کیا کہوں گی۔ اس نے کمرے سے نکلتے ہی مجھے گھور کر دیکھا تو میں نے اتنا ہی کہا کہ مجھے اس طرح مت گھورو، نہیں تو آنکھیں پھوڑ دوں گی۔"

"بس یہی بات ہوئی نا، کیا اتنی سی بات آپ کی سمجھ میں نہیں آتی کہ جو کھیل ان کے ساتھ کھیلا گیا ہے، اس کے نتیجے میں وہ ذرا سا گھور کر دیکھتے ہیں تو اسے برداشت کرنا چاہیے۔ میں آہستہ آہستہ انہیں راہ پر لا رہی ہوں لیکن آپ سے برداشت نہیں ہوتا۔"

بچہ رونے لگا۔ وہ بڑبڑاتے ہوئے بچے کے پاس آئیں "اچھا میں ہی بری ہوں۔ اولاد کے لیے جان دو پھر بھی کوئی صلہ نہیں ملتا۔"

وہ بچے کو اٹھا کر اسے چپ کرانے لگیں۔ رخسانہ بھی چپ تھی، وہ جانتی تھی کہ اس کی امی باتوں سے قائل ہو جاتی ہیں لیکن اپنی ہار نہیں مانتیں۔ وہ بحث کو آگے بڑھانا چاہتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس کی امی نے پوچھا "جانی سے کیا باتیں ہوئیں؟"

"میں نے انہیں سب کچھ بتا دیا ہے۔"

وہ حیرانی سے بولیں "کیا سب کچھ بتا دیا ہے؟"

"جی ہاں، اب چھپانے سے بات اور بگڑی جا رہی تھی۔ وہ فرزانہ کو دیکھ چکے ہیں۔ فرزانہ بھی ایک رکشے میں بیٹھی انہیں دیکھتی رہی تھی یعنی اپنی حرکتوں سے ظاہر کر دیا تھا کہ وہ انہیں پہچان رہی ہے اور وہی رخسانہ ہے جو شادی سے پہلے مل چکی تھی۔"

اس کی امی نے کہا "بیٹی، میں اس لڑکی کو خوب جانتی ہوں۔ اس کی نیت میں پہلے ہی کھوٹ تھا۔ اگر تمہارا چہرہ بگڑنے میں اس کا ہاتھ نہ ہوتا تو وہ کبھی جانی کو تمہارے ہاتھ نہ لگنے دیتی۔ میں یقین سے کہتی ہوں، وہ جان بوجھ کر جانی کے سامنے آئی ہوگی۔"

رخسانہ نے انکار میں سر ہلا کر کہا "نہیں، اتفاقاً ایسا ہو گیا۔ ویسے فرزانہ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ جانی سے سامنا ہوگا تو اجنبی بن جائے گی۔ وہ اپنے وعدے پر قائم نہیں رہ سکی۔ شاید آپ درست کہتی ہوں۔ وہ بہت چالاک ہے، بظاہر اس کے سامنے آکر اس سے باتیں نہیں کیں، اس سے دور ہوتی چلی گئی۔ یوں اس نے اجنبیت کو قائم رکھا لیکن پلٹ کر مسلسل دیکھتے رہنے کے انداز سے بادشاہ جانی کو اشارہ دے گئی کہ وہ اجنبی نہیں ہے، اسے پہچانتی ہے۔"

"اگر وہ ایسی ہی چالیں چلتی رہی تو تمہارا گھر تباہ ہو جائے گا۔"

"میں اس سے جا کر ملوں گی اسے پھر سمجھاؤں گی کہ وہ ایسی حرکتیں نہ کرے۔"

"تمہارے سمجھانے سے وہ نہیں سمجھے گی۔ وہ تم سے جلتی ہے۔"

"اس کے جلنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ ابھی جانی نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ اب کبھی فرزانہ کا ذکر نہیں کرے گا اور نہ ہی اس کا نام زبان پر لائے گا۔ آپ دیکھتی رہیے، میں رفتہ رفتہ جانی کے دماغ سے اس کا نام مٹا دوں گی۔"

"جب تمہیں اعتماد ہے تو پھر اس چڑیل سے جا کر کیوں ملنا چاہتی ہو؟"

"ایک کوشش ادھر سے بھی ہونی چاہیے۔ کیا حرج ہے اگر دشمن کو بھی سمجھایا جائے۔"

"اس سے کب ملوگی؟ چھٹی کا غسل کیے بغیر تم باہر نہیں نکل سکتیں۔"

"چھ دن بہت ہوتے ہیں، ان چھ دنوں میں اس نے کوئی دوسری چال چل دی تو؟"

"امی میں اتنی کمزور نہیں ہوں۔ میں جانی کی طرف سے اپنا محاذ مضبوط کر رہی ہوں۔ جانی میرے قابو میں رہیں گے۔ میری بات مانتے رہیں گے، وہ بہت اچھے ہیں امی۔ آپ انہیں

نہیں سمجھ سکتیں۔ یہ باتیں مجھ پر چھوڑ دیں۔ اب مجھے نیند آ رہی ہے۔ آپ ذرا بچے کا خیال رکھیں۔"

وہ بستر پر آرام سے لیٹ گئی۔

ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر بادشاہ جانی بھی آرام سے لیٹا ہوا تھا مگر بے آرام تھا۔ اندر وہی ہل چل مچی ہوئی تھی کہ فرزانہ کہاں ہے؟ وہ اسے کہاں ڈھونڈے؟ کراچی شہر شیطان کی آنت کی طرح پھیلا ہوا ہے اور دن بہ دن پھیلتا ہی جا رہا ہے۔ وہ اسے ایک طرف سے ڈھونڈنا شروع کرے گا' دوسری طرف سے یہ شہر اور آگے پھیلتا چلا جائے گا۔ تلاش جاری رہے گی' کبھی ختم نہ ہوگی۔

وہ سوچ رہا تھا' دنیا کہتی ہے کہ ڈھونڈنے سے خدا بھی مل جاتا ہے مگر عقل والوں کو ملتا ہے اور میرے پاس عقل نہیں ہے۔ میں کیسے ڈھونڈوں؟ پھر وہ اچانک ہی اٹھ بیٹھا۔ ہاں' مستری چاچا۔ میرے مستری چاچا عقل مند ہیں۔ وہ مجھے راستہ دکھا سکتے ہیں کہ کس طرح فرزانہ تک پہنچا جا سکتا ہے۔ مجھے ابھی ان سے ملنا چاہیے۔

وہ فوراً ہی پچھلی سیٹ سے اٹھ کر اگلی سیٹ پر آ بیٹھا پھر گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔ انجن ٹھنڈا ہو گیا تھا اس لیے اسٹارٹ ہونے میں دیر ہو رہی تھی۔ انجن کے گھرر گھرر کی آواز کمرے تک پہنچ رہی تھی۔ رخسانہ اس وقت تک گہری نیند میں ڈوب گئی تھی۔ اس کی امی کھڑکی کے پاس آ کر دیکھا۔ اس وقت بادشاہ جانی نے بھی سر گھما کر کھڑکی کی طرف دیکھا پھر گاڑی سے اتر کر بولا "اے' تم میری گاڑی کو کیوں دیکھ رہی ہو اسی لیے تو... بے چاری بھی ہوئی ہے۔ اسٹارٹ نہیں ہو رہی ہے۔ دیکھو' میں بولتا ہوں ایک وقت میں کسی ایک کو آنکھیں دکھاؤ۔ اپنے داماد کو ڈراؤ یا گاڑی کو۔"

بڑی بی کو بڑا غصہ آیا پھر بیٹی کی بات یاد آئی کہ جانی کو محبت سے سمجھایا جائے تو وہ سمجھ لیتا ہے' وہ اچانک ہی مسکرا کر جانی کو دیکھنے لگیں۔ جانی نے حیرانی سے ان کی مسکراہٹ کو دیکھا پھر پوچھا "اے کیا تو نے اپنے دانت مانجھ لیے ہیں؟"

"ابھی نہیں۔"

"کیا کلی کر لی ہے؟"

"ابھی کروں گی لیکن تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"دانت بھی نہیں مانجھے' کلی بھی نہیں کی' تمہیں باسی منہ مسکراتے ہوئے شرم نہیں آئی۔ میں خوب سمجھتا ہوں۔ جب ساس مسکراتی ہے تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ داماد کو چبانے سے پہلے اپنے دانت تیز کر رہی ہے۔"

یہ کہتے ہی اس نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ وہ فوراً ہی اسٹارٹ ہو گئی۔ وہ اپنے پلاٹ کے احاطے سے نکل کر سڑک پر پہنچ گیا۔ ادھر رخسانہ کی امی کھڑکی کے پاس کھڑی تلملا رہی تھیں۔ مٹھیاں بھینچ رہی تھیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح جانی کی بوٹیاں نوچ لیں یا اپنا ہی سر دیوار سے ٹکرانا شروع کر دیں۔ انہوں نے کھڑکی کے پٹ بند کر دیے پھر پلٹ کر غصے سے رخسانہ کی طرف دیکھنے لگیں۔

وہ بیٹی کو کچھ باتیں سنانا چاہتی تھیں لیکن وہ گہری نیند سو رہی تھی۔ اس کا چہرہ پوری طرح کھلا ہوا تھا۔ آدھا حسین چہرہ جسے سب قبول کرنے کے لیے تیار تھے اور آدھا چہرہ جو داغ داغ تھا جسے صرف جانی قبول کر رہا تھا۔ وہ کتنی خوش تھی' مطمئن تھی۔ اس کی ازدواجی زندگی میں مسائل پیدا ہو گئے تھے مگر وہ بڑے حوصلے سے' ہمت سے جانی کو اپنے ہاتھ میں رکھے ہوئے تھی۔ بیٹی کے عزم اور اس کی ذہانت سے پتا چلتا تھا کہ جانی ہاتھ سے بے ہاتھ نہیں ہو گا۔

جانی گیراج کے سامنے پہنچ گیا۔ لڑکے گیراج کھولنے کے بعد اب کام سے لگنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ مستری چاچا ابھی نہیں آئے تھے' جانی کو وہاں بیٹھ کر انتظار کرنا پڑا۔ انتظار کرتے کرتے وہ ایک بینچ پر لیٹ گیا۔ لیٹتے ہی اسے نیند آ گئی۔ رات بھر کا جاگا ہوا تھا۔ پریشان بھی تھا۔ جسمانی تھکن بھی تھی اور ذہنی الجھن بھی۔ ان سب نے مل کر اسے گہری نیند سلا دیا تھا۔

پھر مستری چاچا نے اسے جھنجوڑ کر اٹھایا "اٹھو جانی' دو بج رہے ہیں کیا بھوکے سوتے رہو گے۔"

وہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ آنکھیں ملتے ہوئے مستری چاچا کو دیکھ کر بولا "چاچا' میں بہت دیر سے انتظار کر رہا تھا۔ تم سے بہت ضروری کام ہے۔"

"میں بھی بہت دیر سے آیا ہوا ہوں۔ تمہیں اس لیے نہیں اٹھایا کہ رات بھر شاید جاگتے رہے ہو اس لیے سونے دیا اور تمہارے ضروری کام کو میں جانتا ہوں۔ تمہاری

کھوپڑی میں وہی کیڑا کلبلا رہا ہو گا کہ دوسری لڑکی کون ہے اور کہاں ہے؟"

وہ مستری چاچا کا ہاتھ تھام کر بولا "چاچا! تمہارا جواب نہیں ہے۔ تم بہت عقل مند ہو۔ ایک دم سے دل کی بات سمجھ لیتے ہو۔ بتاؤ نا وہ کہاں ملے گی؟"

"ارے' میں کیا اس کا رشتے دار ہوں کہ اس کا پتا بتادوں۔ جا حمام سے غسل کر کے آ۔ میں نے گھر سے کھانا منگوایا ہے میرے ساتھ کھانا کھالینا۔"

"چاچا! غسل کس لیے کروں؟ تم ایک بار یقین دلا دو کہ مجھے فرزانہ تک پہنچا دو گے تو میں اپنی ٹیکسی کو بھی غسل کرادوں گا۔"

مستری چاچا نے پریشان ہو کر اسے دیکھا پھر اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بولے "دیکھو جانی' تمہاری بیوی میری بہو' بہت اچھی ہے۔ میں اسے بیٹی مانتا ہوں۔ تم اس کے ہوتے ہوئے کسی دوسری لڑکی کا ذکر کرتے ہو تو ایسا لگتا ہے جیسے میری اپنی بیٹی پر ظلم کر رہے ہو۔"

اس نے چاچا کی داڑھی کو عاجزی سے چھوتے ہوئے کہا "دیکھو اسے بیٹی نہ بناؤ' اگر بنا رہے ہو تو جواب دو کہ ان لوگوں نے میرے ساتھ دھوکا کیوں کیا؟ اور دھوکا کیا ہے تو اس کی سزا انہیں کیا ملنی چاہیے؟ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ وہ جھوٹ بھی بولیں اور دھوکا بھی دیں اور تم اسے بیٹی بنا کر' ان کے رشتے دار بن کر' ان کے سارے گناہوں پر پردہ ڈال دو۔ کوئی انصاف تو کرو۔"

"میں کیا انصاف کروں۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہارے ساتھ دھوکا ہوا ہے لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ قسمت سے تمہیں بہت اچھا گھر مل گیا ہے' لڑکی اچھی مل گئی ہے۔ وہ کتنی سگھڑ ہے' کتنی ذہین ہے کیا تم اس کی قدر نہیں کر سکتے؟ تم اس کے دھوکے اور جھوٹ کو بھلا نہیں سکتے؟"

"چاچا' یہ بات تو وہ بھی کہتی ہے کہ میں اس کے فریب کو بھلا دوں۔ چلو بھلا دیا۔ میں نے اس سے وعدہ بھی کیا ہے کہ اب میں اسے طعنے نہیں دوں گا اور اس کے سامنے فرزانہ کا نام بھی نہیں لوں گا۔"

"جب تم نے وعدہ کیا ہے تو پھر وعدہ خلافی کیوں کر رہے ہو؟ ایک بات مجھے بتادے۔ کیا تجھے رخسانہ پسند نہیں ہے؟ کیا تجھے اپنے بیٹے سے محبت نہیں ہے؟"

"بیٹے سے محبت ہے' رخسانہ کو بھی چاہتا ہوں۔ اس کی عزت کرتا ہوں۔ اسے کبھی چھوڑ نہیں سکتا مگر فرزانہ کی بات اور ہے۔"

"اس کی بات اور کیوں ہے؟"

"بس کیا بتاؤں؟ مجھے ٹھیک سے بولنا نہیں آتا۔ سمجھ لو کہ یہ رخسانہ' یہ بچہ یہ ساری کی ساری دنیا اور ہے اور وہ فرزانہ اور ہے۔ نہیں سمجھے؟ دیکھو میں سمجھاتا ہوں۔ یہ جو ایک برس دو مہینے کی راتیں میں نے گزاری ہیں تو ایسے گزاری ہیں کہ میں رخسانہ سے باتیں کرتا تھا اور آواز فرزانہ کی سنتا تھا۔ میں مانتا ہوں کہ رخسانہ میری بیوی ہے اور وہ ساری عمر میرے برابر والی سیٹ پر بیٹھے گی لیکن میں ٹیکسی ڈرائیور ہوں۔ پچھلی سیٹ سے آنے والی آواز کو سنتا ہوں کہ وہ فرزانہ ہے اور پہچانتا ہوں کہ وہ فرزانہ ہے۔ میں کیا کروں' اپنی عادت سے مجبور ہوں۔ میرے پیچھے جو کچھ بھی ہوتا ہے' اسے میرا دماغ محسوس کرتا ہے اور میں ونڈ اسکرین کے پار دیکھتے رہنے کے باوجود اپنی پچھلی سیٹ والی کو نہیں بھلا سکتا۔ اس کی بات اور ہے۔"

مستری چاچا نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر محبت سے سمجھایا "یہ دیوانگی ہے' اس سے بسا بسایا گھر برباد ہو جائے گا۔ دیکھ اللہ تعالیٰ نے تجھے کتنا خوب صورت سا بیٹا دیا ہے' کیسی محبت کرنے والی بیوی دی ہے۔ تو اللہ کے دین کو ٹھکرا رہا ہے۔ ناشکری کر رہا ہے اور اب دوسری لڑکی کے لیے بھٹکنا چاہتا ہے۔"

"چاچا! اسے دوسری لڑکی نہ کہو' وہی میری زندگی کی پہلی محبت ہے' دوسری تو رخسانہ ہے۔"

"جو کچھ بھی ہے' اب رخسانہ ہی سب کچھ ہے۔ اگر تو فرزانہ کے پیچھے بھاگے گا تو بڑی تباہی آئے گی۔ بادشاہ جانی کچھ میرے تجربے سے سیکھنے کی کوشش کر' تیری سمجھ میں نہیں آتا جو میں کہتا ہوں' اس پر آنکھ بند کر کے عمل کر اور میں یہ کہتا ہوں کہ فرزانہ کا ذکر چھوڑ دے۔ اس کا نام تک بھلا دے۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر وہاں سے اٹھ گیا۔ مستری چاچا کو گہری نظروں سے دیکھنے لگا۔ انہوں نے پوچھا "کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں' میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب اس کا ذکر نہیں کروں گا اس کا نام بھی اپنی

زبان پر نہیں لاؤں گا۔"

یہ کہہ کر وہ جانے لگا "ارے کہاں جارہا ہے۔ کیا میرے ساتھ کھانا نہیں کھائے گا؟"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا' اپنی گاڑی میں آکر بیٹھ گیا۔ مستری چاچا اسے ہمدردی سے دیکھ رہے تھے۔ وہ فکر مند بھی تھے پھر وہ گاڑی اسٹارٹ کرکے وہاں سے چلا گیا تو انہوں نے بے بسی سے کہا "میں کیا کروں' سمجھ میں نہیں آتا یہ لڑکا واقعی مظلوم ہے۔ اتنا مظلوم کہ ظلم کرنے والے کا محاسبہ نہیں کرسکتا۔ کرے گا تو محاسبے کے نتیجے میں بیوی کی محبت' وفاداری اور ایک معصوم بچے کی محبت سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ ان خوبیوں کے پیچھے ظلم چھپ جاتا ہے اور جب کوئی برائی چھپ جاتی ہے تو اسے بے نقاب کرنے سے اس برائی میں پھلنے اور پھولنے کی ضد پیدا ہو جاتی ہے' افسوس میں جانی کا ساتھ نہیں دے سکتا۔

○☆○

جانی جیسے اچانک ہی بدل گیا۔ وہ رخسانہ کے ساتھ اچھی طرح ہنستا بولتا تھا۔ بچے کو گود میں لے کر خوب پیار کرتا تھا۔ جب تک گھر میں رہتا' بچے اور رخسانہ کے ساتھ خوش رہتا۔ مستری چاچا سے سامنا ہوتا' تب بھی ایسا لگتا جیسے وہ فرزانہ کو بالکل بھول چکا ہے اور اب اس کا نام بھی اسے یاد نہ رہا ہو۔

لیکن دیوانہ آس کے صحرا میں بھٹکنا جانتا ہے۔ داستانوں میں ہے کہ چار دیواری میں قید رہنے والی لیلیٰ کو اپنے مجنوں کی خبر نہیں ملتی تھی اس کے باوجود وہ جانتی تھی اور پورے یقین سے پوچھنے والوں سے کہتی تھی کہ اس کا دیوانہ صحرا میں ملے گا۔ وہ دیوانہ بھی جانتا تھا کہ اس کی لیلیٰ لیڈی ڈاکٹر ہے' کسی اسپتال ہی میں ملے گی۔ وہ صبح سے شام تک ٹیکسی چلانے کے دوران جب بھی کسی اسپتال کے سامنے سے گزرتا تھا تو گاڑی روک کر پیچھے بیٹھی ہوئی سواری سے کہتا تھا "بس جی' ایک منٹ میرا ایک رشتے دار بیمار ہے' ابھی اسے دیکھ کر آتا ہوں۔"

ٹیکسی میں بیٹھے ہوئے اکثر مسافر اعتراض کرتے تھے "واہ' یہ بھی کوئی مریضوں کو دیکھنے کا وقت ہے' جانتے ہو جب تک تم اسپتال کے اندر جاکر واپس آؤ گے اس وقت

تک تمہارا میٹر کتنی رقم بتادے گا؟"

وہ ان کے جواب میں میٹر کی طرف اشارہ کرکے کہتا تھا "دیکھ لو جی' کتنے پیسے بنے ہیں سات روپے پچاس پیسے' بس یاد رکھنا۔"

وہ میٹر کو بند کردیتا تھا اس کے بعد ٹیکسی سے نکل کر کہتا تھا "میں جب دوبارہ گاڑی اسٹارٹ کروں گا تو میٹر آن کردوں گا۔ اب تو راضی خوشی ہو نا؟"

اکثر مسافر جلدی میں رہتے تھے' وہ اعتراض کرتے تھے "نہیں بھئی پہلے ہمیں پہنچا کر آؤ پھر اپنے بیمار رشتے دار کو دیکھتے رہنا۔"

ایسے وقت بادشاہ جانی کہتا تھا "میٹر پڑھ لو۔ جتنے پیسے بنے وہ دے کر ٹیکسی سے اتر جاؤ۔ اگر میرے واپس آنے تک تم کو دوسری ٹیکسی نہیں ملے گی تو میں لے چلوں گا مگر ابھی تو آگے نہیں بڑھ سکتا۔"

بہرحال وہ فرزانہ کو تلاش کرنے کی خاطر روز ہی صبح سے شام تک مسافروں سے الجھتا رہتا تھا۔ ان سے لڑائی جھگڑے کرتا رہتا تھا لیکن جس اسپتال کے سامنے سے گزرتا تھا' وہاں ایک بار ضرور جاتا تھا۔ کسی نرس یا وارڈ بوائے کو پکڑ کر پوچھتا تھا "کیا اس اسپتال میں لیڈی ڈاکٹر فرزانہ ہیں۔"

اسے نہیں میں جواب ملتا تھا۔ چار دنوں میں وہ شہر کے چھوٹے بڑے دس اسپتالوں میں جاکر معلوم کرچکا تھا۔ پانچویں دن ایک اسپتال میں بتایا گیا کہ وہاں ایک لیڈی ڈاکٹر فرزانہ ابھی نئی نئی آئی ہے۔

بادشاہ جانی نے خوش ہوکر کہا "جی ہاں' وہ بھی ابھی نئی نئی کالج سے پاس ہوکر آئی ہے۔ گورا رنگ ہے۔ آنکھیں بڑی بڑی ہیں۔ کاجل سے زیادہ کالی ہیں اور..... اور کیا بتاؤں جی بس....."

وہ شرمانے لگا۔ سامنے کھڑی ہوئی نرس نے اسے مسکرا کر دیکھا پھر سرہلا کر بولی "میں سمجھ گئی کہ یہ فرزانہ صاحبہ کیسی یادوں میں کھوئی کھوئی سی رہتی ہیں۔ بتایئے میں آپ کا نام کیا بتاؤں؟"

بادشاہ جانی نام بتانے جارہا تھا پھر ایک دم سے عقل آگئی۔ وہ بولا "دیکھئے جی' میں نام بتاؤں گا تو وہ نہیں آئیں گی۔ دراصل ہمارے درمیان کچھ میٹھی میٹھی سی لڑائی ہے۔ وہ

ناراض ہیں اس لیے نہیں آئیں گی۔ آپ جا کر یہ کہہ دیں کہ ان کی امی آئی ہیں۔ ان
سے ملنا چاہتی ہیں۔ بس وہ دوڑی چلی آئیں گی۔"
نرس نے ایک کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ ڈاکٹر صاحبہ کا کمرا ہے۔
آپ یہاں تشریف رکھیں۔ وہ وارڈ میں مریضوں کو دیکھ رہی ہیں۔ میں جا کر خبر کرتی
ہوں۔"

نرس چلی گئی۔ وہ کمرے میں آ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا
تھا۔ اسے خوشی بھی تھی اور وہ محتاط بھی تھا۔ سنبھل کر بیٹھا ہوا تھا کہ اس بار فرزانہ کو
بھاگنے کا موقع نہیں دے گا۔ اگر وہ اسپتال کے اندر کہیں چھپنے جائے گی تو وہ بھی اس کے
پیچھے جائے گا۔ اس کا کوئی بہانہ نہیں سنے گا۔ اسے نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دے
گا۔

وہ کرسی پر بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا۔ کبھی کبھی دروازے کی طرف پلٹ کر دیکھتا
تھا پھر وہاں سے منہ پھیر کر سیدھا کرسی پر بیٹھ جاتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اسے کھٹ کھٹ کی
آواز سنائی دی۔ جیسے کوئی اونچی ایڑی کی سینڈل پہن کر چل رہی ہو۔ وہ سیدھا ہو کر بیٹھ
گیا۔ دروازے کی طرف دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ اسے پیچھے سے دیکھ
کر پہچانتی ہے یا نہیں۔

کھٹ کھٹ کی آواز کمرے میں آ کر تھم گئی۔ اونچی ایڑی چپ ہو گئی۔ وہ بھی چپ
چاپ سیدھا بیٹھا رہا۔ انتظار کرتا رہا۔ وہ خاموشی ایک دو لمحے کی تھی مگر یوں لگ رہا تھا
جیسے برسوں بیت رہے ہیں پھر اسے اپنے پیچھے آواز سنائی دی۔ "ایک برس پہلے میری امی
کا انتقال ہو چکا ہے، تم نے سسٹر سے جھوٹ کہہ کر مجھے یہاں کیوں بلایا؟ کیوں میرے
پیچھے پڑے ہوئے ہو؟ میں تم سے نہیں ملنا چاہتی۔ یہ میری ڈیوٹی کی جگہ ہے تمہیں یہاں
تک میرا پیچھا کرتے ہوئے شرم آنی چاہیے۔"

بادشاہ جانی چپ چاپ بیٹھا دیدے پھیلائے اپنے پیچھے سے آنے والی آواز کو سن رہا
تھا اور بار بار اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال رہا تھا جیسے پیچھے سے آنے والی آواز میں کچھ
گڑبڑ ہو۔ وہ ٹیکسی ڈرائیور تھا۔ ہمیشہ پچھلی سیٹ کی آوازیں سنتا تھا۔ اسے اتنی مہارت
حاصل ہو گئی تھی کہ وہ ان آوازوں کو سن کر ان کے خاکے تیار کر سکتا تھا۔ اس وقت جو

آواز آ رہی تھی، وہ کچھ گڑبڑ تھی۔ وہ پھر غور سے سننے لگا۔ وہ کہہ رہی تھی "کیا سانس
روک کر بیٹھ گئے ہو یا تمہاری زندگی کی سانسیں ختم ہو گئی ہیں۔ میں تمہاری ایکٹنگ کو
خوب سمجھتی ہوں۔ میں تمہارے جیسے جھوٹے اور فریبی کی باتوں میں نہیں آؤں گی۔"
وہ یک بیک اٹھ کر کھڑا ہو گیا، کہنے لگا "اوہ کیا لفڑا ہے پہلے تو محبت بدل دی، اپنی جگہ
دوسری دلہن پیش کر دی اور اب آواز بدل کر بول رہی ہو۔"
یہ کہتے ہوئے اس نے پلٹ کر دیکھا پھر ایک دم سے چونک گیا۔ اس کے سامنے
ایک اتنی موٹی تگڑی فرزانہ کھڑی تھی کہ جسے دیکھنے کے لیے آنکھیں چھوٹی پڑ جاتی تھیں۔
وہ یوں ہانپتے ہوئے سانس لے رہی تھی، جیسے اپنے اندر ہوا بھر کر خود کو اور پھیلا رہی ہو
حالانکہ مزید پھولنے کی گنجائش نہیں تھی۔ بادشاہ جانی نے آنکھیں میچ کر اسے دیکھا پھر
پوچھا "تم کون ہو؟"
"میں لیڈی ڈاکٹر فرزانہ ہوں۔"
بادشاہ جانی نے ہاتھ نچا کر کہا "ارے واہ! بڑی آئی لیڈی ڈاکٹر فرزانہ۔ پہلی ملاقات
میں اپنے آپ کو رخسانہ بولتی تھی، میں نے یقین کر لیا کہ تمہارا نام رخسانہ ہو گا۔ شادی
کے بعد دیکھا تو صورت بدل گئی۔ آدھا چہرہ رہ گیا۔ میں نے پوچھا "اے، تم کون ہو تو پھر
بولی وہی رخسانہ۔ میں نہیں مانتا تھا میں کہتا تھا میری پہلے والی رخسانہ لے کر آؤ، مگر وہ
بولتی تھی، میں وہی پہلے والی رخسانہ ہوں۔ چلو ایک برس دو مہینے مانتا رہا کہ وہ وہی رخسانہ
ہے پھر ایک نیا شوشہ چھوڑا گیا کہ جسے میں چاہتا ہوں، اس کا نام فرزانہ ہے۔ اب میں پانچ
دن سے اپنی فرزانہ کو تلاش کر رہا ہوں تو اب دوسری صورت والی فرزانہ سامنے آ گئی۔
دیکھو میں اتنا الو نہیں ہوں، بار بار دھوکا نہیں کھا سکتا۔ ایک رخسانہ کے بعد ڈبل رخسانہ
ایک فرزانہ کے بعد ڈبل فرزانہ، کیا میں اتنا ہی گدھا نظر آتا ہوں۔"
موٹی فرزانہ اس کی باتیں سنتی رہی اور غصے میں زور زور سے سانسیں لیتی رہی پھر وہ
زور سے چیخ کر بولی "اے کیا بکواس کر رہے ہو۔ کون ہو تم؟"
"بس بس، زیادہ چکر بازی نہ کرو، میں خوب سمجھتا ہوں۔ فرزانہ نے مجھے دور سے
دیکھ لیا ہے کہ میں اسے یہاں تک تلاش کرتا آ گیا ہوں۔ بس مجھے دیکھتے ہی اس نے وہی
پہلے والی چال چلی۔ پہلے دوسری رخسانہ کو بھیجا تھا، اب تمہیں فرزانہ بنا کر میرے پاس

بھیج دیا ہے۔ وہ اسی اسپتال میں کہیں چھپی ہوگی۔ میں اسے ڈھونڈ کر رہوں گا۔"

وہ ایک دم سے پلٹ کر تیزی سے چلتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ موٹی فرزانہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر دیدے پھیلائے خالی خالی دروازے کو تکتی رہ گئی۔ وہ باہر نکل کر کوریڈور میں آیا تو اس نرس سے سامنا ہو گیا۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی "کیوں اپنی فرزانہ سے ملاقات ہو گئی؟"

وہ گھونسا دکھا کر بولا "اے، مسکراتی کیوں ہو۔ دانت اندر کرو۔ میں تم لوگوں کی چال بازی سمجھتا ہوں۔ سچ سچ بتاؤ' وہ اصلی فرزانہ کہاں چھپی ہوئی ہے؟"

نرس سہم کر پیچھے ہٹ گئی پھر کہنے لگی "کیا تم پاگل ہو؟"

"ابھی تو نہیں ہوں مگر ہو جاؤں گا اسی لیے کہتا ہوں کہ مجھے پاگل ہونے سے بچاؤ اور فرزانہ تک پہنچا دو۔"

وہ پیچھے ہٹتے ہوئے بولی "میں نے لیڈی ڈاکٹر فرزانہ کو تمہارے پاس بھیج دیا تھا۔"

"موٹی فرزانہ کو بھیج دیا اور دبلی فرزانہ کو غائب کر دیا۔ بتاؤ وہ کہاں ہے؟"

اس نے لپک کر نرس کی کلائی پکڑی۔ وہ مارے دہشت کے چیخنے لگی "بچاؤ' بچاؤ' یہ آدمی پاگل ہے۔ پلیز..... ہیلپ..... ہیلپ۔"

کتنے ہی وارڈ بوائے اور دوسرے لوگ ادھر ادھر سے دوڑتے ہوئے آنے لگے۔ وہ لیڈی ڈاکٹر فرزانہ بھی اپنے کمرے سے نکل کر چیخنے لگی تھی۔ وہ بھی کہہ رہی تھی کہ یہ آدمی پاگل ہے' اسے پولیس کے حوالے کر دو یا پاگل خانے بھیج دو۔ تھوڑی دیر میں اسے چاروں طرف سے لوگوں نے جکڑ لیا۔ وہ تلملا رہا تھا اور ہاتھ پاؤں جھٹک کر اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہہ رہا تھا "مجھے چھوڑ دو۔ مجھ سے دھوکا ہو رہا ہے' میں لیڈی ڈاکٹر فرزانہ کو ڈھونڈ کر رہوں گا۔"

محبت بڑی ظالم ہوتی ہے' آدمی کو الو بنا دیتی ہے۔ اسے کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں چھوڑتی۔ وہ دیوانہ نہیں سمجھ رہا تھا کہ اسپتال میں ہے' اپنے گھر میں ہے' ٹیکسی میں ہے' اس دنیا میں ہے یا دنیا سے اٹھ چکا ہے۔ وہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ وہ بادشاہ جانی کی حیثیت سے مر چکا تھا اور جب دیوانہ اپنے اندر پہلی شخصیت کو مار دیتا ہے' اپنے آپ کو فنا کر دیتا ہے تب اس کے اندر صرف محبت سانس لیتی ہے۔

محبت کے منہ پر ایک گھونسا پڑا۔ وہ لڑکھڑا گیا "عشق کا سودا سر میں سمایا ہے؟" کسی نے سر کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر ایک طرف جھٹکا دیا پھر وہ لڑکھڑایا۔ کسی نے اس کے پیٹ میں گھونسا مارا۔ وہ تکلیف سے دہرا ہونے لگا۔ گویا کہ محبت کے حضور جھکنے لگا۔ کسی نے اس کے منہ پر ٹھوکر ماری وہ اچھل کر سیدھا ہو گیا جیسے پیار کے سامنے اٹینشن ہو رہا ہے۔ کسی نے اس کے سر پر لکڑی سے ایک ضرب لگائی اس نے کراہتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے زخموں کی سلامی پیش کرنے لگا۔ محبت زخموں کی سوغات اور درد کا نذرانہ چاہتی ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ اس کے سامنے تعظیم سے جھکا جائے اور اس کے سامنے اٹینشن ہو کر مستعد رہنے کا ثبوت دیا جائے۔ محبت ایک مکمل کورس ہوتا ہے جو بدرجہ مجبوری وقت کے ساتھ پڑھنا پڑتا ہے۔ دنیا میں جتنے سبق ہیں' وہ سب ایک ہی وقت میں ایک ہی استاد سے پڑھے جاتے ہیں لیکن محبت کا سبق بیک وقت کتنے ہی ہاتھوں اور کتنی ہی زبانوں کتنی ہی گالیوں اور کتنے ہی پتھروں کی زبان سے پڑھایا جاتا ہے اور دیوانہ پڑھتا رہتا ہے۔

وہ ہوش میں نہیں تھا۔ جب ہوش میں آیا تو خود کو آہنی سلاخوں کے پیچھے حوالات میں پایا۔ تھانے دار اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی بید سے کھیل رہا تھا۔ آہنی دروازے پر بید کو آہستہ آہستہ مارتے ہوئے کہہ رہا تھا "کیوں بے گدھے' مجنوں کی اولاد' کیا اور پٹائی کرنی ہوگی یا ہوش میں آ گیا ہے۔"

وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کا تمام بدن پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ اس نے اپنے چہرے کو ہاتھ لگایا تو وہاں بھی تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ چھونے سے پتا چل رہا تھا کہ چہرہ سوج گیا ہے۔ آنکھیں بھی کچھ موٹی موٹی سی' بھاری بھاری سی لگ رہی تھیں۔ ٹھیک سے کھولی نہیں جاتی تھیں۔ تھانے دار نے اسے ایک گندی سی گالی دی پھر سپاہی سے کہا کہ اسے دروازہ کھول کر باہر نکالا جائے۔

بادشاہ جانی گالی سن کر تلملا گیا مگر برداشت کر گیا۔ آئے دن پولیس والوں سے سابقہ پڑتا رہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ چپ چاپ ایک گالی سن لو تو پولیس والے آگے گالی نہیں دیتے جواب میں کچھ بولو تو پھر گالیوں کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا اور جو گالی کھاتا ہے' وہ ان کا کچھ بگاڑ بھی نہیں سکتا۔

وہ حوالات سے باہر آگیا۔ تھانے دار اپنی میز کے پیچھے کرسی پر بیٹھا ہوا اسے گھور کر دیکھ رہا تھا' وہ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ تھانے دار نے پوچھا "اب کیا ارادہ ہے' کیا تجھے جیل بھیج دیا جائے؟"

اس قسم کی دھمکی ایک اشارہ ہوتی ہے جس کا مطلب ہوتا ہے کہ جیل نہیں بھیجا جائے گا' کچھ نہ کچھ پیش کرو۔ بادشاہ جانی میز پر رکھی ہوئی چیزوں کو دیکھ رہا تھا۔ وہاں اس کی جیب سے بہت کچھ نکال کر رکھا گیا تھا۔ اس کی گاڑی کی چابی تھی' ایک رومال تھا ایک اس کی تصویر تھی۔ سگریٹ کا پاکٹ اور ماچس وغیرہ کے ساتھ ساڑھے چار سو روپے بھی رکھے ہوئے تھے۔ بادشاہ جانی نے میز پر جھک کر اپنی تمام چیزیں اپنی طرف سمیٹ لیں۔ ساڑھے چار سو روپے میں سے پچاس روپے اپنے پرس میں رکھے باقی نوٹ تھانے دار کی طرف سرکا دیے پھر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

تھانے دار نے سرہلا کر کہا "ٹھیک ہے' اب تم جاسکتے ہو مگر یاد رکھنا ادھر اسپتال کی طرف ابھی دو چار روز نہ جانا' میں سب ٹھیک کرلوں گا۔"

بادشاہ جانی اپنی چیزوں کو جیب میں رکھتے ہوئے تھانے سے باہر آگیا۔ باہر اس کی ٹیکسی کھڑی ہوئی تھی۔ وہ مار کھانے کے بعد بے ہوش ہو گیا تھا۔ ٹیکسی کو دیکھ کر پتا چلا کہ تھانے دار اپنے سپاہیوں کے ساتھ اسے اسی کی ٹیکسی میں یہاں تک لایا تھا۔ اس نے اسٹیرنگ سیٹ پر بیٹھ کر اندر کی لائٹ آن کی پھر عقب نما آئینے کو اپنی طرف جھکا کر دیکھنے لگا۔ آئینے پر نظر پڑتے ہی وہ حیرانی سے چند لمحوں تک اپنے آپ کو دیکھتا رہ گیا۔ اس کا چہرہ اتنا سوج گیا تھا کہ پہچانا نہیں جا رہا تھا۔ جابہ جا زخموں کے نشان تھے کہیں خون بہنے کے بعد جم گیا تھا۔ اس نے اندر کی لائٹ بجھا دی۔ گاڑی کو اسٹارٹ کیا پھر وہاں سے ڈرائیو کرتا ہوا ایک بار کے پاس پہنچا۔ اندھیری گلی میں گاڑی کو روک کر چند لمحے خاموش بیٹھا رہا۔ بار ہر مال سپلائی کرنے والے چھوکرے نے آکر پوچھا "کیا چاہیے؟"

اس نے اپنے بائیں پاؤں کا جوتا کھولا۔ اس جوتے کے اندر سو سو کے دو نوٹ رکھے ہوئے تھے۔ اس نے ایک نوٹ نکال کر چھوکرے کو دیتے ہوئے کہا "ایک ادھا سوڈا' اور پانی لے آؤ۔"

چھوکرا چلا گیا۔ وہ اکیلے تاریکی میں بیٹھا ونڈ اسکرین کے پار گھورنے لگا۔ وہاں کچھ

نظر نہیں آرہا تھا ہر طرف سیاہی پھیلی ہوئی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے صرف اس کے چہرے کو نہیں بدلا گیا ہے بلکہ پوری دنیا کے منہ پر کالک پھیر دی گئی ہے۔

اس نے اپنے چہرے کو چھو کر سوچا۔ یہ لوگ دیوانے کو مارتے کیوں ہیں؟ شاید اس لیے کہ دیوانہ ہوش سے بے گانہ ہوتا ہے۔ دیوانہ تہذیب کے خلاف بولتا ہے اور حرکتیں کرتا ہے اور جو لوگ مارتے ہیں' وہ ہوش مند ہوتے ہیں مگر وہ بھی تو تہذیب کے خلاف گالیاں دیتے ہیں اور مار پیٹ کرتے ہیں۔ دیوانے کو مار کر خود پاگل ہونے کا ثبوت دیتے ہیں۔ کسی نے اس سے یہ نہیں پوچھا تھا کہ وہ فرزانہ کو کیوں تلاش کر رہا ہے۔ وہ فرزانہ کون ہے۔ وہ اس موٹی فرزانہ اور نرس کی حمایت میں بغیر کچھ پوچھے ہوئے اس کی پٹائی کر رہے تھے۔ عجیب بات یہ ہے کہ جوان عورت کو کون نہیں چھیڑتا' کچھ لوگ اپنا دل ہتھیلی پر رکھ کر سرعام چھیڑتے ہیں۔ کچھ لوگوں کو شرافت اتنا بزدل بنا دیتی ہے کہ وہ صرف تنہائی میں چھیڑ سکتے ہیں لیکن کوئی دوسرا چھیڑے تو مشتعل ہو جاتے ہیں۔ دوسروں کو مارتے ہیں اور خود عورت پر مرتے ہیں۔ اگر مار پیٹ کا دستور نہ ہوتا' محاسبے کا عمل ہوتا تو لوگوں کو پتا چلتا کہ بادشاہ جانی کی نیت بری نہیں تھی۔ وہ کسی کو چھیڑ نہیں رہا تھا۔ صرف اپنی محبت کا پتا پوچھ رہا تھا۔ پتا پوچھنے میں دیوانگی تھی لیکن اس میں بھی اس کا قصور نہیں تھا۔ اس کے آگے بار بار محبت کے چہرے بدلے گئے تھے۔ وہ اپنی محبت کی تکمیل کے لیے بھٹکتا تھا اور ہر بار اسے محبت کا آدھا چہرہ ملتا تھا۔

چھوکرا وسکی سوڈا اور پانی لے آیا۔ جانی نے وسکی اور سوڈے کی آمیزش سے ایک بڑے گلاس کو بھر لیا۔ وہ جیسے برسوں کا پیاسا تھا۔ غٹاغٹ پیتا چلا گیا۔ ایک گلاس خالی کرنے میں اسے صرف چند سیکنڈ لگے۔ اس کے بعد اس کا سر آہستہ آہستہ گھومنے لگا۔ اب اسے اپنے بدن کی اور چہرے کی تکلیف کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ دوسری بار اس نے گلاس میں وسکی کے ساتھ پانی ڈالا اور پھر دروازے کو کھول کر شراب سے منہ دھونے لگا۔ چلو میں شراب لے کر اپنے چہرے کو تھپتھپانے لگا۔ عام شراب خانوں میں جو شراب سپلائی کی جاتی ہے' اس میں اسپرٹ کی مقدار زیادہ ہوتی ہے اس وجہ سے اب اس کے چہرے کے زخم کھل رہے تھے۔ اسپرٹ سے جیسے آگ لگ رہی تھی جیسے منہ پر تیزاب پھینکا جا رہا تھا اور اس کا چہرہ گلتے گلتے آدھا ہو رہا تھا۔ تکلیف کی شدت کو برداشت

کرنے کے باوجود کراہتا جارہا تھا۔ "آہ۔۔ آہ۔۔ فر۔ ز۔ ا۔ نہ۔۔ جا۔ نا۔۔ آ۔ نا۔۔ فرزانہ۔ جاناں۔ آنا۔ جاناں آجانا۔"

○☆○

فرزانہ مسکرا رہی تھی۔ ایک بوڑھی مریضہ کی نبض تھام کر کہہ رہی تھی۔ "ماں جی! دیکھئے میں کیسے مسکراتی رہتی ہوں' اسی طرح آپ کو بھی مسکرانا چاہیے۔ خوشی سے بہترین اور زود اثر دوا کوئی نہیں ہوتی۔ انسان کا آدھا مرض اس سے دور ہو جاتا ہے۔ دوائیں تو میں لکھ دوں گی لیکن میرے نسخے میں مسکراہٹ لازمی ہوگی۔"

بوڑھی مریضہ نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا "معاف کرنا بیٹی' تم مسکرا رہی ہو مگر تمہاری آنکھوں کو دیکھ کر یوں لگتا ہے جیسے ان کے پیچھے بلائیں منڈلا رہی ہیں اور تمہیں کرب میں مبتلا کر رہی ہیں۔"

"اوہ' نہیں تو۔" وہ گڑبڑا گئی۔ جلدی سے مریضہ کا ہاتھ چھوڑ کر کرسی پر سیدھی طرح بیٹھتے ہوئے بولی "یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ بھلا مجھے کیا کرب ہو سکتا ہے۔ میرے پیچھے کوئی بلا نہیں ہے۔"

بوڑھی مریضہ نے سرہلا کر کہا "مشکل تو یہی ہے کہ ہم اپنے اپنے دکھوں کو اپنے اندر چھپائے رکھتے ہیں اور دوسروں کو بتاتے ہیں کہ ہم بہت خوش حال ہیں۔ ہمیں کوئی دکھ کوئی مصیبت چھو کر نہیں گزرتی۔ کیا گھر میں ٹی وی ہو' صوفے ہوں' فرش پر قالین بچھا ہوا ہو' دیوار پر رنگا رنگ تصویریں ہوں۔ گلدان سجے ہوں تو کیا ان کے پیچھے دکھ چھپ جاتے ہیں؟ بیٹی نہیں چھپتے۔ ہم لاکھ چھپائیں لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل ہوتی ہے کہ ہر انسان اپنی اپنی زندگی کی کربلا سے گزرتا رہتا ہے۔"

فرزانہ نے سرجھکا لیا۔ ایک کاغذ پر نسخہ لکھتے ہوئے بولی "آپ نے دنیا دیکھی ہے' آپ کے تجربات کو جھٹلا نہیں سکتی۔ یہ لیجئے' یہ دوائیں کسی کیمسٹ کے یہاں سے خرید لیں۔"

بڑھیا نے وہ پرچی اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا "کیا کسی دکان پر وہ مسکراہٹ مل سکتی ہے جس کے پیچھے کوئی کرب نہ چھپا ہوا ہو۔ اگر نہیں مل سکتی تو بیٹی نسخے میں مسکراہٹ کو شامل نہ کرو۔ یہ دوا بہت مہنگی ہے کسی بازار میں نہیں ملتی۔ کسی قیمت پر

نہیں ملتی۔"

فرزانہ نے اپنی دونوں کہنیاں ٹیک دیں پھر سر جھکا کر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ اس کی انگلیاں گھنی زلفوں میں دھنس گئیں پھر وہ انکار میں سرہلا کر بولی "کیا کہا جاسکتا ہے۔ ہاں امی کہتی ہیں کہ یہ اتنی بڑی دنیا اللہ کی نگری ہے۔ یہاں سب کچھ ملتا ہے' کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ اللہ ان لوگوں کو سکون نہیں دیتا جو دوسروں کی خوشی چھین لیتے ہیں۔"

یہ کہہ کر اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ بند آنکھوں کے پیچھے بادشاہ جانی نظر آنے لگا۔ "ہائے جانی میں نے اپنا سکون اپنے ہاتھوں سے برباد کیا ہے۔ بچپن میں لڑکیاں کتنی نادان ہوتی ہیں۔ محبت کے مارے اپنے سارے کھلونے اپنی سہیلیوں کو دے دیتی ہیں مگر کچھ قدرتی طور پر اتنی سمجھدار ہوتی ہیں کہ اپنا گڈا کسی کو نہیں دیتیں۔ میں بچی نہیں تھی' نادان نہیں تھی پھر بھی میں نے تمہیں دوسری کے حوالے کردیا۔ اب پچھتا رہی ہوں۔ اب سوچتی ہوں کہ رخسانہ کا جو نقصان میں نے کیا تھا اس کی تلافی کسی دوسرے طریقے سے ممکن ہو سکتی تھی۔ میں زیادہ سے زیادہ کرا اس کے چہرے کی پلاسٹک سرجری کرا سکتی تھی مگر میں نے تمہیں ہاتھ سے بے ہاتھ کر کے اپنے جینے کی صورت بگاڑ لی ہے۔"

اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو بوڑھی مریضہ جا چکی تھی اور ڈسپنسری خالی ہو گئی تھی۔ جتنی مریض عورتیں اور بچے آئے تھے' وہ سب جا چکے تھے۔ اب ڈسپنسری بند کرنے کے بعد وہ کمرے میں جاکر آرام کرنا چاہتی تھی مگر اس کو تو جانی کی یاد میں لذت مل رہی تھی۔ اس طرح بھی آرام آرہا تھا۔ کہنیاں میز پر ٹیک کر' سر کو تھام کر' آنکھیں بند کر کے اس کی یاد میں ڈوبنے سے اور اسے بند آنکھوں کے پیچھے دیکھنے سے ایک طرح کا سکون ملتا تھا۔ پریشانی بھی بڑھتی تھی' آرام بھی ملتا تھا۔ یہ محبت عجیب چیز ہوتی ہے کہ جو تڑپاتی بھی ہے اور قرار بھی دیتی ہے۔ اس نے پھر سر کو جھکا لیا۔ میز پر شام کا اخبار رکھا ہوا تھا اس پر دونوں کہنیاں ٹکی ہوئی تھیں۔ جب اس نے سر جھکایا تو اس کی نظر اخبار کے پچھلے صفحے پر پڑی جو تہہ کیا ہوا نگاہوں کے سامنے ہی رکھا ہوا تھا۔ وہاں ایک چھوٹی سی خبر شائع ہوئی تھی۔ اس خبر کی سرخی بھی ننھی سی تھی لیکن وہاں ٹیکسی ڈرائیور کے الفاظ دیکھتے ہی

نظریں ادھر جم گئیں۔ اس نے پڑھا' لکھا تھا "ایک ٹیکسی ڈرائیور نے اسپتال میں ہنگامہ کھڑا کردیا۔"

وہ چونک کر سیدھی بیٹھ گئی۔ ٹیکسی ڈرائیور تو کوئی بھی ہو سکتا تھا لیکن جب بھی ٹیکسی نظر آتی تھی' کوئی ڈرائیور دکھائی دیتا تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور کا کہیں ذکر ہوتا تھا تو اس کا دھیان بادشاہ جانی کی طرف جاتا تھا۔ "ایک ٹیکسی ڈرائیور' لیڈی ڈاکٹر فرزانہ کو پوچھنے آیا۔ جب ڈاکٹر فرزانہ اس کے سامنے آئیں تو اس نے اسے فرزانہ تسلیم کرنے سے انکار کردیا اور پاگلوں کے انداز میں کہنے لگا کہ اصلی لیڈی ڈاکٹر فرزانہ کو کہیں چھپا دیا گیا ہے اس پر بات بڑھ گئی۔ وہ تشدد پر آمادہ نظر آرہا تھا۔ اس نے نرس کی کلائی بھی پکڑلی۔ لیڈی ڈاکٹر فرزانہ بری طرح دہشت زدہ ہوگئی تھیں۔ تب اسپتال کے وارڈ بوائے اور دوسرے لوگوں نے اس نیم پاگل ٹیکسی ڈرائیور کو قابو میں کیا اور اسے پولیس کے حوالے کردیا۔"

وہ مختصر سی خبر تھی۔ فرزانہ نے اسے پڑھ لیا لیکن اس کی نظریں وہیں جمی رہیں۔ اس کے دماغ میں سنسناہٹ سی ہورہی تھی۔ اس کے سینے میں دھڑکنوں کے دھماکے ہورہے تھے۔ اس خبر میں بادشاہ جانی کا نام نہیں لکھا تھا لیکن وہ سمجھ گئی کہ یہ اسی دیوانے کی داستان ہے۔ اس خبر سے یہ بھی پتا چل گیا کہ وہ کتنی شدت سے' کتنی دیوانگی سے اسے تلاش کررہا ہے۔ اس کے لیے اسپتالوں میں جھانکتا رہتا ہے۔ اس کے لیے ہنگامے کرتا ہے اس کی خاطر تھانے میں اور حوالات میں جاتا ہے۔ وہ کیا چاہتا ہے' اس کی ہنگامہ پروری سے تو یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ غصے میں ہے' جنون میں ہے' یہ انتقام کا جنون بھی ہوسکتا ہے اور محبت کی دیوانگی بھی۔

فرزانہ کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے ابھی بادشاہ جانی ڈسپنسری میں پہنچ جائے گا اور اس کی گردن دبوچ لے گا اور اس کی خوب پٹائی کرے گا' اتنا مارے گا کہ لہولہان کردے گا۔

وہ گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ آہستہ آہستہ کراہنے لگی جیسے پٹائی ہورہی ہو اور بدن دکھ رہا ہو۔ جیسے وہ کلائی مروڑ رہا ہو اور منہ سے ہائے نکل رہی ہو جیسے وہ اسے اٹھا رہا ہو اور گرا رہا ہو۔ اپنے بھاری بھاری پنجوں سے دبوچ رہا ہو' اسے کھسوٹ رہا ہو' اسے توڑ

رہا ہو۔ مروڑ رہا ہو اپنے خنجر سے اس کے وجود کو چھلنی کرتا جارہا ہو۔

وہ لرزنے لگی۔ ظلم کے خیال سے ڈر لگتا ہے مگر ظلم سہتے وقت اپنے ظالم پر پیار بھی آتا ہے۔ اچھا ہے آجاؤ' مجھے چھلنی کردو۔ سوچ سوچ کر اور سہم سہم کر مرتے رہنے سے بہتر ہے کہ تم ایک بار ہی مجھے مار ڈالو۔ میری جان لے لو۔ یہ جان تو تمہارے ہی لیے ہے تم نہیں لوگے تو اور کون لے گا۔

اس نے میز پر رکھے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں کے گھیرے میں اپنا منہ چھپالیا اپنی آنکھیں بند کرلیں پھر خود کو اور جانی کو دیکھنے لگی۔ یہ دیکھنے لگی کہ وہ بری طرح مار کھانے کے بعد لہولہان ہوگئی ہے۔ جابجا زخم آئے ہیں اور اب جانی اس کے زخموں کو سہلا رہا ہے۔ اس کے زخموں کو چوم رہا ہے' اسے سینے سے لگا کر تھپک رہا ہے اور اسے اتنا پیار دے رہا ہے کہ وہ مار سے نہیں مری تھی' پیار سے مرگئی ہے۔

ڈسپنسری کی خاموشی میں اسے امی کی آواز سنائی دی "فری تین بج رہے ہیں' کیا آج دوپہر کا کھانا نہیں کھاؤ گی؟"

وہ ایسے پیارے پیارے تصور میں گم تھی کہ چہرہ آپ ہی آپ کھل اٹھا تھا۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ اس نے میز پر سے سر اٹھا کر ماں کو دیکھا تو ماں نے حیرانی سے پوچھا "کیا بات ہے تم توقع کے خلاف مسکرا رہی ہو۔"

"ہاں امی' بس ایسے ہی۔ مجھے بڑے زور کی بھوک لگی ہے۔ آپ اندر جاکر کھانا نکالیں' میں ابھی دروازہ بند کرکے آتی ہوں۔"

اس کی امی اندر چلی گئیں۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ڈسپنسری کی کھڑکیاں بند کرنے لگی۔ اس کے بیرونی دروازے کو بند کرنے کے لیے آئی تو ٹھٹک گئی۔ دروازے پر رخسانہ کھڑی تھی' وہ اسے گھور کر دیکھ رہی تھی۔ اس نے اپنے آدھے چہرے کو سفید دوپٹے سے چھپا رکھا تھا' وہ جب گھر سے باہر نکلتی تھی تو اپنے دوپٹے کو گھونگٹ بنالیتی تھی اس نے ڈسپنسری کے اندر آتے ہوئے دوپٹے کو سر پر سے گرالیا پھر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولی "جانی کہاں ہے؟"

فرزانہ نے اس کے سامنے آکر پوچھا "تم جانی کو یہاں آکر کیوں پوچھ رہی ہو؟"

"اس لیے کہ وہ کل سے گھر نہیں آئے ہیں۔"

اس بار فرزانہ نے گھور کر کہا "اچھا تو یہاں یہ سن کر آئی ہو کہ میں اسے بھگا کر لے آئی ہوں۔"

"ہو سکتا ہے، تم نہ لائی ہو۔ وہ خود آگیا ہو۔"

"اور میں نے اسے چھپا کر رکھ لیا ہے۔ تم یہی سوچ رہی ہو نا؟"

"اور کیا سوچوں گی۔ میں نے مستری چاچا سے بھی پوچھ لیا۔ وہ بھی پریشان ہو کر صبح سے انہیں ڈھونڈ رہے ہیں جہاں جہاں وہ اپنی ٹیکسی لے جا کر کھڑی کرتے ہیں، وہ تمام جگہیں دیکھ لی گئی ہیں پھر تم ہی بتاؤ کہ اب کہاں دیکھنے جاتی۔ یہی ایک جگہ رہ گئی تھی۔"

"رخسانہ تمہاری وجہ سے میں قصوروار بن گئی۔ وہ اپنی شادی کی رات سے مجھے ڈھونڈتا پھر رہا ہے اور میں چھپتی پھر رہی ہوں۔ اس سے منہ چھپانے کے لیے میں نے اپنا ناظم آباد والا مکان فروخت کر دیا اور یہاں اورنگی کے اس علاقے میں آکر رہنے لگی۔ وہ نہیں جانتا کہ میں یہاں ہوں۔ ایک بات میرے دماغ میں آئی تھی کہ کبھی وہ میری ڈسپنسری کا بورڈ پڑھے گا اور یہاں لیڈی ڈاکٹر فرزانہ واسطی لکھا ہوا نظر آئے گا تو وہ ادھر چلا آئے گا اسی لیے میں نے اپنے سائن بورڈ پر لیڈی ڈاکٹر ایف واسطی لکھوایا ہے۔ یقین نہ ہو تو باہر جا کر دیکھ لو۔ اس طرح وہ کبھی ادھر سے گزرتے وقت بھی میرا نام نہیں پڑھ سکے گا۔ میں چھپنے کے لیے طرح طرح کے جتن کر رہی ہوں اور تم پھر بھی مجھ کو الزام دینے آگئی ہو۔"

"اس لیے کہ آج سے پانچ دن پہلے تمہارا اس سے سامنا ہو چکا ہے۔ کیا یہ جھوٹ ہے؟"

"یہ سچ ہے لیکن میں جان بوجھ کر اس کے سامنے نہیں آئی۔ یہ محض ایک اتفاق تھا۔ تم جانی سے پوچھ سکتی ہو کہ میں نے اس سے کوئی بات نہیں کی۔ ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا ضرور ہے لیکن میں رکشے میں تھی اور اس سے دور ہوتی چلی گئی تھی۔"

"میں خوب سمجھتی ہوں۔ اس انداز میں دور ہوتی گئی تھیں کہ رکشے کی پچھلی کھڑکی سے گھوم گھوم کر تم اسے دیکھتی رہی تھیں۔ تم نے زبان سے شناسائی ظاہر نہیں کرائی لیکن اپنی آنکھوں سے جتا دیا کہ تم وہی شادی سے پہلے والی رخسانہ ہو۔"

فرزانہ نے ٹھہرے ہوئے انداز میں پوچھا "کیا تم لڑائی کرنے آئی ہو؟"

"نہیں میں یہاں جانی...."

وہ کہتے کہتے رک گئی پھر اچانک ہی مسکرا کر بولی "میں تم سے ملنے آئی ہوں۔ ہمارے درمیان لاکھ اختلافات سہی لیکن ہم کبھی بہت اچھی سہیلیاں تھیں۔ کیا تم مجھے گھر کے اندر آنے کے لیے نہیں کہو گی۔"

"ہوں، میں تمہیں گھر کے اندر بلاؤں تاکہ تم وہاں تلاشی لے سکو۔ اپنے جانی کو ڈھونڈ کر نکال سکو۔ ٹھیک ہے، گھر کے اندر آجاؤ اور اگر وہ نہ ملا تب تم اپنی آنکھیں ندامت سے جھکا لو گی یا ڈھیٹ بن کر باتیں کرتی رہو گی اور جھوٹی محبت جتاتی رہو گی۔"

رخسانہ نے اپنی نظریں جھکا لیں، کچھ دیر سوچتی رہی پھر نظریں اٹھا کر فرزانہ کو دیکھا اس کے بازو کو تھام کر کہا "میں تو تمہارے پاس باتیں کرنے آئی تھی مگر آتے ہی لڑنے لگی۔ فری جس عورت کی دنیا لٹ رہی ہو، اس کے دل میں بیٹھ کر دیکھو تو تمہیں میری حالت کا اندازہ ہو گا اور میرے چڑچڑے پن کی وجہ معلوم ہو جائے گی۔ میں جانتی ہوں تم جانی کو مجھ سے نہیں چھپاؤ گی لیکن میں اپنے دل کی بات کیسے بتاؤں۔ جب تک میں تمہارے گھر میں جھانک کر نہیں دیکھوں گی، اس وقت تک یہاں سے مطمئن ہو کر نہیں جا سکوں گی۔ جاؤں گی تو دل ادھر ہی اٹکا رہے گا۔"

فری نے اسے ہمدردی سے دیکھا پھر ایک طرف ہٹ کر بولی "آؤ دروازہ کھلا ہے۔ اندر دو کمرے اور ایک باورچی خانہ ہے۔ امی وہاں موجود ہوں گی۔ جاؤ دیکھو اور اپنی تسلی کر لو۔"

رخسانہ تیزی سے چلتے ہوئے اندرونی دروازے سے گزرتی ہوئی مکان کے رہائشی حصے میں چلی گئی۔ فرزانہ پھر اپنی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس کی پشت سے سر ٹیک کر آنکھیں بند کر لیں۔ اس لمحے دماغ میں سوال پیدا ہوا کہ ایسا کب تک ہو گا؟ وہ چھپتی پھرے گی، جانی اسے ڈھونڈتا رہے گا اور رخسانہ، جانی کے پیچھے بھاگتی رہے گی۔ ایسا کب تک ہو گا؟

اس کے ذہن میں جواب ابھرا جب تک وہ چھپتی رہے گی، ایسا ہوتا رہے گا۔ اگر جانی کے سامنے آجائے گی تو یہ کھیل ختم ہو جائے گا، کوئی ایک فیصلہ ہو گا۔ اس پار یا اس پار۔ وہ کسی ایک نتیجے پر پہنچے گا کہ اب اسے حالات سے سمجھوتا کر کے رخسانہ کے ساتھ ہی زندگی گزارنا چاہیے یا دیوانگی ستائے تو رخسانہ کو چھوڑ کر اسے اپنا لینا چاہیے؟ کوئی

ایک فیصلہ تو ہوگا یہ بھاگ دوڑ والا کھیل اور ہر لمحے اس کے بارے میں سوچ سوچ کر سہم جانے والی بات تو ختم ہو جائے گی۔

اسے اپنے پیچھے آہٹ سنائی دی۔ رخسانہ اندرونی کمروں سے نکل کر آرہی تھی۔ اس نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا پھر پوچھا "کیا تسلی ہو گئی؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔ فرزانہ نے کہا "دیکھو میں نے شادی سے پہلے ہی تمہیں سمجھا دیا تھا کہ شادی کی پہلی رات ہی یہ راز کھول دینا۔ اسے صاف صاف بتا دینا کہ تم پر کس طرح ہسٹیریا کا دورہ پڑتا تھا۔ کس طرح تمہارے آدھے چہرے کو دیکھ کر کوئی تمہیں شریک حیات بنانے کے لیے تیار نہیں تھا۔ تمہاری شادی ضروری تھی لہٰذا جانی کے ساتھ یہ کھیل کھیلا گیا اگر اس میں ذرا بھی انسانیت ہے تو وہ تمہیں قبول کرلے پھر ایک دن ایسا آئے گا کہ پلاسٹک سرجری کے بعد تم مکمل ہو جاؤ گی۔ تمہارے مکمل حسن و جمال کو دیکھ کر وہ وہ مجھے بھلا دے گا لیکن تم نے میرا مشورہ نہیں مانا۔ اب شادی کی رات سے آج تک تم اس کے پیچھے بھاگ رہی ہو اور وہ میرے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ تمہارا بھاگنا ایک بیوی کا المیہ ہے۔ ہمارے ہاں ہزاروں لاکھوں بیویاں' اپنے شوہروں کے پیچھے بھاگتی ہیں ایک دوسرے سے اختلافات ہوتے ہیں' لڑتے ہیں' جھگڑتے ہیں' دور ہوتے ہیں پھر مل جاتے ہیں۔ یہ بھی تمہاری ازدواجی زندگی کا ایک کھیل ہے۔ اس میں بدنام میں ہو رہی ہوں اس کا اندازہ تم نہیں کرسکتیں۔ میں کس طرح ایک مجرم کے مانند چھپی بیٹھی ہوں اس کا بھی تمہیں احساس نہیں ہے۔ میں دن کے وقت کسی بھی اسپتال میں ملازمت کرسکتی ہوں لیکن جانی کے ڈر سے نہیں کرتی۔ میں فرزانہ واسطی کے بجائے الف واسطی بن گئی۔ رخسانہ تمہارا چہرہ آدھا ہے تو میرا نام آدھا ہو گیا۔ میری زندگی آدھی ہو رہی ہے۔ میری نیند آدھی ہو گئی۔ میری بھوک آدھی ہو گئی۔ میں سوچتی ہوں تو ایسا لگتا ہے کہ میرا ذہن آدھا ہو گیا ہے اور میں کوئی کام کی بات نہیں سوچ سکتی۔ تمہارا کیا بگڑتا ہے' تم شاید ایک بچے کی ماں بن چکی ہو۔ تمہیں بچہ ملا' شوہر ملا' گھر ملا' مستقبل ملا۔ تم اپنی ازدواجی الجھنوں کو آج نہیں تو کل سلجھا لو گی لیکن میں تمہیں جانی کی دلہن بنانے کی سزا کب تک پاتی رہوں گی۔"

رخسانہ نے سر جھکا لیا پھر تائید میں سر ہلا کر بولی "میں جانتی ہوں کہ تم نقصان میں

رہی ہو' ویسے جانی کو تو اب یہ معلوم ہو ہی چکا ہے کہ تمہارا نام فرزانہ ہے۔ میں نے انہیں ساری باتیں بتا دی ہیں۔ میں نے اس انداز میں اپنی داستان سنائی ہے کہ وہ متاثر ہوگئے ہیں لیکن تم سے ملنے کی ضد کر رہے تھے اس پر بھی میں نے انہیں سمجھایا تو وہ راضی ہوگئے۔ انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اب تمہارے پیچھے نہیں بھاگیں گے اور نہ ہی تمہارا نام اپنی زبان پر لائیں گے۔ فری مجھے یقین ہے کہ آہستہ آہستہ وہ تمہیں بالکل بھلا دیں گے۔ تمہارا نام تک نہیں لیں گے۔ تمہاری یہ پریشانیاں جلد ہی دور ہو جائیں گی۔"

فرزانہ نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے پوچھا "اگر یہ بات ہے تو تم جانی کو ڈھونڈنے یہاں کیوں آئی ہو؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی "وہ کل رات سے گھر نہیں آئے۔ میں نے انہیں ہر جگہ ڈھونڈ لیا۔ آخر میں خیال آیا کہ شاید وہ یہاں پہنچ گئے ہوں' انہوں نے مجھ سے جھوٹا وعدہ کیا ہو اور تمہیں تلاش کر لیا ہو۔"

"جانی کو تھوڑا سا میں بھی سمجھتی ہوں۔ وہ ہزار بار تم سے وعدے کرے گا اور ہزار بار میرے پیچھے بھاگے گا اور میں بار بار بدنام ہوتی رہوں گی۔ اب میں نے سوچ لیا ہے۔ یہ کھیل ختم کرنے کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ میں اس کے سامنے آجاؤں۔"

رخسانہ ایک دم سے سیدھی ہو کر بیٹھ گئی پھر بولی "نہیں تم ایسا نہیں کرسکتیں۔ تم سامنے آؤ گی تو ان کی دیوانگی بڑھ جائے گی۔"

"اس کی دیوانگی سے تمہیں نہیں مجھے خطرہ ہے۔ وہ مجھے دیکھتے ہی قتل بھی کرسکتا ہے۔ مجھے سربازار رسوا بھی کرسکتا ہے۔"

"نہیں فری' وہ ایسا نہیں کریں گے۔"

"تم کیا جانتی ہو؟ وہ مجھے یہاں کے تمام اسپتالوں میں ڈھونڈتا پھر رہا ہے۔ کل اس نے سوسائٹی کے ایک اسپتال میں لیڈی ڈاکٹر فرزانہ سے بدتمیزی کی' اسے دہشت زدہ کیا۔ ایک نرس کی کلائی پکڑ لی۔ تشدد پر اتر آیا۔ اسپتال والوں نے اسے تھانے پہنچا دیا۔"

رخسانہ نے حیرانی سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھا پھر پوچھا "تم یہ سب باتیں

کیسے جانتی ہو؟"

فرزانہ نے اخبار کو اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "اس کا چوتھا کالم دیکھو۔"

وہ دیکھنے لگی' پڑھنے لگی۔ فرزانہ نے کہا "اس خبر میں کوئی خاص تفصیل نہیں ہے لیکن اس مختصر سی خبر کے پیچھے ہماری زندگی میں کھیلا جانے والا پورا ڈراما چھپا ہوا ہے۔ میں جانتی ہوں' تم جانتی ہو کہ یہ ٹیکسی ڈرائیور صرف بادشاہ جانی ہے' وہ لیڈی ڈاکٹر فرزانہ کو ڈھونڈتا پھر رہا ہے اور اس کے لیے اب حوالات تک پہنچ گیا ہے۔"

رخسانہ اخبار کو میز پر پھینکتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی پھر بولی "میں ابھی جاتی ہوں' انہیں حوالات سے چھڑا کر لاتی ہوں۔"

وہ جانے لگی تو فرزانہ نے آواز دی "جانی مرد ہے۔ دو چار گھنٹے اور حوالات میں رہ سکتا ہے۔ پہلے تم مجھے اپنی خود غرضی کی حوالات سے نکالو۔ میرا فیصلہ کر کے جاؤ۔"

وہ پلٹ کر بولی "تمہارا کیا فیصلہ کروں۔ میں نے کہہ دیا ہے کہ جانی میرے قابو میں آرہے ہیں۔ میں تمہیں یقین دلاتی ہوں' اب وہ تمہارے پیچھے نہیں آئیں گے۔"

فرزانہ ایک دم اچھل کر کھڑی ہو گئی پھر بولی "کیسی بے تکی باتیں کرتی ہو' میں نے تمہیں ثبوت دے دیا کہ وہ تم سے وعدے کرنے اور قسمیں کھانے کے باوجود میرے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ اخبار تک دکھا دیا کہ وہ کس طرح میرے لیے ہنگامے کر رہا ہے پھر بھی تم مجھے جھوٹی تسلیاں دے کر یہاں سے جانا چاہتی ہو۔ یاد رکھو کہ تمہارے جانے سے میں بہل نہیں جاؤں گی۔ میں جانی کے سامنے ضرور آؤں گی۔ ایک آخری فیصلہ مجھے بھی اپنے طور پر کرنا ہو گا۔"

رخسانہ کا چہرہ بجھ گیا۔ اس کی آنکھیں ایسی لگ رہی تھیں جیسے اب دم بھر میں رونے والی ہو۔ وہ آہستگی سے بولی "تم میرے خلاف محاذ بناؤ گی تو میں تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکوں گی کیونکہ میرا شوہر ہی میرے قابو میں نہیں ہے۔ وہ میرے ہاتھ آتا ہے پھر گیلے صابن کی طرح ہاتھ سے پھسل جاتا ہے۔ میں اسے پوری طرح قابو میں رکھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ کچھ کامیابی ہوئی ہے۔ ابھی پانچ دن ہوئے کہ میں نے ساری باتیں اسے سچ سچ بتا دیں۔ تمہارا ذکر بھی کر دیا۔ اب مجھے امید ہو چلی تھی کہ وہ تمہارا خیال چھوڑ دے گا مگر ایسا نہیں ہوا لیکن میں ہمت ہارنے والی عورتوں میں سے نہیں ہوں۔ مجھے خدا کی

ذات پر بھروسا ہے۔ میری پوزیشن اب ذرا مضبوط ہو گئی ہے۔ میرا بچہ ایک ایسی مضبوط زنجیر ہے جو میرے جانی کو مجھ سے باندھ کر رکھے گا۔ میں تم سے تھوڑی سی مہلت چاہتی ہوں۔ فرزانہ جہاں تم نے میرے لیے اتنی قربانیاں دی ہیں کچھ دن اور صبر کر لو۔ اس کے سامنے نہ جاؤ' میری خاطر اپنے آپ کو چھپا لو۔"

"کب تک؟ میں کب تک منہ چھپا کر بیٹھی رہوں' آخر کوئی حد بھی ہوتی ہے۔"

"ہاں ایک حد ہوتی ہے۔ میں تم سے چھ مہینے تک مہلت مانگتی ہوں۔"

فرزانہ نے چیخ کر کہا "چھ مہینے' یہاں ایک ایک لمحہ' ایک ایک صدی کی طرح گزر رہا ہے۔ میں کس کرب میں مبتلا ہوں تم نہیں سمجھ سکتیں۔ میں چھ مہینے منہ چھپا کر نہیں بیٹھ سکتی۔ مجھے اسپتال میں بھی ملازمت کرنی ہے۔ مجھے آزادی سے باہر نکلنا ہے۔"

"میری بہن یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ تم چاہو تو برقع پہن کر سارے کام کر سکتی ہو۔ چھ مہینے کے لیے برقع پہن لو اور اس کے بعد پھر بے شک بے پردہ گھومتی رہنا۔"

"کیا اسپتال میں برقع پہن کر مریضوں کا علاج کروں گی۔"

"اسپتال کی بات اور ہے۔ جب اسپتال کے اندر پہنچ جاؤ تو ڈیوٹی کے وقت برقع اتار دینا۔ ایسے وقت اگر اتفاقاً بادشاہ جانی کا سامنا ہو گیا تو یہ میری بد قسمتی ہو گی' تمہارا کوئی قصور نہیں ہو گا لیکن جہاں تک احتیاط برت سکتی ہو' میری خاطر ایسا کر لو۔ میں پھر تم سے کوئی دوسری التجا نہیں کروں گی۔"

فرزانہ کو اپنے پیچھے اپنی امی کی آواز سنائی دی۔ وہ دروازے کے پیچھے کھڑی ہوئی کہہ رہی تھیں "ہاں بیٹی رخسانہ کی بات مان لو۔ ابھی بادشاہ جانی کے سامنے جانے کی نہ سوچو' بے شک وہ تمہارے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ یہ بات ہمارے لیے تشویش ناک ہے لیکن یہ بھی دیکھو کہ اسے دوسری طرف بیوی اور نوزائیدہ بچے کی محبت مل رہی ہے۔ ازدواجی زندگی کی اپنی کشش ہوتی ہے۔ بیوی اور بچے کی محبت کا پلڑا اتنا بھاری ہو گا کہ وہ تمہیں رفتہ رفتہ بھولتا جائے گا۔ رخسانہ چھ مہینے کی بات کہہ رہی ہے تو چلو کوئی بات نہیں۔ برقعے میں وہ تمہیں نہیں پہچان سکے گا۔ تم بھی اس کی نظروں سے محفوظ رہو گی۔ مان لو بیٹی۔"

فرزانہ نے ایک گہری سانس لے کر رخسانہ کو دیکھتے ہوئے کہا "آئندہ تقدیر کا مذاق

کیا ہوگا' یہ میں نہیں جانتی۔ میری اپنی کوشش یہی ہوگی کہ چھ ماہ تک بادشاہ جانی مجھے نہ دیکھ سکے اور تم فریادی بن کر میرے پاس دوبارہ نہ آؤ۔ تم جاسکتی ہو۔"

رخسانہ نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے محبت اور احسان مندی سے دیکھا پھر اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ فرزانہ کو اس پر بڑا ترس آیا۔ اس نے بھی اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا "کچھ بھی ہو' ہم نے ایک دوسرے کے ساتھ بڑا وقت گزارا ہے۔ میں تمہارے دکھ سمجھتی ہوں۔ جس عورت کا سہاگ لٹ رہا ہو' وہ پاگل ہو جاتی ہے۔ تم تو پھر بھی حوصلے سے کام لے رہی ہو۔ میں تمہاری دوست ہوں' تمہاری دشمن نہیں ہوں۔ تمہیں جینے کا پورا موقع دوں گی۔ تم بھی اپنے طور پر کوشش کرو کہ بادشاہ جانی کے دماغ سے وہ جنون نکل جائے جس کی وجہ سے ہم سب پر تباہی آرہی ہے۔"

"فری تمہاری باتوں نے مجھے بڑا حوصلہ دیا ہے۔ میں جارہی ہوں۔ پوری کوشش کروں گی کہ وہ تمہاری طرف نہ آئیں۔"

وہ جانے لگی۔ فرزانہ کی امی نے کہا "بیٹی' منے کو ہماری طرف سے پیار کرلینا۔"

"اچھی بات ہے خالہ جان۔"

وہ ان کو سلام کرکے وہاں سے چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی فرزانہ کی امی نے کہا "یہ خواہ مخواہ پریشان ہورہی ہے۔ ازدواجی زندگی میں اکثر ایسے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ مرد عورت سے منہ پھیر کر دوسری طرف بھاگتا ہے مگر کھونٹے سے بندھے ہوئے بیل کی طرح رسے کی لمبائی تک بھاگنے کے بعد واپس آجاتا ہے۔ رخسانہ کو اتنا اعتماد ہونا چاہیے کہ اس کی اور بچے کی محبت جانی کو کہیں نہیں جانے دے گی۔"

فرزانہ نے دل ہی دل میں کہا۔ صبح کے بھولے شام کو گھر آسکتے ہیں لیکن جانی کو تو ضدی بنادیا گیا ہے۔ محبت تو پہلے ہی ضدی ہوتی ہے۔ اوپر سے جانی کی ضد۔ اسے کوئی نہیں سمجھ سکے گا۔ صرف میں سمجھتی ہوں کیونکہ میں اس کی طلب ہوں۔

یہ سوچتے ہوئے وہ اندرونی کمروں کی طرف چلی گئی۔ باہر رخسانہ سڑک کے کنارے رکشا یا ٹیکسی کے انتظار میں کھڑی ہوئی تھی اور سوچ رہی تھی۔ یوں تو فری منہ دیکھی باتیں کرتی ہے' وعدے کرلیتی ہے مگر کام بگاڑنے کے بعد وعدہ پورا کرتی ہے۔ میں نے شادی کے بعد کہا تھا کہ وہ برقع پہن کر رہا کرے لیکن اس نے میری بات نہیں مانی اب کہا

تو برقع پہننے کے لیے تیار ہوگئی۔ بہت چالاک ہے۔ پہلے جانی کو اپنی صورت دکھادی تاکہ وہ اسے ڈھونڈتا رہے۔ میں کیا کروں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ اپنا ہی مرد کمزور ہے اور مجھے کمزور بنا رہا ہے۔

اس نے ایک رکشے کو روکا پھر اس میں بیٹھ کر جہانگیر روڈ کی طرف جانے لگی۔ راستے میں اس کے دماغ نے کہا اتنا ہی کافی ہے کہ فرزانہ چھ ماہ تک تعاون کررہی ہے اور برقع پہننے کے لیے راضی ہوگئی ہے پھر دل نے کہا اونہہ یہ بھی کوئی تعاون ہے۔ یہ تو آگ لگا کر بجھانے والی بات ہے۔ اگر وہ میری اتنی ہی ہمدرد ہے' اسے مجھ سے اتنی ہی محبت ہے تو پھر یہ ایک سیدھی سی بات ہے کہ شادی کرلے۔ جب وہ کسی کی ہوجائے گی تو بادشاہ جانی اس کے مطالبے سے دست بردار ہوجائے گا' اس کے پیچھے جائے گا ضرور' اس سے ملے گا' اسے دو چار کھری باتیں سنائے گا' شکایتیں کرے گا لیکن جب یہ دیکھے گا کہ وہ کسی کی بیوی بن چکی ہے تو بات ختم ہوجائے گی۔ یہ ایک سیدھی سی بات ہے لیکن میں جانتی ہوں کہ فری شادی نہیں کرے گی۔ چونچلے دکھاتی رہے گی۔

وہ جہانگیر روڈ کے گیراج میں پہنچی' وہاں مستری چاچا بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے رخسانہ کو دیکھتے ہی اپنی جگہ سے اٹھ کر آگے بڑھتے ہوئے کہا "بیٹی' جانی یہاں آیا تھا اور کہہ کر گیا ہے کہ وہ گھر جارہا ہے تم سے ملنے کے لیے۔ کیا اس سے ملاقات نہیں ہوئی؟"

"جی نہیں' میں انہیں تلاش کرتی پھر رہی ہوں۔ اب پتا چلا کہ وہ سوسائٹی کے ایک پولیس اسٹیشن میں ہیں یا شاید حوالات میں ہیں۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے بیٹی۔ وہ ابھی میرے پاس آیا تھا۔ ایک سواری کو کہیں لے جارہا تھا۔"

"آپ نے ان سے پوچھا کہ وہ کل رات سے کہاں تھے؟"

"پوچھنا کیا ہے بیٹی' اس کا حلیہ دیکھ کر بہت سی باتیں سمجھ میں آگئی ہیں۔ وہ کہہ رہا تھا کہ کل چار بدمعاشوں سے اس کی لڑائی ہوگئی۔ اس نے انہیں خوب مارا۔ ان لوگوں نے بھی اس کی خوب پٹائی کی اس کا چہرہ سوج گیا ہے۔ چہرے پر اتنے زخم آئے ہیں کہ اچھی طرح پہچانا نہیں جاتا۔ ویسے اس کے زخموں کی مرہم پٹی ہوچکی ہے اور اب وہ ٹیکسی چلارہا ہے۔"

رخسانہ نے پوچھا "لیکن وہ رات کو گھر کیوں نہیں آئے؟"

"آتا بھی کیسے، جانی ہو ناکہ پینے کا عادی ہے۔ زخمی ہونے کے بعد اس نے شراب پی تھی پھر اولڈ کلفٹن کی طرف چلا گیا۔ وہاں اس نے رات گزاری پھر صبح سے ٹیکسی چلانے لگا۔"

"چاچا، آج کے اخبار میں ایک چھوٹی سی خبر شائع ہوئی ہے۔ لکھا ہے کہ کل ایک ٹیکسی ڈرائیور نے سوسائٹی کے ایک اسپتال میں لیڈی ڈاکٹر فرزانہ کے ساتھ بدتمیزی کی، اسپتال میں ہنگامہ برپا کیا جس کے نتیجے میں اسے پولیس کے حوالے کر دیا گیا۔ بات مختصر سی شائع کی گئی ہے لیکن اس کے پیچھے کیا ہے، یہ آپ بھی سمجھ سکتے ہیں۔"

"ہاں سمجھ گیا۔ وہ لیڈی ڈاکٹر فرزانہ تک پہنچ گیا ہے۔"

"نہیں چاچا، وہ لیڈی ڈاکٹر فرزانہ کوئی دوسری عورت ہے۔ جانی دراصل فرزانہ تک نہیں پہنچ سکے ہیں۔ انہوں نے آپ سے بھی جھوٹ کہا ہے کہ غنڈوں سے لڑائی ہوگئی تھی۔ یقیناً اسپتال والوں نے ان کو مارا پیٹا ہے اور ان کی یہ حالت کی ہے۔ یا اللہ میں کیسے انہیں سمجھاؤں، کیسے انہیں عقل آئے گی۔"

"بیٹی، تم اسے کچھ سمجھانا چاہتی ہو، میں بھی تمہیں کچھ سمجھانا چاہتا ہوں۔"

"آپ ضرور سمجھائیں، آپ بزرگ ہیں۔"

"یہاں نہیں بیٹی، تم اپنے گھر چلو، وہاں تمہاری والدہ اور والد ہوں گے۔ ان کی موجودگی میں تم سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"اگر آپ ابھی چل سکتے ہیں تو میں تیار ہوں۔ بادشاہ جانی سے تو اب شام ہی کو ملاقات ہوگی۔"

"ہاں وہ شام کو گاڑی بند کرے گا۔"

وہ دونوں اسی رکشے میں بیٹھ کر ناظم آباد کی طرف جانے لگے۔ راستے میں مستری چاچا نے دو ایک بار کچھ بولنے کی کوشش کی پھر خاموش ہوگئے۔ آٹو رکشا اتنا شور مچاتا ہے کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ باتیں کرنے والے ایک دوسرے کی بات آوازوں سے نہیں بلکہ اندازے سے سمجھتے ہیں۔ ہاں میں سرہلاتے رہتے ہیں۔ رکشے میں بیٹھ کر لاکھ اپنی تعریف کرے یا کسی کے خلاف لاکھ فریاد کرے۔ اس کی آواز محض نقار خانے

میں طوطی کی آواز بن کر رہ جاتی ہے۔ بادشاہ جانی بھی شور مچاتا جا رہا تھا۔ فریاد کرتا جا رہا تھا، مجھے لوٹا گیا ہے۔ مجھ سے میری محبت چھینی گئی ہے۔ میری محبت مجھے واپس کرو۔ مجھے اس کا پتا بتاؤ۔ وہ جہاں فریاد کرنے کے لیے جاتا تھا، وہاں ہر ہاں میں سرہلا دیا جاتا تھا جیسے اس کی بات کو سمجھا جا رہا ہو۔ رخسانہ اسے تسلیاں دیتی تھی اور اپنی محبت کا سکہ جمانا چاہتی تھی۔ مستری چاچا بھی اس کی بات سن کر یوں جواب دیتے جیسے اس کی باتیں سمجھ رہے ہوں لیکن وہ بھی نہیں سمجھتے تھے۔ دراصل یہ سارے لوگ اپنے اپنے حالات کے آٹو رکشا میں سوار تھے اور بے حسی کا انجن اتنی اونچی آواز میں پھٹپھٹا رہا تھا کہ بادشاہ جانی کی بات کسی کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔

رخسانہ کی امی نے مسکرا کر مستری چاچا کا استقبال کیا۔ انہیں عزت سے ڈرائنگ روم میں بٹھایا۔ وہاں فرید احمد تاش کے پتوں سے کھیل رہے تھے۔ ان سے مصافحہ کیا پھر پوچھا "آپ سارا دن تاش کھیلتے رہتے ہیں؟"

رخسانہ کی امی نے ناگواری سے کہا "کیا بتائیں بھائی صاحب، میری تو قسمت ہی پھوٹ گئی ہے۔ بس ان کا یہی مشغلہ ہے۔ محنت ان سے نہیں ہوتی۔ گھر کا کام ان سے نہیں ہوتا۔ گھر ہو یا باہر ہو، ہر جگہ مجھے ہی دوڑنا پڑتا ہے۔"

مستری چاچا نے گہری سنجیدگی سے فرید احمد کو دیکھا پھر کہا "جہاں مرد اپنے گھریلو مسائل میں دلچسپی نہیں لیتے اور تمام ذمے داریاں عورتوں پر چھوڑ دیتے ہیں تو وہ عورت تھک ہار کر بعض اوقات غلط فیصلے کرنے لگتی ہے۔ ایسے گھروں میں ایک مسئلے کے بعد دوسرے اور پھر تیسرے مسائل پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں۔"

رخسانہ کی امی نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا "بھائی صاحب، میں یہ نہیں مانتی کہ عورت تھک ہار کر غلط فیصلے کرتی ہے۔ میرا گھر دیکھئے، میں نے کبھی گھریلو معاملات میں کوئی غلطی نہیں کی۔"

"یہی تو بات ہے بہن، اپنی غلطی اگر سمجھ میں آجائے تو آدمی غلطی کیوں کرے۔ کیا آپ نے جانی کی دلہن بدل کر دانش مندی کا ثبوت دیا ہے۔ کیا یہ غلطی نہیں ہے۔"

ان کی باتیں سن کر سب کو چپ لگ گئی۔ انہوں نے کہا "میں یہ نہیں پوچھوں گا کہ جانی کے ساتھ ایسا کیوں کیا گیا۔ میرے پاس بھی تھوڑی سی عقل ہے۔ رخسانہ بیٹی کے

چہرے کو دیکھ کر سمجھ سکتا ہوں کہ ایسے میں کہیں سے رشتے نہیں آتے۔ ایسے میں جانی جیسے لوگ ہی ملتے ہیں۔"

رخسانہ نے تلملا کر کہا "چاچا' آپ ایسی باتیں نہ کریں۔ اس سے جانی کی توہین ہوتی ہے۔ جیسے جیسے لوگ ملنے کا مطلب تو یہ ہوا کہ جانی گرے ہوئے شخص تھے' نہیں وہ بہت اچھے ہیں۔ ان میں کوئی کمی نہیں تھی۔ کوئی عیب نہیں تھا۔ کوئی چھوٹا پن نہیں تھا۔ میں نے انہیں بہت سوچ سمجھ کر قبول کیا ہے۔"

مستری چاچا نے خوش ہو کر کہا "جیتی رہو بیٹی' عورت کو ایسا ہی شوہر پرست ہونا چاہیے اور کہیں بھی کسی سے بھی اپنے شوہر کے خلاف ذرا سی بھی بات نہیں سننی چاہیے۔ میں تمہارے پیٹھ پیچھے بھی جانی کے سامنے تمہاری تعریف کرتا رہتا ہوں مگر بیٹی' یہ جو کچھ بھی ہوا' یہ بہت برا ہوا"

رخسانہ کی امی نے ہاتھ نچا کر کہا "بھائی صاحب' یہ جو رخسانہ کے ابو بیٹھے ہوئے ہیں نا۔ یہ انہی کی کارستانی ہے۔ میں نے کوئی غلطی نہیں کی۔ یہ غلط مشورہ انہوں نے ہی دیا تھا کہ صورت کسی کی دکھائی جائے اور دلہن ہماری بیٹی کو بنایا جائے۔ ہمارے سامنے اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ اس لیے ہم نے ان کی بات مان لی۔"

فرید نے تاش کے پتوں کو میز پر پھینکتے ہوئے مستری چاچا سے کہا "بھائی صاحب آپ میری بھی کچھ سن لیں۔ ہمارا سارا گھر پریشان تھا۔ میری بیٹی کے چہرے کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ ساری عمر کا داغ تھا۔ ہماری دنیا میں گناہ کے جو داغ ہوتے ہیں وہ نظر نہیں آتے اور پارسائی بڑی آسانی سے حاصل ہو جاتی ہے لیکن چہرہ تو سائن بورڈ ہوتا ہے وہاں اگر ذرا سا بھی دھبا پڑ جائے تو وہ مٹایا نہیں جا سکتا ہے البتہ اسے چھوٹی چھوٹی پٹیوں سے چھپایا جا سکتا ہے جیسے میری بیٹی نے چھپا رکھا ہے لیکن پھر بھی معلوم تو ہوتا ہی ہے کہ اس کے پیچھے بدنما داغ ہے۔ تو ہم چہرے کو نہیں چھپا سکتے تھے اس لیے ہم نے اس کے چہرے پر اپنی ایک پڑوسن لڑکی فرزانہ کا چہرہ لگا دیا سائن بورڈ کے طور پر اسے استعمال کیا اور دلہن اسے بنا دیا۔ میں تاش کا کھلاڑی ہوں۔ جب دیکھتا ہوں کہ بازی ہار رہا ہوں تو آنکھ بچا کر پتے بدل دیتا ہوں۔ بس یہی بات میرے دماغ میں آئی کہ پتہ بدل دینا چاہیے۔"

"اس کے بعد ہار مقدر بن جائے تو آپ کیا کریں گے؟ بادشاہ جانی کو سب کچھ معلوم

ہو چکا ہے۔ آپ کی بیٹی اس وقت بارود کے ڈھیر پر بیٹھی ہوئی ہے اور وہ کسی وقت بھی دھماکے سے اڑ سکتی ہے ازدواجی زندگی ابھی برباد تو نہیں ہوئی مگر خوش حال بھی نہیں رہی۔ اب آپ اس کا کیا علاج کریں گے؟ کس طرح بادشاہ جانی کو قابو میں کریں گے؟ کس طرح اسے سمجھائیں گے کہ وہ فرزانہ کے پیچھے نہ بھاگے؟ اس بے چارے کا کیا قصور ہے۔ وہ تو اسی صورت کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ جو آپ نے دکھائی تھی۔"

رخسانہ کی امی نے کہا "بھائی صاحب اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے ہوئے جو سہارا ہاتھ آتا ہے اسی کو تھام لیا جاتا ہے۔ ہم اندھیرے میں بھٹک رہے تھے سہارے کے لیے جانی ملا تو ہم نے اسے پکڑ لیا۔ یہ تو روشنی ہونے کے بعد پتا چلتا ہے کہ وہ سہارا مستحکم ہے یا نہیں؟"

رخسانہ نے کہا "چاچا' وہ برے نہیں ہیں۔ ہمارے جھوٹ اور دھوکے بازی نے انہیں جھنجلاہٹ میں مبتلا کر دیا ہے۔ آپ چاہیں تو میری بگڑی بنا سکتے ہیں وہ آپ کی بے حد عزت کرتے ہیں اور آپ کی بات مانتے ہیں۔"

"کون کسی کی بات سمجھتا ہے بیٹی۔ ابتدائے تہذیب سے آج تک کتنے ہی پیغمبر' کتنے ہی اولیاء اور کتنے ہی داناؤں نے انسانوں کو سمجھایا جتنا وہ سمجھاتے ہیں انسان اتنا ہی بگڑ جاتا ہے شاید اس لیے کہ انسان کی فطرت میں ضد ہے جس بات سے روکا ٹوکا جاتا ہے وہ وہی کرنے پر آمادہ رہتا ہے۔ جانی کو فرزانہ کے قرب سے روکا جا رہا ہے یہ تو اسے ضد دلانے والی بات ہے۔ بہرحال میں یہاں اس لیے نہیں آیا ہوں کہ تم لوگوں کی غلطیوں کی نشان دہی کروں اور جانی کی وکالت کروں۔ میں کبھی یہ نہیں چاہوں گا کہ تمہاری ازدواجی زندگی برباد ہو لیکن بیٹی میں آج ایک بہت ہی تلخ بات کہنے کے لیے آیا ہوں۔ تمہیں اور تمہارے والدین کو میری باتیں بہت ہی بری لگیں گی۔ میں اپنی بات کہنے کے بعد چپ چاپ یہاں سے چلا جاؤں گا جو کچھ کہوں گا اس پر تم لوگ عمل کرو گے یا نہیں کرو گے اس پر غور کرنا اور کسی نتیجے پر پہنچنا تم لوگوں کا کام ہے۔ میں تو راستے کی نشان دہی کروں گا۔"

رخسانہ کی امی نے سنبھل کر بیٹھتے ہوئے کہا "ہاں بھائی صاحب' ہم یہ جانتے ہیں کہ آپ کوئی اچھا راستہ دکھائیں گے۔"

"اچھے راستے کی نشان دہی کون نہیں چاہتا ہے۔ میرے بتانے سے آپ اس پر چل سکیں گی؟"

"ہاں، ہم ضرور اس پر چلیں گے۔"

"تو پھر حوصلہ رکھ کر یہ بات سن لیں کہ آپ لوگوں نے اپنی بیٹی کا جو نکاح جانی سے پڑھایا ہے وہ شاید جائز نہیں ہے اور آپ کی بیٹی ایک برس دو مہینے سے شاید ناجائز رشتے میں الجھی ہوئی ہے۔"

رخسانہ کی امی نے ناگواری سے کہا "یہ آپ کیا فرما رہے ہیں؟ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟"

"میں درست کہہ رہا ہوں۔ میرا اور آپ لوگوں کا فرض ہے کہ کسی اچھے عالم دین سے رجوع کریں انہیں اپنے حالات بتائیں اور سچ سچ کہہ دیں کہ لڑکے کو اندھیرے میں رکھ کر، دھوکا دے کر، کسی دوسری لڑکی کو دکھا کر آپ کی اس لڑکی کے ساتھ نکاح پڑھایا گیا ہے تو کیا یہ جائز ہے؟"

رخسانہ کی امی نے کہا "جائز کیوں نہیں ہے ہم نے باقاعدہ ان کا نکاح پڑھایا ہے۔"

"بے شک آپ نے ایسا کیا ہے لیکن مذہبی اصول و ضوابط کے مطابق اور شریعت کی رو سے یہ نکاح ہوا یا نہیں اس کا فیصلہ کوئی عالم ہی کر سکتا ہے۔ آپ جلد از جلد کسی عالم سے رجوع کریں ورنہ یہ سمجھ لیں کہ آپ بہت بڑے گناہ کی مرتکب ہو رہی ہیں۔"

رخسانہ کی امی اچھل کر کھڑی ہو گئیں "آپ اس بڑھاپے میں کیسی بے تکی باتیں کر رہے ہیں۔ جب مولوی صاحب نے نکاح پڑھا دیا۔ نکاح نامہ ہمارے پاس موجود ہے۔ سارا محلہ اس بات کا گواہ ہے کہ یہ دونوں میاں بیوی ہیں تو آپ اس رشتے کو ناجائز کہنے والے کون ہوتے ہیں؟"

"میں تو کوئی نہیں ہوتا۔ ایک عقل کی بات میرے دماغ میں آئی۔ وہ میں نے کہہ دی۔ آپ کو مشورہ دے رہا ہوں اور بار بار کہہ رہا ہوں کہ کسی عالم دین سے جا کر رجوع کریں۔"

رخسانہ نے کہا "چاچا کیا آپ نے یہ بات بادشاہ جانی کے سامنے کہہ دی ہے؟"

"نہیں۔ پہلے میں تم سے اور تمہارے والدین سے ہی یہ بات کرنے آیا ہوں۔"

رخسانہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ تیزی سے چلتی ہوئی ان کے پاس آئی پھر قدموں میں گر پڑی۔ ان کے پاؤں پکڑ کر بولی "آپ کو خدا رسول کا واسطہ، آپ کو میری مجبوریوں اور میرے اس بگڑے چہرے کا واسطہ، جانی سے یہ بات نہ کہیں ورنہ میں کہیں کی نہیں رہوں گی ابھی تو وہ میرے رشتے میں اور بچے کی محبت میں بندھے ہوئے ہیں جب رشتے کے جائز یا ناجائز ہونے کی بات ان کے کانوں تک پہنچے گی تو وہ بے لگام ہو جائیں گے پھر کسی کے قابو میں نہ رہیں گے۔"

مستری چاچا نے اسے دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر اپنے پاس بٹھاتے ہوئے کہا "بیٹی مجھے خدا کو منہ دکھانا ہے۔ میں کوئی ایسا راستہ اختیار کرنا چاہتا ہوں کہ تمہاری زندگی بھی برباد نہ ہو اور ازدواجی رشتہ بھی جائز ہو۔ اگر تم سے بھلائی مقصود نہ ہوتی تو یہ باتیں پہلے جانی سے کہتا۔ میں جانتا ہوں، وہ سرپھرا ہے۔ اسے تمہیں چھوڑنے اور فرزانہ کو اپنانے کا ایک بہانہ مل جائے گا۔ میں اس کی محبت کے خلاف نہیں ہوں کیونکہ اس کے ساتھ ظلم ہوا ہے۔ میں تمہارے خلاف بھی نہیں ہوں جو کچھ ہو چکا ہے اس کے بعد تم ایسی لڑکی ہو جسے قدر کی نگاہ سے دیکھا جانا چاہیے۔ تمہاری وفاداری، خدمت گزاری، محبت، سلیقہ سب کچھ ایسا ہے کہ مجھ جیسا آدمی تمہارے خلاف کوئی قدم اٹھا ہی نہیں سکتا ہے۔ تم اطمینان رکھو، بیٹی، میں یہاں مشورے کے لیے آیا ہوں، سمجھانے کے لیے آیا ہوں۔ کسی عالم دین سے رجوع کرو گی تو تمہاری بھلائی ہوگی۔ جب ہم سارے مسلمان سورۃ فاتحہ پڑھتے ہیں اور دعا مانگتے وقت اپنے خدا سے کہتے ہیں کہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا تو تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے تم نے یا تمہارے والدین نے جو غلطی کی ہے کوئی عالم ہی ایسا راستہ دکھا سکتا ہے جس سے اس غلطی کی تلافی ہو جائے گی۔"

رخسانہ کی امی نے پریشان ہو کر پوچھا "بھائی صاحب آپ بڑی عقل کی باتیں کرتے ہیں آپ کی سمجھ میں آتا ہو تو بتائیں اس کی بھلائی اب کیسے ہوگی۔ اگر کسی عالم دین نے یہ کہہ دیا کہ نکاح ناجائز ہے تو پھر میری بیٹی کہیں کی نہیں رہے گی۔"

"بس ایک موٹی سی بات میری عقل میں آتی ہے اور وہ یہ کہ جب یہ نکاح ناجائز ثابت ہو گا تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ رخسانہ اور جانی کے درمیان نکاح ہوا ہی نہیں، نکاح نہیں ہوا تو دوسری بار نکاح پڑھایا جا سکتا ہے پھر سے ایک بار نکاح ہو جائے گا تو

رخسانہ جانی کو اچھی طرح سمجھ کر اور جانی رخسانہ کو اچھی طرح سوچ سمجھ کر قبول کریں گے۔"

"بھائی صاحب! یہی تو مصیبت ہے' جانی کو جب یہ معلوم ہو گا کہ نکاح ناجائز ہے اور دوسری بار پڑھایا جائے گا تو پھر وہ فرزانہ سے نکاح پڑھانے کے لیے دوڑتا چلا جائے گا۔ ہم تو اسے پکارتے ہی رہ جائیں گے۔"

"بس اسی لیے تو میں نے جانی کے کانوں میں یہ بات نہیں ڈالی ہے ہم سب چپ چاپ کسی عالم دین سے ملیں گے ان سے مشورہ کریں گے پھر ہم فیصلہ کریں گے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے لیکن پہلے تصدیق تو ہو کہ موجودہ نکاح جائز ہے یا نہیں' اگر ناجائز ہے تو یہ بڑی بری بات ہے اسے تہذیب گوارا نہیں کرتی اور مذہب برداشت نہیں کرتا۔ جب ہم خود کو مسلمان کہتے ہیں تو کیا ہمیں یہ زیب دیتا ہے کہ ہم مذہب کی آڑ میں ناجائز رشتوں کا کھیل کھیلتے رہیں۔ ہرگز نہیں۔ میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ میری باتوں پر غور کریں۔"

یہ کہہ کر وہ جانے کے لیے اٹھ گئے۔ فرید احمد نے اٹھتے ہوئے کہا "بھائی صاحب کہاں جارہے ہیں۔ کچھ ٹھنڈا گرم تو پیتے جائیں۔"

"پھر کسی وقت سہی۔ میں کل صبح آؤں گا اور آپ لوگوں کو کسی عالم دین کے پاس لے جاؤں گا۔ میرے ساتھ چلنا منظور ہو تو اچھی بات ہے ورنہ میں تنہا ہی جا کر اس بات کی تصدیق کروں گا۔ میرے دماغ میں جو کانٹا کھٹک رہا ہے اسے نکالے بغیر مجھے سکون نہیں ملے گا۔"

یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر چلے گئے۔ ان کے باہر جانے کے بعد تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ رخسانہ کی امی کھلے ہوئے دروازے سے باہر کی طرف دیکھتی رہیں جب انہیں یقین ہو گیا کہ مستری چاچا دور جا چکے ہیں تو انہوں نے دونوں مٹھیاں بھینچ کر دانت پیستے ہوئے کہا "بوڑھا' خبیث' اب مذہبی مسئلہ نکال لایا ہے۔ میری بیٹی کی زندگی اچھی گزر رہی ہے۔ یہ ایک بچے کی ماں بن گئی ہے تو اب جائز اور ناجائز کا مسئلہ اٹھا رہا ہے۔ میرا تو جی چاہتا ہے کہ اس بڈھے کے منہ سے سارے دانت نکال لوں اور زبان کھینچ لوں تاکہ بولنے کے قابل ہی نہ رہے۔"

فرید احمد نے کہا "غصہ تو مجھے بھی آرہا تھا لیکن بیچ میں مذہب آجائے تو غصہ نہیں دکھایا جاسکتا۔ دکھائیں تو جوتے پڑتے ہیں لیکن ہوتا یہی ہے ہمارے شہر میں' ہمارے ملک میں' ہماری دنیا میں' کہاں ناجائز کام نہیں ہوتے' ہر جگہ ہوتے ہیں مگر چھپا کر ہوتے ہیں اس لیے جائز ہوتے ہیں۔"

رخسانہ کی امی نے کہا "چھپا کر کہاں' کھل کر ناجائز کام ہوتے ہیں۔ کوئی کسی کو پکڑنے والا نہیں ہے۔ یہ جو شہر شہر حسن کے بازار لگے ہوئے ہیں' شراب خانے ہیں' جوئے کے اڈے قائم کیے گئے ہیں' رشوت لی جاتی ہے' اسمگلنگ کی جاتی ہے' چور بازاری ہوتی ہے' ناجائز منافع خوری ہوتی ہے تو ان باتوں کو کون نہیں جانتا مگر کون پکڑتا ہے' صرف ہم جیسے چھوٹے اور مجبور لوگ پکڑے جاتے ہیں کیونکہ ہم اپنی بیٹیوں کے سر پر سہاگ کا آنچل رکھتے ہیں' کوئی بھی مذہبی' اخلاقی' تہذیبی' سماجی ذرائع سے یہ نہیں بتا سکتا کہ کسی کو ہسٹریا کا مرض ہو جائے اور وہ اپنے کپڑے پھاڑ کر' ننگی ہو کر گھر سے باہر نکل جائے تو یہ تماشا بہتر ہوگا یا یہ تھوڑا سا فریب مناسب ہے کہ دھوکا دے کر کسی طرح اس کی شادی کر دی جائے۔ یہی ایک علاج ہوتا ہے۔ میری بیٹی جیسی لڑکیاں جن کا کوئی چارہ نہیں ہوتا ان کے پاس دھوکے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہوتا مگر ان باتوں کو کون سمجھے گا۔ یہ مستری صاحب تو ہمارے پاس محض دین ایمان کی باتیں کرنے آگئے ہیں۔ دیکھ لینا یہ ہمیں کسی مولوی کے پاس لے جا کر پھنسا دیں گے اور ہمیں گناہگار ثابت کر دیں گے لیکن یہ گناہ بھی ہوا تو اس گناہ کو دھونے اور میری بیٹی کا گھر آباد کرنے کا کوئی راستہ...... تک نہیں ہے ہم کہیں کے نہیں رہیں گے۔"

○☆○

رخسانہ دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر رونے لگی "میں کیا کروں؟ ہائے میں کیا کروں؟ میں مر جاؤں گی مگر اپنے بچے کی ماں کو کیسے ماروں؟ اب اکیلی تو نہیں رہی' میرا جینا مرنا صرف میرے لیے نہیں رہا میری زندگی میرے بچے کے لیے ہے' میرے شوہر کے لیے ہے۔ میں اپنے شوہر کو کیسے سمجھاؤں' میں دنیا کو کیسے سمجھاؤں کہ رشتے اگر دل سے قبول کیے جائیں اور خدمت گزاری سے جیت لیے جائیں تو پھر ناجائز نہیں رہتے لیکن یہ بات کسی کی سمجھ میں نہیں آئے گی اور میرا گھر اجاڑ دیا جائے گا۔ مستری چاچا نے جو بات

آگے بڑھائی ہے اس کے بعد نہ میں بیوی رہوں گی نہ بیوہ۔ نہ سہاگن رہوں گی نہ
میرا کوئی چہرہ نہیں رہے گا۔ کوئی نام نہیں ہوگا۔ جانی سے کوئی رشتہ نہیں ہوگا۔"

یہ کہتے ہی وہ دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر سے ہٹا کر ایک دم سے تن کر کھڑی ہوگئی پھر اپنے سینے پر ہاتھ مار کر بولی "کیوں نہیں ہوگا۔ میں ضرور عالم کے پاس جاؤں گی۔ میں کسی سے نہیں ڈرتی۔ میں دیکھوں گی کہ دنیا والے میرے تمام رشتوں کو ناجائز کہنے کے بعد ایک ماں کو اس کے بیٹے کے ساتھ ناجائز کیسے کہہ سکتے ہیں۔ میں ماں ہوں۔ میں اس بچے کو گود میں لے کر ساری دنیا سے جانی کے لیے لڑ جاؤں گی۔"

اس کے دانت پر دانت جمے ہوئے تھے۔ دیدے پھیلے ہوئے تھے چہرہ آنسوؤں سے تربتر تھا۔ زلفیں بکھری ہوئی تھیں۔ مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں۔ وہ ہانپ رہی تھی۔ وہ کانپ رہی تھی۔ اس کی بھنچی ہوئی مٹھی جیسے ساری دنیا کو گھونسا دکھا کر کہہ رہی تھی' آؤ اور ایک بچے کی ماں سے اس کے شوہر کو چھین کر دکھاؤ۔ میں بھی دیکھتی ہوں کہ کس میں کتنا حوصلہ ہے۔

○☆○
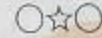
بادشاہ جانی کا حلیہ بگڑا ہوا تھا۔ چہرے پر جابجا چھوٹی چھوٹی پٹیاں چپکی ہوئی تھیں۔ سوجن کم ہوگئی تھی۔ پچھلی شام بدن میں بڑا درد تھا۔ چلنے پھرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی لیکن اولڈ کلفٹن میں پہنچ کر اس نے چمپی والے سے اپنے پورے بدن کی مالش کرائی تھی پھر نشے میں سو گیا تھا۔ صبح اٹھ کر خود کو ہلکا پھلکا محسوس کیا ایک بار دل نے کہا۔ گھر جانا چاہیے۔ دوسری بار دل نے کہا' نہیں جانا چاہیے امید نے اسے ترغیب دی تمام دن گاڑی چلاتے رہو۔ کہیں نہ کہیں اسے پالو گے۔

وہ گاڑی چلاتا رہا۔ دوپہر سے پہلے مستری چاچا سے ملاقات ہوئی اس نے انہیں بتایا کہ چند بدمعاشوں سے اس کا جھگڑا ہوگیا تھا۔ اس لیے چہرہ ذرا بگڑ گیا ہے اس نے کہا تھا کہ وہ دوپہر کو گھر جاکر آرام کرے گا لیکن دوپہر کو امید نے پھر بھڑکایا۔ اسے سواری ملتی رہی وہ ٹیکسی چلاتا رہا۔ پہلے اس کی نظریں ونڈ اسکرین کے پار جمی رہتی تھیں اور دھیان آس پاس رہتا تھا۔ اب دھیان ونڈ اسکرین کے پار ہوتا تھا تاکہ کوئی حادثہ نہ ہو اور نظریں آس پاس فٹ پاتھوں پر ہوتی تھیں۔ کوئی فرزانہ جیسی قد و قامت کی لڑکی گزرتی ہوئی نظر آتی تو

وہ گاڑی کی رفتار دھیمی کرلیتا۔ اسے توجہ سے دیکھتا پھر مایوس ہو کر گاڑی آگے بڑھا دیتا تھا۔

شام کو وہ ایک سواری لے کر مینا بازار کی طرف آیا۔ وہاں جھورے پینٹر سے سامنا ہوگیا۔ جھورے نے قریب آکر کہا "استاد اب سے ایک ڈیڑھ برس پہلے تم نے مجھ سے بڑی سخت بات کہہ دی تھی۔ تمہاری یہ بات اب تک میرے دل میں چبھ رہی ہے کہ شعر لکھنے کے بعد میں اپنے گھر کی کسی عورت کو تمہاری ٹیکسی میں بٹھا دوں۔ اس وقت تمہاری بات بری لگی تھی مگر پھر میں نے توبہ کرلی۔ اب میں کسی گاڑی میں سستے جذبات والا شعر نہیں لکھتا ہوں۔"

بادشاہ جانی نے ٹیکسی سے باہر آکر اس کے شانے پر محبت سے ہاتھ رکھا پھر کہا "ہماری گاڑی میں دوسروں کی مائیں بہنیں بیٹھتی ہیں اس لیے ہمیں اوچھے قسم کے شعر نہیں لکھنے چاہئیں۔ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ جب ان شعروں کا حملہ ہماری بہن بیٹی پر ہوتا ہے تو پھر ہم تلملانے لگتے ہیں۔"

جھورے نے کہا "میں نے ایک شاعر سے پوچھا تھا۔ بھائی شاعری کیوں کرتے ہو؟ اس نے جواب دیا۔ شاعر کسی کو شکار نہیں کرتا بلکہ وہ نازک احساسات کو زبان دیتا ہے۔ خوشبو کو کسی نے نہیں دیکھا لیکن شاعر خوشبو کی تصویر اتار لیتا ہے۔ ایسا کون ہے جو دکھی نہیں ہوتا مگر ہر شخص اپنے دکھ کو بیان نہیں کرسکتا۔ جب شاعر اس کی تڑپ کو' اس کی کسک کو بیان کرتا ہے تو پڑھنے والا بے اختیار کہہ دیتا ہے۔ ہاں یہی ہمارے دل کی بات ہے اور اسی کو شاعری کہتے ہیں۔"

جانی نے ایک سرد آہ بھر کر کہا "میرے دل میں بھی اتنا درد ہے' اتنی تڑپ ہے کہ میں اسے بیان نہیں کرسکتا۔ میرا جی چاہتا ہے کہ کوئی شاعر ہو جو میرے دل میں اتر کر میری تلاش کو وہاں سے نکالے اور شہر کی تمام سڑکوں پر پھیلا دے پھر وہ جہاں جہاں سے گزرے گی اسے میرے پاؤں کے چھالے نظر آتے رہیں گے۔"

"مگر استاد تم تو ٹیکسی میں بیٹھ کر سواری ڈھونڈتے رہتے ہو تمہارے پاؤں میں چھالے کیسے پڑیں گے؟"

"کوئی ضروری نہیں ہے کہ چھالے پاؤں میں پڑیں۔ مجھے لگتا ہے جیسے اس کے

متعلق سوچتے سوچتے میرے دماغ میں چھالے پڑنے لگے ہیں۔"

جھورے نے افسوس ظاہر کرتے ہوئے کہا "مجھے تمہاری حالت پر ترس آتا ہے میں جہاں بیٹھتا ہوں وہاں یار دوستوں سے یہی سنتا ہوں کہ تمہارے ساتھ زیادتی ہوئی۔ ایک تم ہی ہو جو اس دھوکے کو برداشت کر رہے ہو بلکہ گلے لگا رکھا ہے کوئی دوسرا ہوتا تو اب تک اسے ٹھوکر مار چکا ہوتا۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا "نہیں جھورے، ایسے مت بول۔ اب وہ میری شریک حیات ہے۔ میری عزت ہے، میرے بچے کی ماں ہے اس کے لیے ایسی باتیں زبان پر مت لانا، نہیں تو مجھ کو غصہ آجائے گا۔"

"استاد، تم سمجھ میں نہیں آتے۔ بیوی سے اتنا پیار کرتے ہو۔ اس کی عزت کرتے ہو اور دوسری کو تلاش کرتے رہتے ہو۔ مستری چاچا بھی یہی کہہ رہے تھے کہ تم آدھے پاگل ہو چکے ہو۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا "مستری چاچا بہت سمجھ دار ہیں۔ شاید انہوں نے سمجھ لیا ہے کہ میں واقعی پاگل ہو رہا ہوں۔ ان کی بات کو میں جھٹلا نہیں سکتا۔"

"استاد ایک بات بتاؤ۔ تم اپنی گھر والی کو بہت چاہتے ہو۔ بہت محبت کرتے ہو پھر دوسری کو کیوں ڈھونڈ رہے ہو۔ ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ اس سے بھی محبت ہو اور اس سے بھی محبت ہو۔"

جانی نے دل ہی دل میں سوچا! ہاں میں اسے کیوں ڈھونڈتا ہوں؟ کیا ایسا ہوتا ہے کہ دونوں ہی سے محبت ہو؟ اس نے جھورے سے کہا "ایسا تو ہو رہا ہے۔ میرے ساتھ ہو رہا ہے اور میں نے کتنے ہی لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ گھر میں بیوی سے محبت کرتے ہیں، بہت زیادہ محبت کرتے ہیں مگر باہر ایک محبوبہ ضرور پالتے ہیں۔ محبوبہ نہ ملے تو آنے جانے والیوں پر نظریں ڈالتے ہیں کہ شاید کوئی محبوبہ بن جائے اور جب بن جاتی ہے تو اس سے بھی اسی طرح محبت کرنے لگتے ہیں جیسے بیوی سے کرتے ہیں۔"

جھورے نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا "استاد، مگر یہ اچھی بات نہیں ہوتی ہے۔ جب ہم اپنی گھر والیوں سے یہ چاہتے ہیں کہ وہ صرف ہمیں چاہیں تو پھر ہم کسی دوسری کو کیوں چاہتے ہیں۔ دیکھو نا، تم نادان نہیں ہو، سمجھ دار ہو۔ خود اپنے دل سے فیصلہ کرو کہ

محبت کسی ایک سے ہوتی ہے یا نہیں؟ دل کی گہرائیوں سے جو محبت ہوتی ہے وہ کسی دوسری کو نہیں دی جاتی۔ اب تم فیصلہ کر کے بتاؤ کہ وہ جو دل کی گہرائیوں سے محبت ہوتی ہے تو وہ کس سے ہے۔ گھر والی سے یا دوسری سے؟"

"میں بہت سوچتا ہوں اور سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں مگر ٹھیک طرح سمجھ میں نہیں آتا۔ میری بیوی بہت اچھی ہے۔ بہت پیاری ہے۔ وہ اتنی اچھی باتیں کرتی ہے، مجھ سے اتنی محبت کرتی ہے، میرے لیے اتنے پیارے پیارے سے بیٹے کو جنم دیا ہے کہ میں اس سے نفرت کرنے یا اسے چھوڑنے کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتا۔ اس کا مطلب تو یہی ہوا نا کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔"

"ہاں، اسی کو محبت کہتے ہیں کہ جسے چھوڑا نہ جا سکے، جس کی قدر کی جائے اور جسے وفاداری، خدمت گزاری کا صلہ دیا جائے اور باہر دوسرے لوگوں میں اس کی تعریفیں کی جائیں جیسا کہ تم میرے سامنے کر رہے ہو۔ تم اپنی گھر والی سے بے شک محبت کرتے ہو، مگر وہ دوسری؟"

جانی نے ایک حسرت بھری سانس لی "آہ، وہ دوسری سمجھ میں نہیں آتی۔ پہلے میں نے سوچا تھا کہ میں اسے غصے سے ڈھونڈ رہا ہوں، اس سے انتقام لینا چاہتا ہوں مگر رات کی تنہائی میں بستر پر لیٹ کر اس کے بارے میں سوچتا ہوں تو اندر سے کمزور پڑ جاتا ہوں۔ میں اس سے انتقام نہیں لے سکتا۔ دل کہتا ہے میں اس کی محبت کو تلاش کر رہا ہوں۔ میرے اندر یہ جاننے کی بے چینی ہے کہ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں کرتی تھی تو آخری بار مجھ سے بچھڑتے وقت کیوں رو رہی تھی۔ کیوں اس نے مجھ سے کہا تھا کہ ہماری آج کی ملاقات اتنی طویل ہو کہ ختم نہ ہو سکے۔ اس کی باتیں، اس کی چاہت اس کا انداز، یہ سب کچھ ایسا ہے کہ مجھے اس کی طرف کھینچ کھینچ کر لے جاتا ہے۔ اس کھینچنے کے انداز کو کیا کہتے ہیں۔ اس کشش کو محبت ہی کہا جاتا ہے نا؟"

"استاد، تم کام سے گئے۔ ادھر بھی محبت، ادھر بھی محبت۔ یہ تو اچھی بات نہیں ہے۔ تمہیں کسی ایک نتیجے پر پہنچنا چاہیے۔ کوئی ایک فیصلہ کرنا چاہیے۔ دیکھو نا، جب تم اتنی شرافت سے سوچتے ہو کہ پرائی بہو بیٹیوں کی عزت کرنا چاہیے۔ ان کے سامنے کوئی بھی اوچھے قسم کا شعر نہیں پڑھنا چاہیے نہ لکھنا چاہیے تو پھر اسی شرافت سے یہ بھی سوچو

کہ وہ جو دوسری ہے' وہ بھی تو کسی کی بہن یا بیٹی ہے' کیوں اسے ڈھونڈ رہے ہو؟ استاد اگر اس پہلو سے سوچو گے تو شاید کوئی بات تمہاری سمجھ میں آجائے۔"

وہ انکار میں سرہلا کر بولا "جب تک وہ مجھے نہیں ملے گی۔ کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آئے گی۔ ہاں ایک بات ہے ہم کسی کو چاہتے ہیں۔ اگر وہ ہمیں نہ چاہے تو ہم اس سے زبردستی نہیں کر سکتے۔ اسی طرح میں جس کو تلاش کر رہا ہوں وہ مل جائے اور مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ وہ مجھے نہیں چاہتی ہے۔ وہ مجھ سے بچ بچ کترا رہی ہے۔ تو میں کتنے دنوں تک اس کا پیچھا کروں گا؟ آخر تھک ہار کر اس کا خیال چھوڑ دوں گا۔ اس سے زبردستی تو نہیں کروں گا مگر وہ ملے تو سہی۔ یہ دل کے اندر ایک ہلچل سی مچی ہوئی ہے۔ یہ تو ختم ہو جائے مگر وہ ملتی ہی نہیں ہے۔"

جھورے نے تائید میں سرہلا کر کہا "ٹھیک کہتے ہو استاد' اگر وہ مل جائے اور تم سے صاف صاف کہہ دے کہ اس نے غلطی کی تھی اور وہ اس پر شرمندہ ہے اور تم اب اس کا پیچھا نہ کرو۔ وہ تم سے محبت نہیں کرتی ہے تو مجھے یقین ہے کہ تم اس کا پیچھا نہیں کرو گے مگر اس کا ملنا بہت ضروری ہے استاد اسے کسی طرح ڈھونڈ نکالو۔"

"یہی تو سمجھ میں نہیں آتا کیسے ڈھونڈوں؟ صبح سے شام تک ٹیکسی چلاتا ہوں۔ شہر کی تمام لڑکیاں نظر آتی ہیں لیکن وہ نظر نہیں آتی۔"

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ نظر کیوں نہیں آتی۔ کیا وہ گھر کی چار دیواری میں چھپی رہتی ہے۔ ایسا تو نہیں ہو سکتا۔ کسی نہ کسی کام سے نکلتی تو ہو گی۔"

"ہاں نکلتی ہے اسی لیے تو ایک بار ایمپریس مارکیٹ کے سامنے نظر آگئی تھی۔"

"کب نظر آئی تھی؟"

"یہی کچھ دنوں پہلے کی بات ہے۔"

"پھر تو استاد اب بھی نظر آئے گی۔ وہ تم سے ڈر گئی ہے۔ وہ جانتی ہے کہ اس نے دھوکا دیا ہے تو تم سے مار کھائے گی۔"

جانی نے خلا میں دیکھا' اپنی آنکھوں کے سامنے وہ اسے رکشے میں بیٹھی نظر آئی۔ وہ اسے پکار رہا تھا۔ اسے رکنے کے لیے کہہ رہا تھا پھر اس نے جھورے سے کہا "نہیں جھورے اسے مجھ سے نہیں ڈرنا چاہیے کیونکہ جب وہ مجھے نظر آئی تھی تو میں اسے محبت

سے پکار رہا تھا۔ دیوانہ وار اس کے پیچھے جا رہا تھا۔ وہ نادان نہیں ہے۔ اسے میری محبت اور دیوانگی کو سمجھ لینا چاہیے۔ مجھ سے ڈرنا نہیں چاہیے۔"

"معلوم تو یہی ہوتا ہے کہ وہ ڈر رہی ہے اور چھپ رہی ہے۔ ہاں ایک بات سمجھ میں آتی ہے کہ تم سے چھپنے کے لیے اب شاید وہ برقع پہننے لگی ہو۔"

بادشاہ جانی نے چونک کر دیکھا۔ کچھ سوچا پھر انکار میں سرہلا کر کہا "نہیں وہ برقع نہیں پہن سکتی۔"

"برقع پہننے میں اس کا نقصان بھی کیا ہے بلکہ اس کا فائدہ ہے' وہ تم سے چھپی رہے گی۔ تمہارے سامنے سے بھی گزرے گی تو تمہیں معلوم نہیں ہو گا۔"

وہ مایوس ہو کر بولا "ہاں ایسا ہو سکتا ہے۔ جھورے میری گاڑی کے ڈیش بورڈ پر کوئی شعر لکھ دے۔ میں اسے نہیں دیکھ سکوں گا۔ وہ نقاب کے پیچھے سے وہ شعر پڑھ سکے گی۔ میری بے چینی اور میری تلاش کو سمجھے گی۔"

"تم تو شعر کے خلاف ہو۔"

"ہاں خلاف تو ہوں مگر تم جو بھی شعر لکھو اس میں فرزانہ کا نام لکھ دینا۔ اس طرح یہ معلوم ہو جائے گا کہ وہ شعر صرف فرزانہ کے لیے ہے۔ کسی دوسری بہو بیٹی کے لیے نہیں ہے۔"

وہ تائید میں سرہلا کر بولا "ہاں اس طرح لکھ دینے سے دوسروں کے لیے بے ہودگی نہیں ہو گی۔ استاد جس طرح تم اسے تلاش کر رہے ہو۔ بستی بستی جاتے ہو' شاہراہوں پر ڈھونڈتے ہو۔ کبھی گلیوں میں جا کر تلاش کرتے ہو اس کی مناسبت سے ایک بہت ہی اچھا سا مگر بڑا ہی مختصر سا شعر ہے سنو۔

تو نگر نگر ہو گی

میں ڈگر ڈگر ڈھونڈوں

جانی نے شعر کو سنا تو بالکل اپنے دل کی بات لگی۔ واقعی وہ کسی نگر میں ہو گی؟ خود کو چھپانے کے لیے ایک نگر سے دوسرے نگر چلی جاتی ہو گی اور وہ ڈگر ڈگر ایک ایک سڑک' ایک ایک گلی میں ڈھونڈ رہا تھا۔

"استاد اس شعر کے آگے میں فرزانہ کا نام لکھ دوں گا۔"

اس نے کہا "شعر تو بہت اچھا ہے۔ میرے دل کی بات کہتا ہے مگر کچھ اور بھی ہونا چاہیے۔ دیکھو نا' وہ پتا نہیں کہاں ہوگی اور میں ہوں کہ کہاں کہاں ڈھونڈتا پھر رہا ہوں جہاں وہ ہوگی' وہاں ڈھونڈتا تو شاید وہ مل جاتی مگر یہی پتا نہیں چلتا کہ وہ کہاں ہے اور میں کہاں ڈھونڈ رہا ہوں۔ اس طرح کی کوئی بات لکھ دو۔

فرزانہ تم کہاں ہو۔

جانی کہاں ڈھونڈے۔

"استاد یہ شعر تو نہ ہوا مگر ہاں دل کی بات ہوگی بولو تو یہی لکھ دیتا ہوں۔ اس کا یہ فائدہ ہوگا کہ شعر میں فرزانہ کا نام بھی آجائے گا اور تمہارا بھی۔"

"بس ٹھیک ہے' یہی لکھ دے۔"

جھورا ٹیکسی میں آکر بیٹھ گیا۔ جانی نے گاڑی اسٹارٹ کی پھر اسے جھورے پینٹر کی دکان کے سامنے لا کر کھڑا کردیا۔ جب جھورا اپنی دکان سے سفید رنگ اور برش لے کر آیا تو جانی نے کہا "یار' میں نے اپنی بیوی سے وعدہ کیا تھا کہ اب کبھی فرزانہ کا نام نہیں لوں گا اور کبھی اس کا ذکر نہیں کروں گا۔ اگر اس نے یہاں اس کا نام پڑھ لیا تو بے چاری کو دکھ پہنچے گا۔ میں اسے دکھ دینا نہیں چاہتا۔"

جھورے نے کہا "تو بتاؤ میں کیا کروں؟"

"ایسا کرو کہ شعر میں کسی لڑکی کا ذکر نہ ہو۔ اس طرح سے دوسری لڑکیاں جو بیٹھیں گی وہ نہ تو اس شعر کا برا مانیں گی اور نہ کوئی برا اثر لیں گی۔ جیسے ابھی میرے دماغ میں بات آئی ہے' تم لکھو۔"

"تم کہاں کہاں ہوگے
میں کہاں کہاں ڈھونڈوں"

جھورے نے تعریف کرتے ہوئے کہا "واہ' واہ استاد' کیا شعر بنایا ہے۔ ارے تم تو شاعر ہوگئے ہو۔"

اس نے تعریف کرتے ہوئے وہ شعر ڈیش بورڈ پر لکھ دیا اور پانچ روپے وصول کرلیے۔ اسی وقت ایک جوان جوڑا وہاں آیا۔ مرد نے پوچھا "عزیز بھٹی پارک چلو گے؟"

جانی انکار کرنا چاہتا تھا لیکن اسے امید نے پھر بھڑکایا کہ جانا چاہیے شاید پارک ہی میں وہ نظر آجائے۔ اس نے ٹیکسی کے پچھلے دروازے کو کھول دیا پھر پارک کی طرف

جاتے ہوئے راستے میں دعائیں مانگنے لگا کہ وہ نظر آہی جائے۔ اگر برقعے میں ہو تو پچھلی سیٹ پر آکر بیٹھ جائے اور اس شعر کو پڑھ لے۔ اس کے دل کے درد کو اور اس کی تلاش کو سمجھ لے۔ شاید اس کے دل میں رحم آئے تو وہ نقاب الٹ کر اس کے سامنے آجائے۔

تلاش کے دوران انتظار کی گھڑیوں میں بڑی خوش فہمیاں جنم لیتی رہتی ہیں۔ اس نے سواری کو عزیز بھٹی پارک پہنچادیا پھر وہیں کچھ دیر ٹیکسی میں بیٹھا رہا۔ اس خوش فہمی میں کہ شاید وہ برقع پہن کر ادھر چلی آئے۔ تھوڑی دیر بعد ایک شخص تیزی سے چلتا ہوا آیا۔ ٹیکسی کی اگلی سیٹ کا دروازہ کھول کر اس کے پاس بیٹھتا ہوا بولا "ذرا آگے چلو۔"

بادشاہ جانی نے انکار میں سرہلاتے ہوئے کہا "ابھی میں نہیں جاؤں گا۔ یہاں مجھے کسی کا انتظار ہے۔"

دوسرے ہی لمحے اس شخص نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک ریوالور نکال لیا پھر اس کی پسلی سے لگاتے ہوئے کہا "شور نہ مچانا جو کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرو۔ گاڑی اسٹارٹ کرو اور جہاں میں چلنے کے لیے کہہ رہا ہوں چلتے رہو۔"

جانی نے نظریں جھکا کر ریوالور کی طرف دیکھا۔ اس شخص کی انگلی ٹریگر پر تھی اور سیفٹی کیچ ہٹا ہوا تھا۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ انگلی کے دباؤ سے گولی چل سکتی تھی۔ وہ انکار نہ کرسکا۔ گاڑی اسٹارٹ کرکے آگے بڑھاتے ہوئے بولا "معاملہ کیا ہے' دیکھو کوئی اسمگلنگ کا چکر ہے یا چرس کا چکر ہے یا چوری کا مال ادھر سے ادھر لے جانا ہے تو مجھے معاف کردو۔ میں یہ سب دھندے نہیں کرتا ہوں۔"

اس شخص نے کہا "ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تم چلو' جو معاملہ ہے وہ تمہارے سامنے آجائے گا۔"

معاملے کو سمجھنے کے لیے زیادہ دور جانا نہیں پڑا۔ تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک سفید کار کھڑی ہوئی نظر آئی۔ اس شخص نے کہا "دیکھو' وہ جو ایک کار کھڑی ہوئی ہے' جس کا بونٹ اٹھا ہوا ہے۔ وہیں لے جاکر ٹیکسی روک دو۔"

اس نے یہی کیا۔ بونٹ اٹھا کر کوئی شخص گاڑی کو ٹھیک کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ گاڑی خراب ہوگئی تھی اس لیے اس کی سواری اتر کر ٹیکسی کی پچھلی سیٹ کی طرف

آنے گی۔ ان میں دو مرد تھے اور ایک برقع پوش عورت یا لڑکی تھی۔ وہ تینوں اس طرح
پچھلی سیٹ کی طرف آئے کہ دو مردوں کے درمیان وہ بیٹھ گئی۔ اس کے آنے اور بیٹھنے کا
انداز ایسا تھا جیسے اس سے زبردستی کی جا رہی ہو اور اسے آہستہ آہستہ غیر محسوس طریقے پر
دھکا دے کر ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر پہنچایا گیا ہو۔ جب وہ بیٹھ گئی تو جانی نے اپنے پیچھے
سسکیوں کی آواز سنی۔ وہ چپکے چپکے رو رہی تھی۔

وہ سب اپنے لباس سے اور اپنے انداز سے بڑے گھر کے لوگ معلوم ہو رہے تھے۔
انہوں نے کھڑکی کے شیشے چڑھا لیے۔ ریوالور کی نال جانی کی پسلی میں ذرا اور چبھنے لگی۔
سخت لہجے میں کہا گیا "گاڑی اسٹارٹ کرو اور سہولت سے ڈرائیو کرو۔ راستے میں چالاک
بننے کی کوشش نہ کرنا ورنہ ہمیں رحم نہیں آئے۔"

گاڑی اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی۔ جانی نے پوچھا "بھائی صاحب' یہ کیا معاملہ ہے؟
مجھ غریب کو کسی مصیبت میں کیوں پھنسا رہے ہو۔"

ریوالور والے نے کہا "فکر نہ کرو' تم پر کوئی مصیبت نہیں آئے گی۔ تمہیں کوئی
نقصان نہیں پہنچے گا۔"

پھر اس نے پیچھے بیٹھے ہوئے ساتھیوں سے کہا "اسے چپ کراؤ۔"

پیچھے سے ایک نے کہا "بھائی جان' اسے رونے دیجئے۔ آخر کب تک روئے گی' خود
ہی چپ ہو جائے گی۔"

دوسرے نے کہا "بڑی مصیبت ہو گئی۔ ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ عین وقت پر
ہماری گاڑی خراب ہو جائے گی۔ آخر ہم یہ ٹیکسی لے کر کہاں کہاں جائیں گے' قاضی کو
بھی تو بلانا ہو گا۔"

ریوالور والے نے کہا "پہلے ہم اسے اپنی کوٹھی میں پہنچائیں گے پھر میں اس
ڈرائیور کو ساتھ لے کر قاضی کو پکڑ لاؤں گا۔ اس کے بعد تمہارا نکاح اس سے پڑھا دیا
جائے گا۔"

جانی نے پوچھا "کدھر جانا ہے؟"

"محمد علی سوسائٹی کی طرف۔"

کچھ دیر خاموشی رہی گاڑی چلتی رہی۔ آہستہ آہستہ سسکیوں کی آواز سنائی دیتی رہی

پھر پیچھے سے ایک آواز آئی۔ وہ لڑکی سے کہہ رہا تھا "اب کیوں رو رہی ہو۔ مجھے محبت کا
دھوکا دیتے وقت تمہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ میں کتنا ضدی ہوں۔"

دوسرے نے کہا "ظفر بھائی' یہ دھوکا دینے کے لیے ناظم آباد کے مکان کو چھوڑ کر
چلی گئی اور اب برقع پہننا شروع کر دیا تاکہ ہم اسے دیکھ ہی نہ سکیں۔"

ظفر کی آواز آئی "ہم تو لفافہ دیکھ کر خط کا مضمون بھانپ لیتے ہیں۔ بے وقوف یہ
نہیں سمجھتی تھی کہ میں اسے اس کی آواز سے پہچان لوں گا۔"

جانی ان کی باتیں سن رہا تھا اور ونڈ اسکرین کے پار دیکھتے ہوئے ڈرائیو کر رہا تھا۔
اس کی نگاہوں کے سامنے فرزانہ کا چہرہ گھوم رہا تھا۔ اس نے بھی محبت کا دھوکا دیا تھا اور
اس کے ڈر سے ناظم آباد والا مکان چھوڑ دیا تھا اور شاید اب برقع پہننے لگی تھی۔ اس نے
ناگواری سے سوچا "آج کل کی لڑکیاں محبت کے سبز باغ کیوں دکھاتی ہیں؟ آخر انہیں
کیا حاصل ہوتا ہے؟"

ٹیکسی کے اندر پھر خاموشی رہی۔ تھوڑی دیر بعد جانی نے خود ہی پوچھا "بھائی
صاحب' آپ کے معاملے میں بولنا تو نہیں چاہیے مگر ایک بات پوچھتا ہوں کیا اس لڑکی
سے زبردستی شادی کرنے سے نکاح جائز ہو جائے گا۔"

ریوالور والے نے حقارت سے کہا "اونہہ جائز اور ناجائز بعد میں دیکھا جائے گا۔ یہ
ہمارا خاندانی جھگڑا ہے۔ ہماری آن کی بات ہے۔ اس لڑکی کو میں نے اگر اپنے گھر کی بہو
نہ بنایا اس کی اپنے چھوٹے بھائی ظفر سے شادی نہ کی تو ہماری ناک کٹ جائے گی۔"

جانی نے کہا "لیکن نکاح پڑھا دینے سے تو یہ زنجیر میں نہیں بندھ جائے گی۔ کسی
وقت بھی فرار ہو جائے گی۔"

"نہیں نہیں' اس کے بعد پھر کہیں نہیں جا سکے گی۔ جب میرے بھائی کے ساتھ
ازدواجی زندگی گزارے گی تو پھر کس کو منہ دکھانے جائے گی؟ اس کے گھر والے بھی
مجبوراً اس رشتے پر راضی ہو جائیں گے اور اگر راضی نہ ہوئے تو ہم اس وقت تک چھپا کر
رکھیں گے جب تک یہ میرے بھائی کے بچے کی ماں نہ بن جائے۔ عورت پہلے تو بیوی بن
کر مجبور ہو جاتی ہے اور اگر اس مجبوری کو بھی خاطر میں نہ لائے تو بچے کی ماں بن کر بالکل
کمزور پڑ جاتی ہے۔ یہی حال مرد کا بھی ہے۔ مرد بھی ان حالات میں اپنی بیوی اور بچے کو

قبول کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔"

وہ بول رہا تھا اور جانی کی نگاہوں کے سامنے رخسانہ کا چہرہ گھوم رہا تھا' وہ اس کے بچے کو گود میں لیے مسکرا رہی تھی۔ واقعی وہ بھی زنجیروں میں جکڑ گیا تھا' کیا وہ رخسانہ سے فرار حاصل کر سکتا تھا۔ نہیں' کبھی نہیں۔

لوگوں نے مذہب کے نام پر کیسا گورکھ دھندا پھیلا رکھا ہے۔ نکاح شرعی ہوتا اور مقصد شیطانی ہوتا ہے۔ دنیا والوں کو خبر نہیں ہوتی کہ اللہ رسول' کا نام لے کر جو نکاح پڑھایا جا رہا ہے' اس کے پیچھے کیسی چالبازیاں ہیں۔ اب اس برقعے والی کو ریوالور کی زد پر رکھ کر نکاح قبول کرایا جائے گا۔ وہ زبردستی بیوی بنے گی اور پھر زبردستی ماں بن جائے گی اور حالات سے سمجھوتا کر کے اسی مرد کے ساتھ زندگی گزارنے لگے گی۔ اس طرح وہ نکاح رفتہ رفتہ جائز کر لیا جائے گا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ریوالور اور چاقو دکھانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ بڑی خوب صورتی سے بے وقوف بنایا جاتا ہے جیسے کہ جانی بن چکا تھا۔

پیچھے سے پھر سسکیوں کی آوازیں سنائی دیں۔ جانی کے دل نے کہا۔ بے چاری کی زندگی برباد ہونے والی ہے مگر میں کیا کروں؟ میں کوئی ہیرو تو نہیں ہوں کہ ہر ایک کے معاملے میں ٹانگ اڑانا شروع کر دوں اور اگر ایسا کیا بھی تو اپنی جان سے جاؤں گا۔ ریوالور میری پسلی سے لگا ہوا ہے۔ ذرا سی حرکت مجھے موت کے منہ میں پہنچا دے گی۔

اب وہ لوگ خاموش ہو گئے تھے۔ ٹیکسی کے اندر کبھی کبھی سسکیاں ابھرتی تھیں پھر ڈوب جاتی تھیں۔ ٹھیک تو ہے کراچی جیسے شہر میں روزانہ ایسی باتیں ہوتی رہتی ہیں۔ کوئی ٹیکسی ڈرائیور ہیرو بن کر کتنوں کو بچا سکتا ہے؟ اور خود کو قانون کے بکھیڑوں میں الجھا سکتا ہے؟ ایسے حالات میں دانش مندی یہی ہوتی کہ چشم پوشی کی جائے اور اپنے کام سے کام رکھا جائے۔

جانی نے سوچا۔ اچھی بات ہے اس لڑکی کو یوں بھی سزا ملنی چاہیے کیونکہ اس نے اس ظفر کو دھوکا دیا تھا جو ابھی اسے گھر لے جا رہا تھا۔ اس بے چارے کو بے وقوف بنایا تھا۔ فرزانہ نے بھی یہی کیا تھا۔ وہ بھی اسے ملے گی تو وہ بھی اس کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرے گا۔ اس سے ایسا انتقام لے گا کہ دوسری لڑکیاں عبرت حاصل کریں گی۔

یہ سب سوچتے ہوئے اس نے عقب نما آئینے میں اس برقعے والی کو دیکھا۔ اب وہ پچھلی سیٹ پر تلملا رہی تھی۔ ایک نے اس کے بازو کو پکڑا ہوا تھا اور وہ اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔ دوسری طرف سے ظفر نے چاقو کھول کر کہا "دیکھو فرزانہ' اگر تم نے کوئی حرکت کی تو میں....."

اس کے آگے جانی کچھ نہ سن سکا۔ اس کے دماغ میں سیٹیاں سی گونجنے لگیں۔ فرزانہ کا نام اس کے اندر گونجنے لگا "فرزانہ.... فرزانہ.... فرزانہ...."

وہ ایسا نام تھا جسے سن کر دل کی دھڑکنیں رک جاتیں۔ وہ ایسا نام تھا جس کے لیے جانی کا بھاگتا ہوا وقت اور بہتی ہوئی عمر رک جاتی پھر ٹیکسی کیوں نہ رکتی؟ ایک جھٹکے سے ٹیکسی کو یوں بریک لگا کہ ادھر بریک لگا ادھر دوسرے ہاتھ سے جانی نے ریوالور والے ہاتھ کو اوپر اٹھا کر ایک جھٹکے سے دوسری طرف ہٹایا۔ ٹھائیں سے فائر ہوا۔ اس کے ساتھ ہی فائر کرنے والا ڈیش بورڈ سے بری طرح ٹکرایا۔ پچھلی سیٹ والے اگلی سیٹ سے ٹکرائے۔ اتنی دیر میں جانی کے ہاتھ میں ریوالور آ گیا تھا۔ اس نے فوراً ہی پلٹ کر چاقو والے سے کہا "لڑکی کو یہاں چھوڑ دو اور تم تینوں باہر نکلو۔ چلو دیر نہ کرو۔ چوٹ لگی ہے تو باہر نکل کر سہلا لینا۔"

اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص نے کہا "دیکھیے بھائی صاحب! یہ ہمارا خاندانی جھگڑا ہے' آپ اس جھگڑے میں..."

جانی نے بات کاٹ کر کہا "بکواس مت کرو۔ تھوڑی دیر پہلے میں ایک معمولی ٹیکسی ڈرائیور تھا۔ اب تم نے مجھے بھائی صاحب بنا لیا۔ اگر میں گدھا ہوتا تو تم مجھے باپ بھی بنا لیتے۔ میں کہتا ہوں دیر نہ کرو ورنہ میں کسی کا خون کر دوں گا' چلو باہر نکلو۔"

لڑکی کے پاس بیٹھے ہوئے شخص نے کہا "چلو بھائی نہ سہی' ٹیکسی ڈرائیور ہی سہی مگر ہم سے سودا تو کر سکتے ہو۔ ہمارے پاس پانچ ہزار روپے ہیں۔ ہم ابھی یہ رقم دے دیں گے۔ تم اس جھگڑے میں نہ پڑو۔ ہم جہاں چاہتے ہیں ہمیں پہنچا دو۔"

"بکواس مت کرو' مجھے لالچ نہ دو۔ میں تم میں سے کسی کو گولی مار دوں گا یا پھر پولیس والوں کے حوالے کر دوں گا۔ میں خود پولیس والوں کے بکھیڑوں میں پڑنا نہیں چاہتا اس لیے تم لوگوں کو چپ چاپ جانے کے لیے کہہ رہا ہوں۔ جاتے ہو یا نہیں۔"

ان تینوں نے ایک دوسرے کو بے بسی سے دیکھا پھر آہستگی سے دروازہ کھول کر باہر نکلنے لگے۔ لڑکی وہیں بیٹھی رہی۔ جانی بھی ان کے ساتھ باہر نکل آیا۔ دور دور تک لوگ سہمے ہوئے کھڑے تھے اور ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے فائر کی آواز سنی تھی لیکن کسی میں اتنی جرات نہیں تھی کہ ان کے قریب آکر ان کے معاملات کے متعلق دریافت کرتا۔ وہ تینوں ذرا دور جا کر کھڑے ہو گئے اور جانی کی خوشامدیں کرنے لگے لیکن وہ ٹیکسی میں بیٹھ چکا تھا اس لیے اسے دوبارہ اسٹارٹ کیا پھر ذرا بیک کرنے کے بعد اسے موڑ کر دوسرے راستے پر تیزی سے جانے لگا۔ وہ اتنی سی دیر میں کتنے خطرناک مراحل سے گزر چکا تھا پہلے تو وہ ریوالور کی زد میں تھا۔ اس سے نکلنے والی گولی اسے ہلاک کر سکتی تھی لیکن اس نے کمال ہوشیاری سے خود کو بچالیا۔ ونڈ اسکرین سے یا ڈیش بورڈ سے بھی وہ ٹکرا سکتا تھا۔ اچانک بریک لگانے سے پہلے ہی اس نے خود کو سنبھال رکھا تھا جس کے نتیجے میں وہ اس وقت اپنی فرزانہ کو جیت چکا تھا۔ دشمنوں کو پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھتا جارہا تھا۔

وہ پچھلی سیٹ پر چپ چاپ بیٹھی ہوئی تھی۔ کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد جانی نے کہا "میں اچھا بھی ہوں اور بدمعاش بھی۔ مجھے جھوٹ اور فریب سے نفرت ہے۔ اب تم سچ سچ بتاؤ کہ تم نے دھوکا کیوں دیا تھا؟ جب محبت نہیں تھی تو محبت کیوں جتا رہی تھیں؟"

جواب میں رونے کی آواز آئی۔ اس نے عقب نما آئینے میں دیکھا۔ اس کے چہرے پر نقاب تھی اور نقاب کے اوپر وہ دونوں ہاتھوں کو رکھے منہ ڈھانپ کر رو رہی تھی۔ جانی نے کہا "میرا جواب آنسو نہیں ہیں جواب دو۔"

وہ روتے ہوئے اور ہچکیاں لیتے ہوئے بولنے لگی "میں کیا بتاؤں، مجھے ظفر سے کبھی محبت نہیں تھی، وہ مجھے ڈراتا دھمکاتا رہتا تھا اور میں اس کے ڈر سے محبت کا اقرار کرتی رہتی تھی، میں کبھی اس سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔"

وہ ٹیکسی ڈرائیور پچھلی سیٹ سے آنے والی آواز کو ہزاروں، لاکھوں میں پہچان سکتا تھا۔ اس وقت جو آواز سنائی دی وہ اس کی اپنی فرزانہ کی آواز نہیں تھی۔ اس نے فوراً ہی ٹیکسی کو سڑک کے کنارے روک دیا پھر پلٹ کر اس برقعے کو حسرت سے دیکھنے لگا اس برقعے کے پیچھے فرزانہ تھی یا نہیں تھی لیکن وہ آواز فرزانہ کی نہیں تھی۔ اس نے صرف

دو دنوں تک اس کی آواز سنی تھی۔ دو دن کی دوستی، دو دن کی بہار تھی اس کے بعد سے اب تک وہ خزاں رسیدہ پتے کی طرف اڑتا پھر رہا تھا لیکن اس کی آواز اپنے دماغ میں ہر دم گونجتی ہوئی محسوس کرتا رہا تھا۔ وہ اب بھی اسے آواز سے پہچان سکتا تھا۔ اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا "ان آدمیوں کی باتوں سے پتا چلتا تھا کہ تم پہلے برقع نہیں پہنتی تھیں۔ بے پردہ گھومتی تھیں۔ کیا تم اپنا نقاب الٹ کر اپنا چہرہ دکھا سکتی ہو؟"

برقعے والی نے چونک کر سر اٹھایا جیسے اسے گھبرا کر دیکھ رہی ہو۔ جانی نے کہا "گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ میں برا آدمی نہیں ہوں۔ دراصل مجھے بھی ایک فرزانہ کی تلاش ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہیں وہ تم تو نہیں ہو۔"

اس نے ہاتھ اٹھا کر اپنا نقاب الٹ دیا۔ چہرہ سامنے آگیا۔ وہ ایک اچھی صورت شکل کی لڑکی تھی مگر فرزانہ نہیں تھی۔ جانی نے حسرت بھری ایک سانس لی پھر اس کی طرف سے پلٹ کر گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا "بتاؤ کہاں رہتی ہو؟ تمہیں کہاں پہنچاؤں؟"

○☆○

رخسانہ وضو کرنے جا رہی تھی۔ اس کے پاس ہی چھوٹے سے اسٹول پر ایک چھوٹی سی کتاب کھلی ہوئی رکھی تھی۔ اس کتاب میں وضو کرنے کے طریقے بتائے گئے تھے۔ وہ کتاب پڑھتی جا رہی تھی اور اس کے مطابق وضو کے عمل سے گزرتی جا رہی تھی۔ جب سے اس نے ہوش سنبھالا تھا، اس وقت سے مذہبی جوش میں آکر شاید ایک آدھ وقت کی نماز پڑھی ہو تو پڑھی ہو، اسے یاد نہیں رہا تھا۔ خدا یاد بھی کب رہتا ہے۔ جب آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگتے ہیں، تب ہی وہ یاد آتا ہے۔

وہ وضو کرنے کے بعد اٹھ گئی۔ اس کتاب کو وہاں سے اٹھایا پھر کمرے میں آگئی۔ اس کی امی بچے کو گود میں لیے فیڈر سے دودھ پلا رہی تھیں۔ رخسانہ نے جائے نماز بچھائی پھر کتاب کھول کر دیکھا کہ عشا کی نماز میں کتنی رکعت ہوتی ہیں اور پہلے کتنی رکعت پڑھی جائے۔ اس کے مطابق اس نے کتاب جائے نماز کے ایک طرف رکھ کر نماز شروع کی۔ شروع کرتی ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

اسے اتنی عمر تک صرف سورہ فاتحہ اور تین قل یاد تھے۔ وہ ہر رکعت میں انہیں

پڑھنے لگی۔ جو کچھ وہ پڑھ رہی تھی اس کا ترجمہ اسے نہیں معلوم تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ کیا کہہ رہی ہے مگر اتنا جانتی تھی کہ اپنے رب کریم کے سامنے باادب کھڑی ہوئی عبادت کا فرض ادا کر رہی ہے۔ خشوع و خضوع سے اور دل کی گہرائیوں سے اگر عبادت کی جائے تو چاہے عبادت کا مفہوم زیادہ واضح نہ ہو تب بھی اللہ تعالیٰ نیت دیکھتا ہے اور نماز کو قبول کرتا ہے لیکن یہ بہتر ہے کہ نماز سمجھ کر پڑھی جائے۔ وہ دل ہی دل میں کہہ رہی تھی۔ "میرے معبود' مجھ پر رحم کر۔ میری بگڑی بنا دے۔ میں ہمیشہ نماز پڑھوں گی اور قرآن پاک کی بہت سی آیتیں ان کے ترجمے کے ساتھ سمجھ کر یاد کروں گی مگر تو میری بگڑی بنا دے۔"

یہ ایک طرح کا سودا ہے کہ ہم ایسا کریں گے تو ہمارا معبود ویسا کرے گا۔ ہم اس کے سامنے جھکنے سے پہلے یہ دل میں سوچ لیتے ہیں کہ اپنے لیے کچھ وصول کرنے کی غرض سے اس کے سامنے جھکنے جا رہے ہیں جب وہ بات پوری ہو جائے گی اور وہ چیز وصول ہو جائے گی' جب بگڑی بن جائے گی تو پھر کیا ہوگا؟ پھر خدا یاد نہیں آئے گا۔ اگر خدا یاد نہیں آئے گا تو پھر یہ سودے بازی ہے۔

نماز کے بعد وہ دعا کے لیے دونوں ہاتھ اٹھا کر گڑگڑانے لگی "میرے معبود' میں سودا کرنے نہیں آئی ہوں۔ سودا وہ کرتے ہیں جو تجھے پہچانتے نہیں ہیں۔ میں تجھے پہچان کر آئی ہوں۔ اس یقین کے ساتھ آئی ہوں کہ ڈوب جانے کے بعد صرف تو ابھارتا ہے۔ دنیا میں اور کسی کی طاقت نہیں ہے کہ کوئی میرے سہاگ کو بچا سکے۔ میری عزت' میری ازدواجی زندگی' میرے بچے کا مستقبل' میرے بچے کی سلامتی اور اس کے سر پر باپ کا سایہ سب کچھ تیرے دم سے ہوگا۔ یہ آج میں نے اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔ میں تجھ کو ہی پکاروں گی تو تو ہی سنے گا ورنہ میں تو اپنے مجازی خدا کو پکارتے پکارتے تھک گئی ہوں۔

اب مستری چاچا نے ایک نئی بات چھیڑ دی ہے۔ میرے پیار کے رشتے کو ناجائز کہہ رہے ہیں۔ اسے بھی اگر کوئی جائز بنا سکتا ہے تو وہ تیری ہی ذات ہے۔ میرے مالک مجھ پر رحم کر۔ رحم نہیں کرتا تو مجھے ابھی اسی وقت اٹھا لے تاکہ وہ الفاظ نہ سنوں جو مجھ کو میرے جانی سے جدا کر دیں اور میرے بچے کو ناجائز بنا دیں۔ ایسا سننے سے پہلے میں مر جاؤں گی۔ میرے مالک۔ ایک عورت کی شرم رکھ لے اور ایسا تو ہی کر سکتا ہے۔"

وہ دعا مانگتے مانگتے رونے لگی۔ روتے روتے ہچکیاں لینے لگی۔ ہچکیاں لیتے لیتے سجدے میں گر پڑی۔ جہاں سجدے میں سر گیا' وہاں زمین پر سر پٹخنے لگی "میرے اللہ' کل صبح کیا ہوگا۔ کل اگر کسی عالم نے میرے خلاف کوئی فیصلہ سنایا تو میرا انجام کیا ہوگا میرے بچے کا مستقبل کیا ہوگا؟ میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہ سکوں گی۔ میں ایک مشرقی عورت ہوں۔ ایک مرد کے بعد کسی دوسرے کا سہارا لینا کبھی گوارا نہیں کروں گی۔ میری شرم رکھ لے میرے مالک۔"

وہ گڑگڑا رہی تھی۔ رو رہی تھی' سر پٹخ رہی تھی۔ اس کی امی اس کے بچے کو لے کر اس کے پاس آئیں پھر اس کے بازوؤں کو جھنجوڑ کر کہا "بیٹی کیا کر رہی ہو۔ پاگل ہو گئی ہو۔ خدا پر بھروسا رکھو۔ اس طرح ہمت نہیں ہارتے۔ اللہ تعالیٰ سب کی سنتا ہے۔ تمہاری بھی سنے گا۔ بچے کو دیکھو یہ بھی تمہارے ساتھ ساتھ رو رہا ہے۔"

اس نے سجدے سے سر اٹھایا۔ بچہ بھی رو رہا تھا' مچل رہا تھا رخسانہ نے اسے ماں کی گود سے لے کر اپنے سینے سے لگا لیا پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ کبھی رونے لگتی' کبھی بچے کو چوم کر کہنے لگتی "بیٹے' اپنے ننھے ہاتھ اٹھاؤ۔ اللہ میاں کو رحم آ جائے گا۔ تم پر ضرور رحم کریں گے بیٹے' اللہ میاں سے بولو کہ تمہارے ابو کو تم سے نہ چھینیں جب تم سے نہیں چھینیں گے تو تمہارے ابو ہمارے سر کا تاج بھی رہیں گے۔ دعا مانگو میرے بیٹے۔ اپنے ننھے ننھے ہاتھ اٹھاؤ۔"

اس نے بچے کے دونوں ہاتھ پکڑ کر دعا کے انداز میں اٹھا دیے "میرے لال! اللہ میاں سے بولو ہمارے ابو کل سے گھر نہیں آئے ہیں انہیں گھر بھیج دو اللہ میاں۔ ان کو سلامت رکھو' ان کو حادثے سے بچاؤ اللہ میاں۔ ان کو سیدھے راستے پر لے آؤ اللہ میاں۔"

بچے کے دونوں ہاتھ دعا کے لیے اٹھے ہوئے تھے اور رخسانہ کی زبان بول رہی تھی۔ اسی وقت ٹیکسی کا ہارن سنائی دیا۔ وہ خوشی سے کھل گئی۔ جلدی سے اٹھ کر بچے کو لے کر دوڑتی ہوئی کھڑکی کے پاس آئی پھر اس کے پٹ کو کھول کر دیکھا۔ بادشاہ جانی مکان کے احاطے میں ٹیکسی کو روک کر باہر نکل رہا تھا۔ اس نے کھڑکی کے پاس رخسانہ اور بچے کو دیکھا پھر وہاں سے ایک ہاتھ لہراتے ہوئے کہا "میں کل سے نہیں آیا مگر گھبرانے کی کوئی

بات نہیں ہے میں یہاں خیریت سے ہوں اور تم لوگوں کی خیریت خداوند کریم سے نیک مطلوب ہے۔ یعنی تمہاری اور بچے کی خیریت مطلوب ہے۔ ساس کی نہیں۔"

اس کی آخری بات رخسانہ سن نہ سکی۔ اس سے پہلے ہی وہ کھڑکی سے پلٹ کر تیزی سے چلتے ہوئے کمرے سے باہر جانے لگی۔ ساس نے سن لیا تھا۔ دانت پیس کر بڑبڑانے لگی "آگیا میرا دشمن۔"

رخسانہ برآمدے میں آئی پھر وہاں سے دوڑتے ہوئے برآمدے کے زینے پر پہنچی۔ جانی وہاں پہنچ چکا تھا۔ اس نے رخسانہ سمیت بچے کو دونوں بازوؤں میں سمیٹ کر کہا "واہ میرا بیٹا ابھی تک جاگ رہا ہے اپنے باپ کا انتظار کر رہا ہے۔"

رخسانہ نے کہا "یہ تو کل رات سے انتظار کر رہا ہے۔ کہاں رہ گئے تھے؟"

"بس کچھ نہ پوچھو' بڑی مصیبت میں پڑ گیا تھا۔ اطمینان سے سناؤں گا۔ آؤ اندر چلو۔"

وہ بازوؤں سے نکل جانا چاہتی تھی جانی نے پھر اسے کھینچ کر پوچھا "یہ کیا' تمہاری آنکھیں بھیگی ہوئی ہیں۔ چہرہ بھی کچھ بھیگا ہوا سا لگتا ہے۔ کیا رو رہی تھیں؟ کسی نے تم سے کچھ کہا ہے؟ بتاؤ کس نے رلایا ہے؟ میں اس کی ایسی کی تیسی......"

وہ کہتے کہتے رک گیا۔ رخسانہ اسے بڑے پیار سے' بڑی شکایت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ سر جھکا کر بولا "اوہ' سمجھ گیا۔ وہ میں ہی الو کا پٹھا ہوں۔ میں نے ہی تمہیں رلایا ہے لعنت ہے مجھ پر۔"

رخسانہ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا "دشمنوں پر لعنت ہے تم مجھے کبھی نہیں رلاتے ہو جانی۔"

"تو پھر کس نے رلایا ہے مجھے بتاؤ۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولی "تقدیر رلا رہی ہے۔ بس اندر چلو۔"

وہ اس کے ساتھ چلتا ہوا کمرے میں پہنچا پھر اپنی ساس کو دیکھتے ہی ٹھٹک گیا۔ اس کی ساس سر پر آنچل رکھ کر' اسے گھونگھٹ بناتی ہوئی اس کی طرف سے منہ پھیر کر بیٹھی ہوئی تھی۔ جانی کو تاؤ آگیا۔ اس نے کہا "کیا میں اتنا برا ہوں کہ آپ مجھے دیکھ کر منہ پھیر لیتی ہیں۔"

رخسانہ نے محبت سے سمجھایا "نہیں جانی' یہ منہ نہیں پھیر رہی ہیں لحاظ' شرم بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔"

جانی نے "اونہہ" کہتے ہوئے جیب میں ہاتھ ڈالا پھر ریوالور نکال لیا۔ اسے دیکھتے ہی رخسانہ نے حیرانی سے پوچھا "یہ ریوالور تمہارے پاس کیسے آیا۔ تم ایسے خطرناک ہتھیار کیوں رکھتے ہو؟"

ریوالور کی بات سنتے ہی اس کی ساس نے چونک کر ادھر دیکھا۔ جانی نے ریوالور کا رخ اس کی طرف کرتے ہوئے کہا "اب لحاظ شرم کہاں گئی؟ اب میری طرف کیوں دیکھ رہی ہو؟"

رخسانہ نے کہا "اوہ جانی! تم دونوں تو آگ اور پانی بن گئے ہو۔ ایک جگہ رہ ہی نہیں سکتے تم ادھر دھیان کیوں دیتے ہو۔ میری طرف دیکھو۔ آؤ یہاں جوتے اتار کر بستر پر آرام سے لیٹ جاؤ میں تمہارے لیے کھانا لے کر آتی ہوں۔"

وہ ریوالور اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا "اسے الماری میں کہیں چھپا کر رکھ دو۔ یہ بغیر لائسنس کا ہے۔"

"تمہارے پاس کہاں سے آیا؟"

"بس کیا بتاؤں بدمعاشوں سے ٹکراؤ ہو گیا تھا۔ ان سے چھین کر لایا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ بستر پر بیٹھ گیا اور جوتے اتارنے لگا۔ رخسانہ اس کے پاس بیٹھ کر بولی "اب تم جھوٹی کہانی سناؤ گے کہ بدمعاشوں سے لڑنے کی وجہ سے تمہارے چہرے پر ایسے زخم آئے ہیں۔"

یہ کہہ کر اس نے چہرے کو چھو کر دیکھنا شروع کیا پھر چونک کر بولی "تمہیں تو بخار ہے' تمہارا بدن جل رہا ہے۔"

"ہاں کچھ طبیعت اچھی نہیں لگ رہی ہے میں ابھی ایک اسپرین کی ٹکیا کھا کر سو جاؤں گا۔ صبح تک سارا بخار دور ہو جائے گا۔"

"بڑے آئے اسپرین کی ٹکیا کھانے والے' میں ڈاکٹر ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ تمہیں کون سی دوا دینا چاہیے۔ اب میں سنجیدگی سے سوچ رہی ہوں کہ مجھے یہاں ایک ڈسپنسری کھولنا چاہیے۔ وہ فرزانہ....."

وہ کہتے کہتے ایک دم سے رک گئی۔ دراصل باتوں کی روانی میں وہ یہ کہنے جا رہی تھی کہ فرزانہ اپنی ڈسپنسری کھول چکی ہے اور اپنی آمدنی کا ذریعہ بنا چکی ہے پھر وہ کیوں پیچھے رہے گی لیکن فرزانہ کا نام لیتے ہی ایک دم سے ہوش میں آگئی۔ گھبرا کر جانی کو دیکھنے لگی۔

جانی نے بھی چونک کر اسے دیکھا تھا۔ اس کی گھبراہٹ کو محسوس کیا تھا پھر اس نے پوچھا "تم فرزانہ کا نام لیتے لیتے رک گئیں۔ تم کچھ کہنے جا رہی تھیں۔"

وہ جلدی سے سنبھل کر بولی "آں۔ ہاں۔ میں یہ کہنے جا رہی تھی کہ تم نے مجھ سے فرزانہ کا نام اپنی زبان پر نہ لانے اور اس کا ذکر نہ کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اسے بھول جانے کا بھی وعدہ کیا تھا مگر کل سے تم اس کے لیے ہنگامے کرتے پھر رہے ہو۔"

"دیکھو یہ بات نہیں ہے۔ تم فرزانہ کے بارے میں کچھ اور کہنے جا رہی تھیں۔"

"میں یہی کہہ رہی تھی۔ یہ خبر اخبار میں شائع ہو چکی ہے کہ کل تم اسپتال میں فرزانہ کی تلاش کرتے ہوئے ہنگامے کر رہے تھے اور پولیس والے تمہیں پکڑ کر تھانے لے گئے کیا یہ جھوٹ ہے؟"

"ہاں جھوٹ ہے۔"

وہ بچے کو بستر پر ڈال کر تیزی سے چلتی ہوئی میز کے پاس آئی وہاں سے اخبار اٹھا کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "میں نے یہ اخبار رکھا ہوا ہے۔ میں جانتی تھی کہ تم اقرار نہیں کرو گے۔"

اس نے اخبار کے اس حصے کو دیکھا جہاں وہ خبر شائع ہوئی تھی۔ جانی اسے پڑھنے لگا۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا، جھکا ہی رہا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے اخبار کو ایک طرف رکھ دیا پھر چپ چاپ بچے کے پاس بستر پر لیٹ گیا۔ رخسانہ اس کے پاس آئی پھر اس کے سر کو سہلاتے ہوئے پوچھا "تم نے ایسا کیوں کیا؟ مجھ سے تم نے وعدہ کیا تھا کہ تم اپنی زبان کے پابند رہو گے۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر خاموش رہا۔ وہ جو کچھ کہنا چاہتا تھا اس کے پاس الفاظ نہیں تھے۔ وہ کہنا چاہتا تھا۔ تمہارے منع کرنے سے، مستری چاچا کے روکنے سے، ساری دنیا کے دیوار بن جانے سے کیا ہوتا ہے۔ کیا تلاش ختم ہو جاتی ہے۔ آرزوئیں دم توڑ دیتی ہیں۔ جتنی بھی سختی کرو۔ جتنے بھی پہرے بٹھاؤ کہنے والے کہنے سے باز نہیں آتے اور

دیوانے صحرا میں بھٹکنے کے لیے نکل پڑتے ہیں۔ میں تمہیں کیسے سمجھاؤں کہ میں اس کی تلاش سے باز نہیں آسکتا۔ تم منع کرتی ہو تو تمہارے سامنے ہونٹوں کو سی لوں گا مگر میرے اندر کا کرب اسے پکارتا رہے گا۔"

رخسانہ نے پیار سے پوچھا "جانی میری بات کا جواب نہیں دو گے؟"

"کیا جواب دوں۔ کہنے کے لیے بہت کچھ ہے مگر تم سمجھ دار ہو کے بغیر سمجھ لو تو اچھا ہے۔ مجھ سے کچھ نہ پوچھو تمہارے سامنے مجھے شرم آتی ہے۔ میں اس بات کو سمجھتا ہوں کہ تم میری شریک حیات ہو اور تمہارے سامنے مجھے کسی دوسری لڑکی کا ذکر نہیں کرنا چاہیے اور میں کبھی اس کا ذکر تمہارے سامنے نہیں کروں گا۔ ہاں اسے تلاش کرتا ہوں۔ شاید تلاش کر لینے کے بعد وہ تلاش ختم ہو جائے۔ شاید میں ہمیشہ کے لیے اسے بھول جاؤں۔ اس سے نفرت کرنے لگوں، لیکن جب تک وہ سامنے نہیں آئے گی، میں کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکتا۔ میں سچ کہتا ہوں رخسانہ، کبھی کبھی میں خود نہیں سمجھ سکتا کہ میں اسے کیوں ڈھونڈ رہا ہوں۔"

رخسانہ نے اسے محبت اور ہمدردی سے دیکھا۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ جانی دماغی الجھنوں میں گرفتار ہے۔ وہ دھوکا کھا چکا ہے اور دھوکا دینے والی سے جب تک نہیں ملے گا اسے قرار نہیں آئے گا۔ اس سے ملنے کے بعد وہ کیا کرے گا؟ انتقام لے گا یا نفرت کرنے لگے گا یا اس کی محبت کے آگے ہتھیار ڈال دے گا۔ یہ بات خود وہ بھی نہیں جانتا تھا اور رخسانہ ایسا کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتی تھی کہ وہ فرزانہ سے ملے اور انتقام لینے کے بجائے اس کا ہو جائے۔

اس نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر کہا "بس اب زیادہ نہ بولو بخار تیز ہو رہا ہے۔ نسخہ لکھ کر ابھی دوا منگواتی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ میز کے پاس آئی پھر کاغذ قلم لے کر اس کے لیے نسخہ لکھنے کے بولی "تمہیں جو چوٹیں آئی ہیں اس کی تکلیف سے بخار ہو گیا ہے۔ تکلیف بھی جلد ہی اتر جائے گا۔"

اس نے نسخے والا کاغذ اپنی ماں کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "امی آپ کو زحمت دے رہی ہوں، مگر کیا کیا جائے یہاں اور کوئی نہیں ہے۔ آپ کسی کیمسٹ سے یہ دوائیں لے

آئیں اور ڈبل روٹی بھی لے آیے گا گھر میں دودھ رکھا ہوا ہے۔ جانی کو فی الحال دودھ اور ڈبل روٹی دی جائے گی۔"

امی کی امی نسخہ اور روپے لے کر وہاں سے چلی گئیں۔ ان کے جانے کے بعد رخسانہ نے الماری میں سے دو بڑی بڑی چادریں نکال کر انہیں کمرے کے درمیانی حصے میں اس طرح باندھ دیا کہ دروازے سے دوسری دیوار تک کمرے کا ایک حصہ ہو گیا۔ باقی چادروں کی دوسری طرف اس کا بستر رہا جہاں جانی بچے کے ساتھ لیٹا ہوا تھا۔ اب اس کی امی آکر چادروں کے اس پار رات گزار سکتی تھیں۔ ایک کمرے کے دو کمرے ہو گئے تھے اس نے اپنی امی کے لیے چارپائی پر بستر بچھایا پھر وہاں بچے کو لا کر سلا دیا۔ اس کے بعد جانی کے پاس آکر بیٹھ گئی اور اپنی انگلیوں سے اس کے بالوں میں کنگھی کرنے لگی۔

پہاڑ جیسا مرد اپنے پاس ہو تو اپنے اندر ایک چٹانی حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے کہ دشمن آندھی چلتی ہے تو چلے' پہاڑ سے ٹکراتی ہے تو ٹکرائے مگر آندھی کو کترا کر گزرنا ہو گا اپنے پہاڑ کا کچھ نہیں بگڑے گا۔

میں اپنے پہاڑ تلے ایک ایسی زمین ہوں جس پر بڑے اعتماد سے' بالکل آرام اور سکون سے رہ سکتی ہوں۔ پہاڑ قائم و دائم رہے گا۔ میرے مالک' میری دشمن کو زمین نہ بننے دینا نہیں تو وہ زلزلہ بن کر پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر دے گی۔

میں جانتی ہوں کہ میرا جانی کبھی نہیں بھٹک سکتا مگر میں ڈرتی ہوں کہ وہ بہکایا جا رہا ہے۔ ہر عورت نگاہوں کا پہرہ بٹھانے کے لیے ننگی تلوار کی طرح اپنے مرد کے سر پر لٹکتی رہتی ہے۔ لیکن میں تلوار نہیں ایک دعا ہوں اور اپنے مرد کے ساتھ امام ضامن کی طرح بندھی رہنا چاہتی ہوں۔

جو میرے اختیار میں ہے وہ میں کر سکتی ہوں۔ دوا کر سکتی ہوں' دعا کر سکتی ہوں۔ جب تک میرے بس میں ہے اپنے جانی کا سر اپنے بازو پر رکھ کر تھپک سکتی ہوں' مگر کب تک؟ آخر کب تک؟ لگتا ہے جیسے آج میری زندگی کی آخری رات ہے کل صبح مستری چاچا یہاں آکر مجھے سزائے موت سنائیں گے۔

جانی آنکھیں بند کیے' اپنا سر رخسانہ کے بازو پر رکھے سو رہا تھا یا جاگ رہا تھا' بہرحال آنکھیں بند کیے چپ چاپ پڑا تھا۔ تب اچانک ہی اس کی بند آنکھیں جھپک گئیں۔

اس کے بخار زدہ گرم چہرے پر ٹھنڈے پانی کے جیسے چھینٹے پڑے۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ ہاتھ اٹھا کر اپنے چہرے پر بوند بوند پانی محسوس کیا پھر رخسانہ کی طرف دیکھا اور چونک کر بولا "ارے تم رو رہی ہو کیا بات ہے؟"

تب رخسانہ کو پتا چلا کہ وہ رو رہی تھی اور اسے خبر نہیں تھی۔ جلدی سے دوپٹہ آنکھوں پر رکھ کر آنسو پونچھنے لگی۔ انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولی "کچھ نہیں' کوئی بات نہیں ہے۔"

جانی نے بڑی محبت سے اسے سمیٹ کر پوچھا "بولو جان' تمہیں کیا غم ہے جب میں باہر سے آیا تھا تب بھی تم رو رہی تھیں۔ کیا اس لیے کہ میں کل سے نہیں آیا تھا؟"

رخسانہ نے پھر انکار میں سر ہلا کر کہا "نہیں' یہ بات نہیں ہے۔"

"پھر کیا بات ہے۔ کیا مجھے نہیں بتاؤ گی؟"

"اپنا دکھ تمہیں نہیں بتاؤں گی تو پھر اور کون سننے والا ہے' مگر تم سن کر سمجھ نہیں پاتے۔ جب سمجھ لوگے تو پھر کوئی دکھ نہیں رہے گا۔"

جانی نے ایک گہری سانس لی۔ چپ چاپ رخسانہ کا ایک ہاتھ تھام لیا۔ جب زبان بولنے کے قابل نہیں رہتی' لفظوں کی بھکاری بن جاتی ہے تو آدمی کی حرکتیں کچھ سمجھاتی ہیں۔ سمجھنے والا ہی انہیں سمجھ سکتا ہے۔ اس نے رخسانہ کی ہتھیلی کو اپنے ہونٹوں پر رکھ دیا اور ہتھیلی کو بوسہ دے کر اسے اپنی آنکھوں سے لگا لیا۔ وہ ڈوب رہا تھا۔ یوں ڈوب رہا تھا کہ مدد کے لیے فرزانہ کو پکارتا تھا اور پار لگنے کے لیے رخسانہ کا ہاتھ تھام لیتا تھا۔

آدمی سیدھی سادی زندگی کبھی نہیں گزارتا۔ خود اپنے لیے الجھنیں اور کشمکش پیدا کر لیتا ہے۔ دو طرفہ محبت میں گھر جاتا ہے۔ ایک طرف کفر اسے کھینچتا ہے۔ دوسری طرف ایمان روکتا ہے۔ اگر تاریخ کا غائر مطالعہ کیا جائے تو یہ نظر آتا ہے کہ مرد ابتدا سے حاکم بن کر عورت کے معاملے میں اپنی عادت بگاڑ چکا ہے وہ ایک عورت کو بیوی بنا کر گھر میں ڈالتا ہے۔ دوسری عورت کو محبوبہ بنانے کے لیے شکار کرتا پھرتا ہے۔ اسے بیوی سے بھی محبت ہوتی ہے اور محبوبہ سے بھی محبت ہوتی ہے۔ کوئی اس کی بیوی کی طرف نگاہ بھی اٹھا کر دیکھے تو اس کی غیرت جوش میں آجاتی ہے۔ اپنی بیوی کی عزت آبرو کی خاطر لڑنے مرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف وہ اپنی محبوبہ کے خلاف بھی کوئی بات سن نہیں

سکتا۔ یہ آدھا چہرہ جو ادھر ہوتا ہے اور آدھا چہرہ جو اُدھر ہوتا ہے وہ آدمی کو دو نصف حصوں میں بے پناہ بنا دیتا ہے۔

بے چارہ جانی اپنے دماغ میں چھپی ہوئی ایسی باتوں کی تشریح نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اس کے پاس نہ الفاظ تھے' نہ بولنے کا سلیقہ تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک رخسانہ کی ہتھیلی کو اپنے چہرے پر ادھر ادھر رکھتا رہا اور اس کی ہتھیلی کی گلابی رنگت اور ملائمت کو محسوس کرتا رہا پھر اس نے پوچھا "رخسانہ' تمہارا چہرہ پورا کب ہو گا؟"

رخسانہ ایک سرد آہ بھر کر بولی "یہی تو مجھ میں کمی رہ گئی ہے' اگر میں مکمل ہوتی تو مجھے تمہاری مکمل محبت ملتی۔"

"رخسانہ' میں تم سے پوری طرح محبت کرتا ہوں۔"

"نہیں جانی! میں نادان نہیں ہوں۔ محبت حسن سے ہوتی ہے۔ میں جب سے تمہاری بن کر آئی ہوں تب سے میں نے یہی دیکھا ہے کہ تم میرے بگڑے ہوئے چہرے کو بھی چاہتے ہو لیکن یوں جیسے کوئی ڈاکٹر مرہم رکھ رہا ہو۔ چہرہ خوب صورت ہو یا بد صورت ہمدردی کا مرہم ہر چہرے پر رکھا جاتا ہے مگر محبت صرف اچھے سے کی جاتی ہے۔"

"تم پڑھی لکھی ہو۔ تمہیں بات کرنے کا ڈھنگ آتا ہے۔ تمہاری بات میرے دل میں بیٹھ جاتی ہے۔ میں مانتا ہوں کہ محبت خوب صورتی سے ہوتی ہے۔ تمہیں بھی یہ ماننا ہو گا کہ تمہارا آدھا چہرہ کس قدر حسین ہے تو پھر میں آدھی محبت تو ضرور ہی کرتا رہوں گا۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی "نہیں' دنیا کی ہر چیز آدھی ٹوٹ کر آدھی رہ سکتی ہے لیکن محبت کبھی نہیں ٹوٹتی اور محبت کبھی نہیں مرتی اور محبت کبھی شیرینی کی طرح تھوڑی تقسیم نہیں ہوتی۔ یہ جب بھی تقسیم ہوتی ہے تو پوری کی پوری تقسیم ہوتی ہے' اگر اسے توڑ کر تقسیم کیا جائے تو پھر یہ ہمدردی ہو جاتی ہے۔"

جانی نے اس کے چہرے کو چھو کر اسے دیکھا پھر بہت ہی متاثر ہو کر بولا "قسم سے جب تم بولتی ہو تو میں اپنے آپ کو چھوٹا سمجھنے لگتا ہوں۔ تم کتنی اچھی اچھی اور کتنی گہری گہری باتیں کرتی ہو۔ میں اپنے دوستوں کے سامنے ہمیشہ سینہ تان کر بولتا ہوں کہ میری بیوی فلسفر ہے۔"

رخسانہ نے اسے حیرانی سے دیکھا پھر بولی "فلسفر نہیں فلاسفر۔ تم اردو میں بولو فلسفی مگر میں فلسفی نہیں ہوں' زندگی جو مجھے پڑھا رہی ہے۔ وہ میں تمہیں سنا رہی ہوں۔"

"رخسانہ اب دیر نہ کرو۔ جلدی سے اپنے چہرے کی وہ پلاسٹک والی سرجری کرا لو۔"

اس نے پوچھا "کیا تم مجھے حسین دیکھنے کے لیے بہت بے تاب ہو۔"

"کیوں' مجھے بے تاب نہیں ہونا چاہیے۔ تم میری بیوی ہو' میری زندگی ہو۔ میرے ساتھ ساری عمر ہو گی تو میں تمہارا اچھے سے اچھا چہرہ دیکھنے کا حق نہیں رکھتا۔"

"ہاں جانی' تمہیں اس بات کا حق ہے۔"

"اسی لیے تو میں نے کہا تھا۔ جب تک چہرہ ٹھیک نہیں ہوتا۔ اس وقت تک اپنی پہلی والی تصویر دکھاؤ مگر تم کہتی ہو کہ اسے جلا کر پھینک دیا ہے۔"

"ہاں ایک بار میرا رشتہ مانگنے والی عورتیں آئی تھیں۔ انہوں نے میری تصویر کو تو پسند کیا لیکن میرے چہرے کو ناپسند کر کے چلی گئیں۔ تب مجھے بہت غصہ آیا تھا میں نے اپنی پہلے کی تمام تصویریں جلا ڈالی تھیں۔ اب میں پچھتا رہی ہوں۔ وہ تصویریں ہوتیں تو تم کتنی محبت سے اور کتنے شوق سے انہیں فریم کر کے یہاں دیوار پر لگاتے۔ ہے نا؟"

"ہاں رخسانہ' مگر اب ہمیں سوچنا چاہیے کہ کتنی جلدی تمہارا چہرہ خوب صورت ہو سکتا ہے۔"

"ہم جتنی بھی جلدی کریں دو چار برس تو ضرور لگیں گے۔ ہمیں یہاں ڈسپنسری قائم کرنی ہے۔ اپنی آمدنی بڑھانا ہے۔ پیسے جمع کرنے ہیں۔"

"تو پھر جلدی کرو۔ دیر کیوں کرتی ہو ہم کل ہی سے ڈسپنسری کی چار دیواری اٹھانا شروع کر دیں گے۔ تھوڑا تھوڑا کام ہوتا رہے گا تو کام آگے بڑھتا رہے گا۔ آمدنی کی صورت نکلتی جائے گی۔ ٹھیک ہے نا؟"

رخسانہ نے اس پر جھک کر اس کی پیشانی کو چھو کر دیکھا' اس کا بدن جل رہا تھا "جانی تمہارا بخار تیز ہو رہا ہے۔ امی دوائیں لاتی ہی ہوں گی جب تک تم آنکھیں بند کر کے چپ چاپ لیٹے رہو۔"

وہ اور قریب ہوتے ہوئے بولا "نہ میں تم سے دور ہونا چاہتا ہوں' نہ تم سے آنکھیں بند کرنا چاہتا ہوں۔ تم بہت اچھی ہو۔ جب تم بولتی ہو تو میں ساری دنیا کو بھول جاتا

ہوں۔"

رخسانہ خوشی سے نہال ہوگئی۔ وہ سمجھتی تھی کہ دنیا کو بھولنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کی باتوں میں فرزانہ کو بھول جاتا ہے۔ اس نے پوچھا "جانی ایک بات بتاؤ' اگر تقدیر یہ فیصلہ سنادے کہ مجھے تم چھوڑ دو' مجھ سے الگ ہو جاؤ' میرے ساتھ زندگی نہ گزارو' تب تم کیا کرو گے؟"

"تم ایسی ہی فضول باتیں سوچتی جاؤ۔ بھلا تقدیر کیوں ایسا فیصلہ سنائے گی۔ تقدیر نے ہمیں ایک کیا ہے۔"

"نہیں جانی' تم ڈرائیور ہو' یہ تو جانتے ہو کہ کہیں کی بھی' کوئی بھی سڑک جتنی دور ہوجاتی ہے۔ اتنی ہی دور سے پھر اپنی جگہ واپس آتی ہے۔ آتی ہے نا؟"

"ہاں' یہ بات تو ہے؟"

"تقدیر ہی ہمیں ہنساتی ہے' وہ رلاتی بھی ہے۔ یہی تقدیر جس نے ہمیں ایک کیا ہے۔ وہ الگ بھی کرسکتی ہے پھر تم کیا کرو گے؟"

جانی تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر بولا "سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہارے دماغ میں ایسی بات کیوں آرہی ہے ہم کیوں الگ ہوں گے۔ ویسے میں ایک بات بول دیتا ہوں کہ تقدیر تو کیا فرزانہ بھی اگر بولے کہ میں تمہیں چھوڑ دوں تو خدا کی قسم تمہیں چھوڑ نہیں سکتا۔"

رخسانہ ایک دم سے چیخ مار کر اس سے لپٹ گئی۔ مارے خوشی کے دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔

بات ابھی سمجھنے کے لیے رہ گئی تھی۔ رخسانہ خوشی کے مارے سمجھ نہ سکی۔ جانی نے یہ تو کہا تھا کہ وہ فرزانہ کے کہنے پر بھی اپنی رخسانہ کو نہیں چھوڑے گا لیکن اس نے ایسا کوئی وعدہ نہیں کیا تھا کہ رخسانہ کے کہنے پر وہ اپنی فرزانہ کو چھوڑ دے گا۔

اتنی سی بات رخسانہ کو بہلانے کے لیے کافی تھی۔ وہ بہل گئی۔ صبح نماز پڑھنے کے لیے اٹھی تو پہلے جانی کا ٹمپریچر دیکھا۔ بخار میں کمی نہیں ہوئی تھی۔ حالانکہ رات کو اسے دوا پلائی گئی تھی۔ اس نے نماز پڑھتے وقت پھر اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر جانی کی صحت یابی اور اپنے سہاگ کی سلامتی کے لیے دعائیں مانگیں۔ نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تو اس کی امی ناظم آباد والے مکان میں جانے کے لیے تیار بیٹھی تھیں۔ مستری چاچا سے یہ طے پایا تھا

وہ ناظم آباد والے مکان میں آکر اس کی امی کو کسی عالم دین کے پاس لے جائیں گے۔

جب اس کی امی جانے لگیں تو ان کا دل ڈوبنے لگا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ بیٹی کو گڑھے میں گرانے سے پہلے گڑھا کھودنے جارہی ہیں۔ مستری چاچا نے ایک ماں کو اپنی بیٹی کے لیے قبر کھودنے پر مجبور کردیا تھا۔ رخسانہ نے تعجب سے سوچا کہ وہ رات کو جانی کی باتوں سے کیسے بہل گئی تھی۔ کیسے خوش ہوگئی تھی اور کیسی گہری نیند سوگئی تھی۔ اب غور کرنے پر پتا چل رہا تھا کہ بے شک جانی اسے نہیں چھوڑے گا لیکن یہ جانی کے فیصلے پر منحصر نہیں تھا۔ جانی بے شک ضدی ہے۔ وہ تقدیر کا فیصلہ نہ مانتا' فرزانہ کی بات کو بھی ٹھکرا دیتا لیکن جب شرعی احکامات ہوں اور قانوناً الگ ہونا پڑے تب وہ کیا کرسکتا تھا۔ نہ جانی کی بات چلتی اور نہ ہی رخسانہ کے آنسو کام آتے' نہ ہی ننھے سے بچے کی معصومیت کا کوئی خیال کرتا۔ قانون آخر قانون ہوتا ہے۔ مذہبی احکامات اٹل ہوتے ہیں کہ جو بات غلط ہے تو وہ غلط ہے۔ جو گناہ ہے تو وہ گناہ ہے۔ گناہ کو کسی بھی پہلو سے جائز قرار دینے کے لیے کہیں سے بھی کوئی لچک پیدا نہیں کی جاسکتی۔

وہ سوچ سوچ کر آدھی ہورہی تھی۔ رہ رہ کر مکان کے باہر دیکھتی تھی کہ اس کی امی آکر عالم کا فیصلہ سنائیں گی۔ کبھی وہ جانی کی تیمارداری میں اپنا دھیان بٹاتی تھی کبھی بچے کو سینے سے لگا کر خدا سے دعائیں مانگنے لگتی تھی۔ اسے کسی طرح چین نہیں آرہا تھا۔ ایک بار جھوٹ بول کر اور فریب دے کر پھر چاہے ساری عمر سچی اور شریفانہ زندگی گزارو۔ تب بھی وہ ایک جھوٹ اور فریب پیچھا نہیں چھوڑتا۔ زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر سامنے آکر سولی پر چڑھا دیتا ہے۔

صبح سے دوپہر ہوگئی اس کی امی واپس نہیں آئیں۔ اس نے جانی کو دوپہر کا کھانا کھلایا۔ اسے پینے کے لیے دوا دی پھر اسے تسلی دیتے ہوئے کہا "اگر شام تک بخار کم نہیں ہوگا تو میں کسی ڈاکٹر کو لے آؤں گی۔"

اس نے کہا "اس کی ضرورت نہیں۔ میں ایسا کمزور بھی نہیں ہوں۔ اگر شام تک بخار رہا تو ہم ٹیکسی میں بیٹھ کر کسی ڈاکٹر کے پاس چلیں گے۔"

"تم اس حالت میں گاڑی چلاؤ گے؟"

"تو کیا ہوا۔ کھڑکیوں کے شیشے چڑھا دیں گے۔ ہوا نہیں لگے گی۔ تم میرے پاس رہو گی تو ساری بیماریاں دور بھاگ جائیں گی۔"

اس کی باتیں سن کر رخسانہ کو جیسے گرتے گرتے سنبھلنے کا سہارا مل جاتا تھا۔ وہ مسکرا کر بولی "جانی! آج میں تم سے ایک وعدہ لینا چاہتی ہوں۔ بولو مجھ سے ایک بات کا وعدہ کرو گے؟"

"ایک نہیں ہزار وعدے کروں گا کیونکہ میرا جو بھی وعدہ ہوگا' وہ تمہارے اور بچے کی بھلائی کے لیے ہوگا۔"

"ہاں جانی! اسی لیے میں تم سے وعدہ لینا چاہتی ہوں۔"

"بھئی بتاؤ تو آخر کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"بات یہ ہے جانی کہ میرا دل بہت ڈر رہا ہے جیسے کوئی ان دیکھی طاقت ہم دونوں کو ایک دوسرے سے دور کر دے گی۔"

"یہ تمہارا وہم ہے رخسانہ! کل سے تم یہی بات بولتی جا رہی ہو' تمہیں آخر کس بات کا ڈر ہے؟"

"میرے ڈر کو رہنے دو' بس میری بات سن لو اور وعدہ کرو۔ میں چاہتی ہوں اگر کبھی ایسی منحوس گھڑی آئے تو تم مجھ سے الگ ہونے کے بعد کم سے کم پانچ برس تک شادی نہیں کرو گے۔ کسی بھی دوسری لڑکی سے شادی نہیں کرو گے۔"

"صاف بولو نا' تم سے کسی وجہ سے الگ ہو گیا تو فرزانہ سے شادی نہیں کروں گا' ہے نا یہی بات؟"

"میں فرزانہ کی بات نہیں کرتی۔ فرزانہ ہو یا کوئی اور ہو۔ میں چاہتی ہوں کہ تم پانچ برس تک میرا انتظار کرو۔ اگر کوئی طاقت ہمیں الگ کر دے گی تو مجھے خداوند کریم پر بھروسا ہے۔ میں اسی بھروسے پر تم سے آج یہ وعدہ لینا چاہتی ہوں۔"

"اگر تم اسی خیال سے سہمی جا رہی ہو اور کل سے رو رہی ہو تو میں تمہارا ہاتھ تھام کر تم سے وعدہ کرتا ہوں۔"

اس نے رخسانہ کے ہاتھ کو تھام لیا پھر کہا "میں ایک مرد کی زبان دے رہا ہوں۔ اول تو میں تمہیں اپنے سے کبھی الگ نہیں کروں گا۔ اگر میری طاقت سے باہر کوئی بات

ہو گئی اور تم مجھ سے جدا ہو گئیں تب بھی میں پانچ برس تک تمہارا انتظار کروں گا اور تم کو اپنانے کی ضد کرتا رہوں گا۔ اب تو خوش ہو نا؟"

وہ جھک کر اس کے قدموں میں پہنچ گئی۔ اس نے بہت سوچ سمجھ کر پانچ برس کا وعدہ لیا تھا۔ اس کے دل میں یہ بات آئی تھی کہ اگر مذہبی احکامات کے مطابق انہیں الگ ہونا پڑے تو دوبارہ نکاح پڑھانے کی اجازت بھی ضرور ملے گی لیکن دوبارہ نکاح کی نوبت آنے سے پہلے فرزانہ راستے میں حائل ہو جائے گی پھر وہاں آدھے چہرے اور مکمل چہرے کا فرق پیدا ہوگا۔ اگر جانی پانچ برس تک انتظار کرتا رہا تو اتنے عرصے میں وہ اپنے چہرے کی پلاسٹک سرجری کرا لے گی پھر وہ بھی فرزانہ کے مقابلے میں مکمل ہو کر جانی کے سامنے پہنچے گی اس وقت جانی کو فیصلہ کرنا ہوگا کہ کس کا پلہ بھاری ہے۔ فرزانہ کا یا رخسانہ کا؟ فرزانہ اگر حسین ہے تو رخسانہ اس سے کم نہیں' فرزانہ اگر محبت سے اپنی طرف کھینچتی ہے تو رخسانہ اس کے بچے کو گود میں لے کر اپنی طرف آنے پر مجبور کرتی ہے۔ اس وقت جو پچویشن ہوگی' اسے جانی ہی سمجھ سکے گا اور اپنے طور پر فیصلہ کر سکے گا۔

رخسانہ نے اس کے قدموں میں پہنچنے کے بعد اطمینان کی سانس لی۔ اس نے پانچ برس کے لیے اس کے قدموں میں وعدے کی زنجیر پہنا دی تھی۔ شام کے چار بجے باہر ایک رکشے کی آواز سنائی دی۔ اس نے کھڑکی کھول کر دیکھا اس کی امی رکشے سے اتر رہی تھیں۔ اس نے جلدی سے بچے کو جانی کی گود میں دیا اور کہا "تم یہاں بیٹھے رہو۔ باہر نہ آنا ہوا لگ جائے گی' بخار ابھی تک ہے۔ امی آئی ہیں' میں ان سے مل کر آ رہی ہوں۔"

یہ کہتے ہوئے وہ باہر جانے لگی۔ جانی نے کہا "امی ادھر ہی آ رہی ہیں۔ تمہارا باہر جانا کیا ضروری ہے؟"

وہ دروازے کے پاس سے پلٹتے ہوئے بولی "تم سمجھتے نہیں ہو۔ امی بہت سی باتیں تمہارے سامنے کرتے ہوئے جھجک محسوس کرتی ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ مسکرائی۔ اپنے سر کو خفیف سی حرکت یوں دی جیسے اشارے سے پوچھ رہی ہو "جاؤں؟"

جانی مسکرایا۔ رخسانہ دروازے سے گھوم کر کمرے سے باہر آئی۔ باہر آتے ہی اس کے ہونٹوں سے مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ وہ تیزی سے چلتے ہوئے باہر آئی تھی۔ اس وقت

تک اس کی امی برآمدے میں پہنچ گئی تھیں۔ اس نے آہستگی سے پوچھا "کیا ہوا امی؟"

وہ تھکے ہوئے انداز میں چہرے کو چادر سے پونچھتے ہوئے بولیں "بس سب ٹھیک ہے۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔"

"گھبرا تو آپ رہی ہیں۔ مجھ میں سننے کا حوصلہ ہے۔ مجھ سے کچھ نہ چھپائیں جلدی سے بتادیں۔"

"بیٹی تم خواہ مخواہ پریشان ہوتی ہو۔ بات دراصل یہ ہے کہ مولانا صاحب نے میرا مطلب ہے عالم صاحب نے کوئی خاص جواب نہیں دیا۔ انہوں نے پندرہ دن کا وقت دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دوسرے علمائے دین سے مشورہ کرنے کے بعد جواب دیں گے۔"

"لیکن آپ جن کے پاس گئی تھیں' انہوں نے اپنے علم کے مطابق کچھ کہا ہوگا؟"

"وہ کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ پیچیدہ ہے۔ وہ تنہا اس بات کا جواب دیں گے تو کوئی دوسرے عالم صاحب اس پر کوئی نکتہ نکال کر اعتراض کریں گے۔ دو چار علما کے اتفاق سے اس مسئلے کا کوئی حل پیش کرنا چاہتے ہیں۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا امی کہ مسئلے میں کیا پیچیدگی ہے۔ سیدھی سی بات ہے کہ ہم نے جانی کو شادی سے پہلے دھوکے میں رکھا تھا۔"

"دیکھو بیٹی' بات اتنی سی نہیں ہے۔ بات کے اندر سے بات نکلتی گئی ہے' میں اطمینان سے بیٹھ کر بتاتی ہوں' یہاں کھڑے کھڑے کیا بتاؤں۔"

رخسانہ نے کمرے کی طرف دیکھا پھر آہستگی سے بولی "وہاں جانی بیٹھے ہیں۔ ان کے سامنے تو بات نہیں ہوسکے گی۔ ابھی وہ تھوڑی دیر میں مجھے آواز نہ دینے لگیں۔ آپ مختصر طور پر یہیں سب کچھ بتادیجئے۔"

وہ بولیں "بیٹی' میرا حلق خشک ہو رہا ہے۔ تم نے تو مجھے اور بھی بدحواس کردیا ہے۔ ذرا پانی تو پی لینے دو۔"

دونوں ماں بیٹی برآمدے سے چلتے ہوئے دروازے کے سامنے گزرتے وقت ذرا رک گئیں۔ رخسانہ کمرے کے اندر جانی کو دیکھ کر مسکرائی پھر وہیں برآمدے سے بولی "امی کو پیاس لگی ہے' میں انہیں پانی پلا کر آتی ہوں۔"

اس نے اپنی ساس کو تعجب سے دیکھا' اتنی دیر میں وہ دونوں دروازے کے سامنے

سے گزر گئیں۔ اس نے بلند آواز سے کہا "پانی پلانے سے پہلے ان کی عمر پوچھ لینا' شاید بوتل کی ضرورت پڑجائے۔ کمال ہے یہ عورت تو میرے بچے سے چھوٹی بچی بن گئی ہے۔"

دونوں ماں بیٹی باورچی خانے میں داخل ہو رہی تھیں۔ جانی کی بات سن کر رخسانہ کی امی نے کہا "دیکھو دیکھو یہ لڑکا کیا کہہ رہا ہے۔ یہ آخر میرے پیچھے کیوں پڑ گیا ہے۔"

"امی چھوڑیئے بھی۔ جلدی سے پانی پیجئے اور کام کی بات بتایئے۔"

انہوں نے برتنوں کے پاس سے ایک گلاس اٹھایا پھر مٹکے سے پانی نکالتے ہوئے بولیں "عالم صاحب کہتے ہیں کہ ایک طرح سے نکاح بالکل درست ہے۔"

رخسانہ خوش ہوگئی "سچ امی؟"

"ہاں' مگر کہتے ہیں کہ دوسری طرح سے نکاح میں گڑبڑ ہے۔ یعنی کہ درست نہیں ہے۔"

رخسانہ مایوس ہو کر بولی "درست کیوں نہیں ہے' مجھے بتایئے۔"

اس وقت وہ پانی نکال کر پینے لگی تھیں۔ اس سے برداشت نہیں ہوا۔ گلاس کو آہستگی سے چھین کر بولی "توبہ ہے امی! سارا پانی آج ہی پی لیں گی۔"

وہ پانی کا گھونٹ نگلتے ہوئے اپنی سانس بحال کرتے ہوئے بولیں "اے لڑکی' کیا یزید کے خاندان سے آئی ہے۔ منہ کا پانی چھین رہی ہے۔"

"یہ بات نہیں ہے۔ آپ باہر سے آئی ہیں۔ اتنی دور سے آکر ذرا ٹھہر کر پینا چاہیے۔ اطمینان سے سانسیں درست کرلیجئے' باتیں کرلیجئے پھر پانی پیجئے گا۔ تو عالم صاحب نے کیا کہا؟"

"وہ کہتے ہیں کہ نکاح لڑکی کے نام سے اور اس کی صحیح ولدیت سے بیان کرنے سے ہوجاتا ہے اور تمہارا نام اور تمہاری ولدیت بالکل درست تھی اور اسی نام کو جانی نے قبول کیا ہے۔ اب رہی دھوکے والی بات کہ شادی سے پہلے جانی کو دھوکا دیا گیا تھا تو اس سلسلے میں دھوکا دینے والوں کا محاسبہ کیا جائے گا اور جانی سے پوچھا جائے گا کہ اس نے رخسانہ نام کے ساتھ نکاح قبول کیا ہے تو اسے قبول ہے یا اعتراض ہے' اگر وہ اعتراض کرتا ہے تو اس دھوکا دہی کے خلاف قانونی چارہ جانی بھی کرسکتا ہے اور علمائے دین کی حمایت بھی حاصل کرسکتا ہے۔"

رخسانہ نے بڑے اعتماد سے کہا "امی مجھے پورا یقین ہے، جانی میرے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے۔"

"بیٹی! اس لڑکے کی بات نہ کرو۔ وہ آدھا پاگل ہے۔ جب بات آگے بڑھے گی تو عالم لوگ جانی سے سوال کریں گے، جب لڑکی بدل گئی تھی اور اس نے اس کی صورت بھی دیکھی تھی تب اس نے اس لڑکی کے خلاف کوئی قدم کیوں نہیں اٹھایا؟ اعتراض کیوں نہیں کیا؟"

کمرے سے جانی کی آواز سنائی دی "رخسانہ اپنی امی سے بولو کہ کراچی میں پانی کی قلت ہے۔ آخر وہ کب تک پانی پیتی رہیں گی۔"

"میں آرہی ہوں۔ بس ابھی آرہی ہوں۔"

یہ کہہ کر رخسانہ نے امی سے کہا "جلدی بتایئے نا، آخر بات کہاں تک پہنچی ہے؟"

"بیٹی میں جلدی کیا بتاؤں تم مجھے بدحواس کیے دے رہی ہو۔ عالم صاحب کہتے ہیں کہ اسلام میں عمل کی اہمیت ہے لیکن اللہ تعالیٰ عمل کے بعد نیت کو دیکھتا ہے۔ اگر شرعی طور پر ہم نے عمل کرتے ہوئے نکاح پڑھالیا تو وہ نکاح جائز ہوگا لیکن ہماری نیت کو ہمارے جھوٹ سچ کو دیکھنے والا اللہ ہے اور اس کے ہاں یہ نکاح قبول نہ ہوگا۔"

رخسانہ کا دل ڈوبنے لگا۔ اسی وقت بچے کے رونے کی آواز سنائی دینے لگی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھام کر بولی "امی میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، آپ بچے کو سنبھال لیں۔ جانی سے کہئے کہ میں ابھی آرہی ہوں۔ میں ابھی ان کا سامنا نہیں کرسکوں گی۔"

اس کی امی جانے لگیں پھر پلٹ کر بولیں "بیٹی، گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ عالم صاحب نے ایک اور بات کہی ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ بے شک نیت کو دیکھتا ہے۔ اگر جانی کی نیت یہ ہو کہ جس کے ساتھ بھی نکاح پڑھا دیا گیا ہے، اسے وہ قبول کررہا ہے یعنی ہماری طرف سے جھوٹ اور فریب جاننے کے بعد بھی تمہیں قبول کررہا ہے تو پھر یہ نکاح جائز ہوجائے گا۔"

یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلی گئیں۔ رخسانہ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے آگے بڑھی پھر دیوار کا سہارا لے کر کھڑی ہوگئی۔ اسے کمزوری سی محسوس ہورہی تھی۔ سر بھاری

ہورہا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ یہ بات جانی تک پہنچے۔ کوئی بھی عالم جانی سے یہ سوال کرے گا کہ اسے رخسانہ قبول ہے یا نہیں؟ اور اگر نہیں ہے تو اس نے اتنے عرصے ازدواجی زندگی کیوں گزاری؟ طرح طرح کے سوالات اس سے کیے جائیں گے۔ یہ معاملہ اس قدر آگے بڑھ گیا ہے کہ علمائے دین تک پہنچ گیا ہے۔ یہ بات جانی کو نہیں معلوم ہونا چاہیے۔ بے شک اس نے پانچ برس تک وعدے کا پابند رہنے کی زبان دی ہے پھر بھی کیا ضروری ہے کہ جانی کو سب کچھ معلوم ہو اور فرزانہ اسے نہ بہکائے۔

وہ جانی سے اسی لیے یہ ساری باتیں چھپا رہی تھی۔ اتنے میں اس کی امی بچے کو لے کر پھر باورچی خانے میں آگئیں اور کہنے لگیں۔ "بیٹی ایک ضروری بات تو میں بھول گئی۔ عالم صاحب نے کہا ہے کہ جب تک دو چار علما سے بحث کرکے مشورہ کرکے کسی نتیجے پر نہ پہنچیں اس وقت تک احتیاطاً تمہیں اور جانی کو ایک دوسرے سے دور رہنا چاہیے اور ازدواجی زندگی اس وقت تک نہیں گزارنا چاہیے۔"

رخسانہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ رشتہ توڑنے اور الگ کرنے کی بات چل نکلی تھی۔ جانی اگر صرف ایک رشتہ ہوتا تو محض کسی کے کہنے سے یا کسی مجبوری سے یا کسی کے زور دینے سے ٹوٹ جاتا کیونکہ خون کے رشتے بھی ٹوٹ جاتے ہیں لیکن جانی تو ایک چادر تھا جسے ایک شریف عورت مرتے دم تک اپنے سر سے نہیں اتار سکتی۔ وہ ایک شرم تھی جو جانی کی مٹھی میں بند تھی۔ جانی کی مٹھی سے نکل کر کسی دوسرے کی مٹھی میں جاتی تو شرم کی وہ اہمیت، وہ وقعت، وہ قدر نہیں ہوتی۔ وہ شریف عورت ہونے کے باوجود جانی کے بعد کہیں بھی سیکنڈ ہینڈ کہلاتی پھر بچے کا کیا ہوگا؟ اگر وہ جائز نہیں ہے تو جانی باپ کیسے ہے؟ جب وہ ناجائز ہے تو رخسانہ ماں کیسے ہوئی؟ جب وہ کسی کا نہیں ہے تو پھر وہ کس کی اولاد ہے؟ اگر ان کی اولاد ہے تو ماں باپ اپنا منہ پورے سماج کو دکھا سکتے ہیں مگر گالی بن کر۔

وہ روتے ہوئے بولی "نہیں، نہیں امی، اس سے پہلے کہ مجھ سے جانی کا رشتہ اور میرے بیٹے کا رشتہ گالی ہوجائے، میں مرجاؤں گی۔ میں جانی سے کبھی الگ نہیں ہوسکتی۔"

بچہ رو رہا تھا، ماں رو رہی تھی۔ بچے کو کسی کا ڈر نہیں تھا۔ وہ ساری دنیا کو اپنے آنسو دکھا سکتا تھا۔ ماں کو جانی کا ڈر تھا۔ وہ اپنے آنسو چھپا رہی تھی اس لیے بچہ چیخ چیخ کر رو رہا

تھا اور ماں چھپ چھپ کر رو رہی تھی۔

دوسرے دن جانی کا بخار اتر گیا۔ اس نے ناشتا کرنے کے بعد لباس تبدیل کرتے ہوئے کہا "اب میں ٹیکسی لے کر جاؤں گا۔"

رخسانہ نے کہا "کوئی ضروری نہیں ہے۔ آج آرام کرلو کل سے ٹیکسی چلانا۔"

"آج آرام کروں گا تو ایک دن کی دہاڑی ماری جائے گی۔ یاد رکھو ہمیں زیادہ سے زیادہ کمانا ہے۔ یہاں ڈسپنسری کھولنا ہے اور تمہیں پلاسٹک والی سرجری کے لیے باہر جانا ہے۔ اب ہمارا مقصد یہی ہوگا۔"

رخسانہ خوش ہو کر اسے دیکھنے لگی پھر اس کی قمیص کا کالر درست کرتے ہوئے بولی "تم میرا کتنا خیال رکھتے ہو۔ میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ میں بھی خوب محنت کروں گی اور جلد سے جلد رقم جمع کر کے تمہاری آنکھوں کے سامنے پوری طرح حسین بن کر آؤں گی۔"

جانی نے اس کے دونوں بازوؤں کو تھام کر پوچھا "رخسانہ کہیں تم یہ تو نہیں سمجھ رہی ہو کہ میں تمہارے آدھے چہرے سے گھبراتا ہوں۔"

"نہیں جانی، میں ایسی نادان نہیں ہوں، مگر اتنا تو سمجھتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اچھی صورت دی ہے تو مجھے تمہارے سامنے اپنی اصل صورت ہی پیش کرنا چاہیے۔ یہ تمہارا حق ہے کہ تم مجھ سے اچھائی طلب کرو اور میں تمہاری طلب پوری کروں۔"

وہ پلنگ کے سرہانے بیٹھ کر جوتے پہننے لگا۔ رخسانہ نے اس کے قدموں کے پاس زمین پر بیٹھ کر جوتے کے فیتے باندھتے ہوئے کہا "میرا جی چاہتا ہے جیسے میں یہ فیتہ باندھ رہی ہوں اسی طرح تمہارے پاؤں میں زنجیر باندھ کر رکھ دوں تاکہ میرے پاس سے کہیں بھاگ نہ سکو یا تمہیں کوئی بھگا کر نہ لے جائے۔"

وہ تھوڑی دیر تک اسے دیکھتا رہا پھر بولا "میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی ہے کہ دنیا کی کسی بھی چیز کو کہیں سے بھی باندھو تو جہاں سے باندھو گے وہیں سے کھلنے کی بھی جگہ بن جاتی ہے تو پھر باندھنا بیکار ہوا نا؟"

فیتہ باندھنے کے بعد وہ گھٹنوں کے بل اٹھ گئی۔ جانی کے دونوں گھٹنوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ کر پھر اپنے ہاتھ پر اپنی ٹھوڑی رکھ کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی "تم

نے بڑی اچھی بات کہی، واقعی باندھنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ انسان کو اس کی مرضی اور اس کے فیصلے پر چھوڑ دینا چاہیے مگر یہ جو عورت کا دل ہوتا ہے نا، یہ بڑا کمزور ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ سمجھ کر بھی اپنے مرد کو اپنے آنچل سے باندھ کر رکھنا چاہتی ہے۔"

وہ اس پر جھک کر بولا "میں دروازہ بند کر دیتا ہوں، تم مجھے آنچل سے باندھنا شروع کردو۔"

وہ جلدی سے اٹھ کر پرے ہٹتے ہوئے بولی "اونہہ، امی باورچی خانے میں ہیں، فضول باتیں نہ کرو۔"

وہ پھر اس کے قریب آگیا اسے اپنے بازوؤں کی محبت بھری قید میں لے کر بولا "مجھے ایسا لگتا ہے کہ ہمارے بیچ میں اتنی محبت ہونے کے بعد بھی کوئی بات رہ گئی ہے، کیا تمہیں بھی ایسا لگتا ہے؟"

"ہاں جانی، مجھے بھی ایسا لگتا ہے۔ دیکھو جب سے ہماری شادی ہوئی ہے، ہم بہت خوش رہتے ہیں۔ تم نے مجھے اتنا خوش رکھا ہے جس کی میں توقع بھی نہیں کر سکتی تھی۔ مثلاً تم مجھ سے کبھی کسی بات پر ناراض نہیں ہوتے۔ کبھی ہمارے درمیان جھگڑا نہیں ہوتا، کوئی ایسی ویسی بات ہوتی بھی ہے تو کبھی تم خاموش رہ کر اسے ٹال دیتے ہو اور کبھی میں خاموش رہ کر بات کو نظرانداز کر دیتی ہوں۔"

"میں کچھ اور پوچھ رہا تھا، تم کچھ اور کہہ رہی ہو۔"

"میں سمجھ گئی ہوں۔ تم نے یہی کہا ہے کہ ہمارے درمیان کسی چیز کی کمی رہ گئی ہے یا ہمیں کوئی کمی محسوس ہوتی ہے۔"

"میں یہی سمجھتا ہوں، دیکھو نا چہرے کی کوئی بات نہیں ہے، مجھے امید ہے بلکہ یقین ہے کہ تمہارا چہرہ کچھ عرصے بعد ٹھیک ہو جائے گا، اصل بات کچھ اور ہے؟"

رخسانہ نے کہا "اب ہمارے درمیان فرزانہ کا مسئلہ بھی نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے تم کمی محسوس کرتے ہو۔"

"نہیں رخسانہ، جب میں تمہارے پاس اور بچے کے پاس آتا ہوں تو ہمارے درمیان اور کوئی نہیں ہوتا۔ صرف تم ہوتی ہو اور میرا بیٹا ہوتا ہے۔"

"میں بتاؤں کیا کمی رہ گئی ہے؟"

"ہاں یہی تو میں پوچھ رہا ہوں۔ اگر تم نے سمجھ لیا ہے تو مجھے بتاؤ۔"

"دیکھو، آج تک میں نے تمہیں کوئی ایسا موقع نہیں دیا جس پر تم مجھے بری طرح ڈانٹ سکو، جھڑک سکو یا مار سکو۔"

"ہاں یہ بات تو ہے۔"

"اور آج بھی تم کسی بھی بات پر ناراض نہیں ہوئے، غصہ نہیں دکھایا، کبھی مجھے ڈانٹا تک نہیں۔"

"ہاں یہ بات بھی ہے۔"

"یہی وہ کمی ہے، میاں بیوی کے درمیان کبھی کبھی تھوڑا سا جھگڑا ہونا چاہیے نا اور ہم کبھی جھگڑتے ہی نہیں ہیں۔"

وہ سوچتے ہوئے بولا "ہاں میرے دوست بھی کہتے ہیں کہ آدمی کو عورت کے سامنے مرد بن کر رہنا چاہیے۔ مرد بننے کے لیے ضروری ہے کہ وہ کبھی کبھی دو چار ہاتھ اپنی عورت پر جھاڑ دیا کرے۔ کسی بات پر غصہ دکھائے، کبھی کھانے کا برتن پھینک دیا کرے۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولی "تو پھر کیا خیال ہے۔ ہم کیوں نہ جھگڑے کا پروگرام بنائیں۔"

"ہاں، ایسا کر کے دیکھتے ہیں شاید یہ کمی دور ہو جائے۔"

"ضرور دور ہوگی، دیکھو ایسا کرتے ہیں جب تم رات کو ٹیکسی چلا کر واپس آؤ گے تو میں تم سے جھگڑا کروں گی کہ تم روز دیر سے گھر کیوں آتے ہو۔ گھر کو ہوٹل بنا رکھا ہے بس کھانے اور سونے کے وقت آگئے اور اس کے بعد چلے گئے۔"

وہ خوش ہو کر بولا "ہاں، یہ ٹھیک ہے۔ اگر تم زیادہ بولو گی تو مجھے غصہ آجائے گا پھر میں تڑاخ سے ایک طمانچہ رسید کر دوں گا اور تم رونا شروع کر دو گی۔"

"ہائے جانی، تم مارو گے تو میں واویلا نہ کروں گی، خوشی سے مر جاؤں گی۔"

"کیا مارنا ضروری ہے؟" اچانک جانی نے سنجیدگی سے پوچھا "کیا تم ابھی نہیں رو رہی ہو۔"

رخسانہ اسے چونک کر دیکھنے لگی۔ پہلے چند لمحوں تک سوالیہ نظروں سے دیکھا پھر

ہچکچاتے ہوئے پوچھا "یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"وہی کہہ رہا ہوں جو تمہارے اندر ہے۔ کیا تم نہیں رو رہی ہو؟"

"نہیں جانی، تمہیں خواہ مخواہ شبہ کیوں ہے۔ میں بھلا کیوں روؤں گی۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی تڑاخ کی ایک آواز کے ساتھ جانی کا ایک طمانچہ اس کے منہ پر پڑا۔ وہ دوسری طرف گھوم کر دیوار سے ٹکرا گئی پھر جانی نے اس کے بالوں کو مٹھی میں جکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور کہا "تم جانی کو بے وقوف سمجھتی ہو۔ میں دو دن سے دیکھ رہا ہوں، تم اندر ہی اندر رو رہی ہو بلکہ اندر ہی اندر مر رہی ہو۔ کیوں روتی ہو؟ کیوں مرتی ہو؟ کیا میں مر گیا ہوں؟ کیا مجھ کو مردہ سمجھ کر ماتم کرتی ہو؟"

وہ اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر انکار میں سہلاتے ہوئے بولی "نہیں جانی، ایسی بات منہ سے نہ نکالو۔ تم لمبی عمر تک سلامت رہو گے۔ میں تمہاری آنکھوں کے سامنے مروں گی، ایسی بات مت کرو۔ میں نہیں روتی ہوں۔"

"دیکھو مجھ سے جھوٹ مت بولو، مجھے جھوٹ سے نفرت ہے۔ میں نے تمہارا ایک شادی والا جھوٹ برداشت کیا اس کے بعد اب برداشت نہیں کروں گا۔ بری طرح تمہیں مارنا پیٹنا شروع کر دوں گا۔ اگر اپنی خیریت چاہتی ہو تو بتاؤ، تم دو دنوں سے چپکے چپکے کیوں رو رہی ہو؟"

"جانی یہ تمہارا وہم ہے۔"

وہ گلے کا ہار بننے لگی۔ جانی نے اس کے ہاتھوں کو ایک جھٹکے سے الگ کر کے اسے پرے دھکیلتے ہوئے کہا "میں بہت بری طرح پیش آؤں گا۔ مجھے بہلانے کی کوشش نہ کرو۔"

"جانی، آج تک تم نے مجھے کسی بات سے نہیں رلایا۔ مجھے کوئی تکلیف نہیں دی۔ کسی بات کی کمی نہیں ہونے دی پھر بتاؤ تو سہی میں آخر کیوں روؤں گی؟"

پھر ایک تڑاخ کی آواز کمرے میں گونجی اور رخسانہ کا منہ گھوم گیا۔ بے اختیار اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ باورچی خانے سے اس کی امی چیختے ہوئے، دوڑتے ہوئے آنے لگیں "ہائے، میری بچی کو کیا ہو گیا۔ ارے، یہ کیا ہو رہا ہے؟"

وہ کمرے کے دروازے پر پہنچیں پھر بچے کو اٹھائے اندر آنا چاہتی تھیں کہ جانی نے

انہیں روک کر کہا "خبردار، کمرے میں مت آنا۔ چلی جاؤ یہاں سے۔"

"اے منہ سنبھال کر بات کر۔ تم میری بچی کے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہو؟"

"میں آج تمہاری بچی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔ تم دونوں مجھے بے وقوف سمجھتی ہو۔ جھوٹ پر جھوٹ بولتی جا رہی ہو۔ سمجھتی ہو کہ ایک آدمی سیدھا اور شریف بن کر زندگی گزار دے گا۔ اس کو کبھی غصہ نہیں آئے گا۔ نکل جاؤ یہاں سے۔"

یہ کہتے ہی اس نے انہیں ایک زور کا دھکا دیا۔ وہ لڑکھڑاتے ہوئے برآمدے میں جا کر گریں۔ اس نے دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔ باہر بچہ رو رہا تھا، اندر رخسانہ روتے ہوئے، جانی کے قریب آتے ہوئے بولی "جانی خدا کی قسم میں نے آج تک تم سے کوئی ایسا جھوٹ نہیں کہا جس سے تمہیں نقصان پہنچے، اگر کبھی کچھ چھپاتی ہوں تو اس میں ہماری تمہاری بھلائی ہوتی ہے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی اس نے اس کو دونوں بازوؤں سے جکڑ کر پوچھا "تم مجھے رونے کی وجہ بتاؤ گی یا نہیں؟"

"نہیں جانی، مجھ سے کچھ مت پوچھو۔"

اس نے پھر ایک دو ہاتھ اسے جما دیے پھر اسے دونوں بازوؤں میں اٹھایا۔ وہاں سے اٹھا کر پلنگ کے پاس لایا اور بستر کے اوپر پٹخ دیا۔ رخسانہ کے حلق سے پھر ایک بار چیخ نکل گئی۔

باہر وہ چیخ سن کر اس کی امی لرز گئیں۔ وہ بچے کو فرش پر چھوڑ کر دوڑتے ہوئے دروازے کے پاس گئیں پھر دروازے کو پیٹتے ہوئے بولیں "جانی، دروازہ کھولو۔ میری بیٹی کو چھوڑ دو۔ نہیں تو بہت برا ہوگا۔ ارے کوئی میری بچی کو بچائے، یہ قصائی تو اسے مار ڈالے گا۔"

اندر سے ان کی باتوں کا کوئی جواب نہیں ملا۔ وہ وہاں سے دوڑتے ہوئے برآمدے سے گزرتے ہوئے باہر آئیں پھر دوسری طرف کھڑکی کے پاس پہنچیں، وہاں سے بھی انہیں کچھ نظر نہیں آیا کیونکہ کھڑکی کے پٹ اندر سے بند تھے۔ وہ کھڑکی سے کان لگا کر سننے لگیں۔ کچھ چیزوں کے گرنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ پھر وہاں سے پلٹ کر دوڑتے ہوئے برآمدے کی طرف جانے لگیں۔ بچہ چیخ چیخ کر رو رہا تھا۔ انہوں نے بچے کو

اٹھا لیا پھر تھپکتے ہوئے غصے سے بولیں "چپ ہو جا، نہیں تو، وہ ادھر میری بیٹی کو مار رہا ہے، ادھر میں تجھے مارنے لگوں گی۔"

یہ کہتے ہی انہیں کچھ عقل آئی۔ وہ دروازے کو پیٹ کر کہنے لگیں "جانی، میری بیٹی کو چھوڑ دے نہیں تو میں تیرے بیٹے کا گلا دبا دوں گی۔"

دھمکی کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ ان کے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے، بچہ بھی چپ ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ وہ کبھی بچے کو تھپکتی تھیں، کبھی اسے سمجھاتی تھیں مگر بچہ کہاں سمجھتا ہے۔ وہ تو ماں کی گود کی گرمی یا اپنی نانی کی محبت کو سمجھ سکتا تھا۔ گھبراہٹ پریشانی اور بدحواسی میں نانی محبت کرنا بھول گئی تھیں۔ وہ پھر دروازے کے پاس آئیں اور کان لگا کر سننے لگیں۔

اندر کی آواز سنائی بھی کیسے دیتی۔ گود میں بچہ رو رہا تھا۔ رونے والی آواز قریب تھی اور جو آواز وہ سننا چاہتی تھیں، وہ بہت دور تھی اور تجسس پیدا کر رہی تھی۔ ٹھیک سے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ بیٹی کو مار کھاتے دیکھ چکی تھیں اس لیے اسی مناسبت سے سوچ رہی تھیں کہ وہ اس وقت کسے مار رہا ہے اور تقدیر دھکے دے رہی ہے۔ قصاب ذبح کر رہا ہے اور بکری جھٹپٹا رہی ہے اور باہر بکری کی ماں خیر منا رہی تھی۔

بچے کو چپ کرانے میں تھوڑا وقت گزر گیا تھا۔ انہوں نے سوچا تھا کہ بچہ چپ ہوگا تو وہ پھر دروازے کو پیٹ پیٹ کر فریاد کریں گی اور جانی کو دروازہ کھولنے پر مجبور کریں گی لیکن بچہ چپ ہو کر سونے لگا۔ وہ اس کے سونے کا انتظار کرنے لگیں، جب وہ سو گیا تو وہ اسے باورچی خانے میں لے گئیں، وہاں فرش پر چھوٹا سا بستر بچھایا اور اسے اس پر ڈال دیا۔ وہ پھر ہاتھ پاؤں جھٹکنے لگا۔ انہوں نے فوراً ہی دودھ کی بوتل منہ سے لگا دی، بچے کو بہلانے اور سلانے میں کافی وقت گزر گیا۔

وقت جب گزرتا ہے تو اپنے ساتھ بہت سی اونچ نیچ لے کر گزرتا ہے۔ گزرتے گزرتے کبھی پتھر مارتا ہے اور کبھی پھول مارتا ہے۔ کبھی رلاتا ہے اور کبھی گدگدی کرتا ہے۔ جب اماں جان بچے کو سلا کر دروازے پر آئیں تو اندر سے رخسانہ کے ہولے ہولے ہنسنے کی آواز سنائی دی۔ اماں جان کے تو حیرانی سے دیدے پھیل گئے۔

رخسانہ، جانی کے بازو میں منہ چھپائے ہنس رہی تھی اور اپنے نازک ہاتھ سے اسے

ہولے ہولے مار رہی تھی۔ جانی نے اس کے ہاتھ کو پکڑ لیا پھر اس ہاتھ کو چوم کر ایک گہری سانس لی اور شکست خوردہ انداز میں کہا "چلو میں ہار گیا' اب تم سے نہیں پوچھوں گا کہ دو دن سے کیوں چھپ چھپ کر رو رہی ہو مگر میں انتظار کروں گا۔ تم خود ہی مجھے بتاؤ گی۔ نہیں بتاؤ گی تو میں اوپر سے مسکراؤں گا اور چھپ چھپ کر تم سے ناراض رہوں گا۔"

اماں جان نے باہر سے دروازے پر کان لگا کر سننے کی کوشش کی مگر کچھ سنائی نہیں دیا۔ وہ دروازے سے ذرا دور ہٹ کر کھڑی ہو گئیں پھر آہستگی سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولیں "لعنت ہے آج کل کی لڑکیوں پر مردوں کے جوتے کھا کر بھی ہنستی رہتی ہیں۔ ارے ہم نے بھی تو شادی کی تھی۔ مجال ہے جو ہمارا مرد ہم پر انگلی بھی رکھ دیتا۔ ہم انگلی ہی توڑ کر رکھ دیتے۔"

رخسانہ اس کے بازوؤں میں منہ چھپائے چپ چاپ پڑی رہی۔ ویسے اسے کہنا چاہیے تھا کہ جانی میں تم سے کچھ نہیں چھپاؤں گی اور نہ اپنے رونے کی وجہ بتا دوں گی لیکن وہ بتانا نہیں چاہتی تھی اور اس لیے جانی سے وعدہ بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ اسے جانی نے دھمکی دی تھی کہ وہ نہیں بتائے گی تو وہ چھپ کر ناراض رہے گا۔ کوئی بات نہیں 'وہ بھی تو اتنے عرصے سے یہی چاہتی تھی کہ جانی کبھی ناراض ہو' کبھی غصہ دکھائے۔ آج جیسا ہاتھ اٹھایا ہے' ایسا روپ تو اس نے پہلے کبھی نہیں دکھایا تھا۔ یہ روپ بھی اتنا اچھا تھا کہ وہ ایک نہیں ہزار بار اس کے ہاتھوں سے مار کھا سکتی تھی اور اس کے ہاتھوں سے مر سکتی تھی۔

جانی تھوڑی دیر تک انتظار کرتا رہا کہ وہ کچھ بولے گی پھر اس نے خود ہی کہا "معلوم ہوتا ہے مجھ سے ناراض ہو۔ میرا ہاتھ ذرا بھاری پڑ گیا تھا۔"

وہ منہ چھپانے کے لیے اور گھسنے لگی۔ جانی نے کہا "دیکھو نا' تم لڑائی جھگڑے کا پروگرام بنا رہی تھیں۔ اچانک ہی مجھے خیال آیا کہ تم دو دن سے رو رہی ہو اور مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو۔ مجھے اپنا نہیں سمجھ رہی ہو۔ مجھ سے جھوٹ بولتی جا رہی ہو۔ بس پھر تو مجھے غصہ آ گیا۔ پروگرام کی ایسی تیسی ہو گئی اور میں نے سچ مچ میں تمہاری پٹائی کر دی۔"

وہ کچھ نہیں بول رہی تھی' صرف سن رہی تھی۔ اس کا منہ چھپا ہوا تھا۔ وہ جانی کو

نہیں دیکھ رہی تھی۔ اس کا ایک ہاتھ آہستگی سے اٹھا پھر کسی اندھے کی طرح ٹٹولتا ہوا جانی کے چہرے پر پہنچ گیا۔ وہ اپنی ملائم انگلیوں سے اس کے چہرے کو سہلانے لگی۔ جانی کو اس کی اس ادا پر بڑا پیار آیا اس نے کہا "رخسانہ' آج نہیں تو کل تم اپنا دکھ مجھے بتاؤ گی نا؟"

اس نے انکار میں سر ہلایا پھر آہستگی سے بولی "نہیں بتاؤں گی' پوچھو کہ کیوں نہیں بتاؤں گی؟"

"پوچھنے سے پہلے ہی بتا دو۔"

وہ ذرا اور قریب ہو کر سمٹ کر بولی "اس لیے کہ میں نہیں بتاؤں گی تو تمہیں غصہ آتا رہے گا۔ تم مجھ سے جھگڑا کرتے رہو گے' روز یہی ہو گا۔ میں اپنی ضد پر قائم رہوں گی اور تم روز میری پٹائی کرتے رہو گے۔"

"ایسی بھی کیا ضد ہے جان' بتا دو؟"

"میں نے کہہ دیا نا کہ نہیں بتاؤں گی۔"

اس وقت دروازے کے باہر مستری چاچا کی آواز سنائی دی۔ وہ شاید اس کی امی سے کہہ رہے تھے۔ "میں نے تمہیں عالم صاحب کا حکم سنا دیا تھا اس کے باوجود وہ دونوں ایک ساتھ رہ رہے ہیں۔ یہ تو کوئی اچھی بات نہیں ہے۔"

یہ کہتے ہی دروازے پر دستک دینے کی آواز سنائی دی پھر مستری چاچا نے کہا "جانی' دروازہ کھولو' میں کچھ ضروری باتیں کہنے کے لیے آیا ہوں۔"

مستری چاچا کی آواز سنتے ہی رخسانہ کا دل ڈوبنے لگا۔ وہ پہلے ہی جانی سے الگ ہو کر دور چلی گئی تھی۔ جانی بھی اٹھنے لگا۔ رخسانہ نے کہا "دیکھو جانی' میری ایک بات مانو گے۔"

جانی نے کہا "تم میری کون سی بات مان لیتی ہو۔ ابھی اس بات کا جواب دے دو میں تمہاری بات مان لوں گا۔"

"ابھی وہ بات نہ اٹھاؤ' میں اس وقت تم سے ایک بہت ضروری التجا کر رہی ہوں۔"

"کیا بات ہے؟"

"تم ابھی مستری چاچا سے کوئی بات نہ کرو۔ ان سے کہہ دو کہ تم دو دن سے بیمار ہو۔ اور اس قابل نہیں ہو کہ ان سے کسی مسئلے پر گفتگو کر سکو۔ تم یہاں لیٹ جاؤ۔ میں چادر

اوڑھا دیتی ہوں۔ مستری چاچا سے میں نمٹ لوں گی۔"

"ایسی کیا بات ہے کہ میں مستری چاچا سے بات نہ کروں۔ وہ آخر کس مسئلے پر بات کریں گے؟"

"جو بھی مسئلہ ہو' جو بھی بات ہو تم بیماری سے اٹھے ہو تمہیں زیادہ بات نہیں کرنا چاہیے۔ تم لیٹ جاؤ۔"

"واہ اچھی زبردستی ہے۔ ابھی تو میں ٹیکسی لے کر باہر جا رہا تھا اور اتنی جلدی پھر میری طبیعت خراب ہو گئی۔ تم کیسی ڈاکٹرنی ہو۔ صحت مند کو مریض بنائے دے رہی ہو۔"

یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف جانے لگا۔ دروازے پر پھر دستک ہو رہی تھی۔ رخسانہ دوڑتے ہوئے آئی اور اس کے سامنے دونوں ہاتھ پھیلا کر دیوار بن کر کھڑی ہو گئی۔ "جانی' تم میری اتنی سی بات نہیں مانو گے؟"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آج تم مجھے مستری چاچا سے باتیں کرنے سے کیوں روک رہی ہو؟"

"بس روک رہی ہوں۔ میرا تم پر حق ہے اس لیے میری بات مان لو۔"

"معلوم ہوتا ہے دو دن سے جو راز تم مجھ سے چھپا رہی ہو' اس کا تعلق یا تو مستری چاچا سے ہے یا پھر مستری چاچا تمہارے رونے کی وجہ جانتے ہیں اور مجھے بتانے آئے ہیں۔ چلو ہٹو' میں تمہاری ایک نہیں سنوں گا۔"

وہ اسے ہٹا کر جانا چاہتا تھا مگر وہ پہلے دیوار تھی اب دیوانہ وار ہو گئی۔ بڑی محبت سے وار کیا اور خودداری واری ہونے لگی۔ جانی نے ایک گہری سانس لی۔ شکست خوردہ انداز میں اسے دیکھا پھر کہا "اچھی بات ہے' میں بستر پر لیٹ جاتا ہوں۔ مجھے چادر اوڑھا دو اور مستری چاچا سے جو کہنا چاہو جا کر کہہ دو۔"

وہ پلنگ پر آ کر لیٹ گیا۔ رخسانہ نے اس پر ایک چادر ڈال دی۔ بے چاری اندر سے گھبرائی ہوئی تھی۔ باہر مستری چاچا بار بار دروازے پر دستک دے رہے تھے۔ اسی گھبراہٹ اور پریشانی میں اس نے یہ خیال نہیں کیا کہ جانی جوتوں سمیت بستر پر لیٹا ہوا ہے پھر وہ دروازہ کھول کر باہر جانا چاہتی تھی کہ مستری چاچا دروازے کے آگے دیوار بن

گئے۔ رخسانہ نے کہا "ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے' آپ باہر چلیں۔ میں آپ سے بات کر لیتی ہوں۔"

مستری چاچا کمرے کے اندر گھستے ہوئے بولے "طبیعت کیسے ٹھیک نہیں ہے۔ ابھی میں دروازے کے باہر کھڑا ہوا سن رہا تھا۔ اس گدھے کی آواز دروازے کے باہر آ رہی تھی اور اب چادر اوڑھ کر لیٹا ہوا ہے۔ یہ کیسی طبیعت خراب ہے۔ تم لیڈی ڈاکٹر ہو نا۔ اس بیماری کی حالت میں کیا مریض جوتے پہن کر سوتا ہے؟"

جانی نے فوراً اٹھ کر چادر پھینک کر کہا "واہ مستری چاچا' کیا سوال مارا ہے۔ چلو رخسانہ اب جواب دو۔ میرے پیچھے پڑ گئی تھیں کہ میں بیمار بن جاؤں' ارے یہ مستری چاچا ہیں۔ ان کو کوئی بے وقوف نہیں بنا سکتا' آؤ' چاچا بیٹھو۔ بولو کیا بات کرنے آئے ہو۔"

وہ ایک کرسی پر بیٹھنے لگا۔ رخسانہ کی امی بھی بچے کو گود میں لیے کمرے میں آ گئیں۔ مستری چاچا نے کچھ کہنے سے پہلے رخسانہ کو دیکھا تو اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں اور وہ آنکھیں بڑی خاموشی سے التجا کر رہی تھیں۔ مستری چاچا نے اسے دیکھ کر سر جھکا لیا۔ تھوڑی دیر تک سوچتے رہے پھر جانی کی طرف دیکھ کر کہا "جانی تو مانتا ہے نا کہ میں سمجھ داری کی باتیں کرتا ہوں اور جو مشورہ دیتا ہوں وہ اچھائی کے لیے دیتا ہوں۔"

"یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے چاچا' تم مشورہ دو۔ میں اسے مان لوں گا۔"

"تو پھر سنو' شادی کرنے کے بعد میاں بیوی کو ایک دوسرے سے کچھ عرصے کے لیے الگ بھی رہنا چاہیے۔ تم دونوں کی شادی کو اتنا عرصہ گزر گیا ہے۔ میں نے سنا ہے تم دونوں کبھی ایک دن کے لیے بھی علیحدہ نہیں ہوئے۔ دن کو الگ ہوئے تو رات کو مل گئے۔ رات کو الگ ہوئے تو دن کو مل گئے۔"

جانی نے پوچھا "کیا اس میں کچھ برائی ہے؟"

"برائی نہیں ہے۔ میں یہ سمجھانے آیا ہوں کہ تم کچھ روز کے لیے رخسانہ کو اس کے میکے بھیج دو۔ یہ اپنی امی کے پاس رہے گی۔ کم از کم پندرہ دن تک اس سے نہ ملو۔"

جانی نے کہا "رخسانہ اپنے میکے میں کیوں رہے گی۔ ان کی اماں جان تو میرے گھر میں رہ رہی ہیں۔ اسی گھر کو انہوں نے بیٹی کا میکہ بنایا ہوا ہے اور کون سا میکہ ہوگا؟"

اس کی ساس نے کہا "اے جانی خبردار! میرے بارے میں کوئی بات نہ بولنا۔"

رخسانہ نے کہا "امی! خدا کے لیے خاموش رہیں۔ مستری چاچا کو بات کر لینے دیں۔"

"ارے یہ کیا بات کریں گے۔ تم سب لوگوں نے مجھے بے وقوف سمجھ رکھا ہے' میں ایک ٹیکسی ڈرائیور ہوں۔ گاڑی چلاتے وقت ہر طرف دیکھتا رہتا ہوں۔ ہر بات کا خیال رکھتا ہوں۔ اس وقت بھی میں نے دائیں بائیں دیکھا ہے۔ مستری چاچا کچھ اور کہنے جا رہے تھے لیکن تمہاری آنکھوں میں آنسو دیکھ کر انہوں نے بات بدل دی۔ اب میں یہ پوچھ کر رہوں گا کہ تم مجھ سے پندرہ دن کے لیے کیوں دور رہو گی؟ کیوں اپنی ماں کے گھر جا کر رہو گی؟ میں تو تمہیں اپنے سے دور نہیں کروں گا اور نہ ہی جانے کی اجازت دوں گا۔"

مستری چاچا نے کہا "جانی' میں تجھ سے کہتا ہوں۔ کیا میرا حکم نہیں مانے گا؟"

"چاچا' اس حکم کے پیچھے جو بات ہے وہ مجھ سے نہ چھپاؤ' چھپاؤ گے تو میں نہیں مانوں گا۔"

مستری چاچا نے رخسانہ کی طرف دیکھا۔ رخسانہ نے نظریں جھکالیں۔ جانی نے غصے سے کہا "رخسانہ تمہاری یہ خاموشی مجھے زہر لگ رہی ہے۔ جی چاہتا ہے ابھی تمہارا گلا دبادوں۔ تم مجھے کیوں غصہ دلا رہی ہو؟"

رخسانہ کی امی نے کہا "بھائی صاحب' یہ آپ کے آنے سے پہلے میری بیٹی کو مار رہا تھا۔ یہ انسان سے درندہ بن گیا ہے۔ خدا کے لیے آپ اسے سمجھائیں' عورت پر ہاتھ اٹھانا مردانگی نہیں ہے۔"

جانی کچھ کہنے جا رہا تھا۔ مستری چاچا نے ہاتھ اٹھا کر کہا "تم بالکل خاموش رہو' میں بول رہا ہوں۔ دیکھو بہن' بات جب ایک جھوٹ سے شروع ہوتی ہے تو اس کے بعد ہزار جھوٹ بولنے پڑتے ہیں اور بہت سی ایسی باتیں ہوتی ہیں جو شریفوں کے لیے ناقابل برداشت ہوتی ہیں۔ رخسانہ کے ساتھ مارپیٹ کی نوبت بھی شاید اسی سلسلے میں آئی ہو۔ بہرحال اب میں بات چھپانا نہیں چاہتا اس لیے جانی تم سن لو۔"

اچانک ہی رخسانہ ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر رونے لگی۔ جانی نے اس کی طرف

دیکھا تو وہ دوسری طرف گھوم گئی۔ اس نے مستری چاچا سے کہا "یہ ایسے ہی روتی رہے گی' اس کی پروا نہ کرو۔ جو بول رہے تھے' بولتے رہو۔ میں سن رہا ہوں۔"

مستری چاچا نے رخسانہ کی طرف ہمدردی سے دیکھا' نظریں جھکا کر تھوڑی دیر تک کچھ سوچا پھر کہنے لگے "بات اصل یہ ہے کہ میں اور رخسانہ کی امی ایک عالم دین کے پاس گئے تھے۔ تمہاری اور رخسانہ کی جو شادی ہوئی ہے' اس کے بارے میں مجھے شک ہے' وہ شک میں دور کرنا چاہتا تھا۔"

جانی نے پوچھا "کیسا شک؟ ذرا صاف صاف بولو۔"

"یہی کہ شادی سے پہلے تم سے جھوٹ بولا گیا فرزانہ کو دکھایا گیا اور رخسانہ سے نکاح پڑھایا گیا۔ ایسے جھوٹ اور فریب کے ساتھ تم لوگوں کا نکاح درست ہے یا نہیں۔ ہم یہی معلوم کرنے گئے تھے۔"

"پھر؟" جانی انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

مستری چاچا نے کہا "دراصل ہم جن کے پاس گئے تھے' وہ عالم دین نہیں مولوی صاحب ہیں۔ وہ اپنی طرف سے کوئی فیصلہ سنانا نہیں چاہتے۔ وہ چار علمائے دین سے مشورہ کرنے کے بعد ہمیں فیصلہ سنائیں گے۔ اس وقت تک کے لیے انہوں نے کہا ہے کہ احتیاطاً ایسے میاں بیوی کو ایک دوسرے سے دور رہنا چاہیے۔"

تھوڑی دیر کے لیے کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ مستری چاچا اور رخسانہ کی امی' جانی کو دیکھنے لگے۔ خاموشی بڑھ گئی تو رخسانہ نے بھی چہرے سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے گھوم کر جانی کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اب وہ جواباً کیا کہے گا؟ کیا فیصلہ سنائے گا۔ کیا اس فیصلے کو مان لے گا کہ میاں بیوی کو الگ رہنا چاہیے؟

جانی نے رخسانہ کی طرف دیکھا پھر پلنگ پر بیٹھتے ہوئے کہا "ہوں تو تم اس لیے دو دنوں سے چھپ چھپ کر رو رہی تھیں۔ تمہاری جیسی جھوٹی اور فریبی عورت کا یہی انجام ہونا چاہیے جو عورت اپنے مرد سے باتیں چھپاتی ہو اسے اپنے مرد سے الگ ہی رہنا چاہیے؟"

"نہیں نہیں۔" کہتے ہوئے دوڑ کر جانی کے پاس آئی پھر اس کے قدموں سے لپٹ کر بیٹھ گئی۔ "میں نہیں جاؤں گی' میں تم سے الگ نہیں ہو سکتی' تمہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں

گی۔"

"کوئی بات نہیں، تم یہاں رہو۔ یہ مکان اور پلاٹ سب کچھ میں نے تمہارے نام لکھ دیا ہے۔ میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

وہ انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولی "یہ مکان تمہارے دم سے ہے۔ تم نہیں رہو گے تو میں یہ مکان لے کر کیا کروں گی۔ میں تمہیں نہیں جانے دوں گی۔ تم جاؤ گے تو میں تمہارے پیچھے یہاں سے نکل جاؤں گی۔ جہاں تم بھٹکو گے، وہاں میں بھی تمہارے ساتھ سائے کی طرح رہوں گی۔ جانی تم نے تو زبان دی ہے کہ مجھے کبھی نہیں چھوڑو گے۔"

"ہاں، میں نے ضرور زبان دی ہے لیکن جب قانونی طور پر اور مذہبی طور پر ہمیں الگ کرنے کا فیصلہ سنایا جائے گا تو اس کے آگے میں یا تم کیا کر سکتے ہیں؟ ہمیں تو حکم ماننا پڑے گا۔ جو غلطی تم نے یا تمہارے ماں باپ نے کی ہے، اس کی سزا صرف تمہیں ہی نہیں مجھے بھی ملے گی۔ میں تم سے اور بچے سے الگ نہیں ہونا چاہتا۔ یہ علیحدگی جو ہو رہی ہے، اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کے پیچھے کس کی مکاریاں، کس کا جھوٹ اور فریب ہے یہ بولنے کی اب ضرورت تو نہیں رہی پھر مجھے الزام دیتی ہو کہ میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔"

مستری چاچا نے کہا "مذہبی، قانونی اور تہذیبی پابندیوں کے بغیر ازدواجی زندگی نہیں گزاری جا سکتی۔ جو ان پابندیوں کے خلاف ایسی زندگی گزارتے ہیں، وہ ناجائز ہوتی ہے۔"

رخسانہ غصے سے تلملا کر کھڑی ہو گئی۔ مستری چاچا کی طرف دیکھ کر اور مٹھیاں بھینچ کر بولی "مستری چاچا، آپ میری زندگی برباد کر رہے ہیں۔ میرے بسے بسائے گھر کو اجاڑ رہے ہیں۔ آپ کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ آپ گڑے مردے اکھاڑتے؟ ہم سکون سے ہنستے بولتے زندگی گزار رہے تھے لیکن آپ کو یہ اچھا نہیں لگا۔ آخر آپ کی بھی تو بیاہی ہوئی بیٹیاں ہیں، ان کے ساتھ کوئی ایسی زیادتی کرے گا، ان کی زندگی برباد کرے گا، ان سے ان کے شوہروں کو چھینے گا تو آپ کے دل پر کیا گزرے گی؟"

"بیٹی، ہمارے یہاں اللہ نہ کرے ایسی نوبت آئے۔ ہم نے شریعت کے مطابق خوب سوچ سمجھ کر، چھان بین کرنے کے بعد لڑکے والوں نے ہمیں سمجھنے کے بعد، ہم نے لڑکے والوں کو سمجھنے کے بعد شادیاں کی ہیں۔ میری جو بیٹیاں بیاہی گئی ہیں ان پر کوئی آنچ

نہیں آئے گی کیونکہ سانچ کو آنچ نہیں لگتی۔ یہ آنچ تمہیں لگ رہی ہے میں پھر سمجھاتا ہوں، زیادہ پریشان ہونے کی بات نہیں ہے۔ اللہ نے چاہا تو تم دونوں پھر ازدواجی زندگی گزارو گے۔ صرف پندرہ دن کی بات ہے، پندرہ دنوں کے لیے تم اپنے میکے چلی جاؤ۔ جانی کو یہاں چھوڑ دو۔ انشاء اللہ جب یہ پندرہ دن گزر جائیں گے تو کوئی اچھا ہی فیصلہ سننے میں آئے گا۔"

"نہیں چاچا، مجھے بہلایا نہیں جا سکتا۔ ایک بات میں جانتی ہوں کہ مذہبی پابندیاں بہت سخت ہوتی ہیں۔ پہلے ہی سے سمجھایا جاتا ہے کہ جھوٹ مت بولو، دھوکا مت دو، مذہب کو پردہ نہ بناؤ اور اس پردے کے پیچھے مکاریاں نہ کرو۔ جب سمجھائے جانے کے باوجود بھی ہم ایسا کرتے ہیں تو پھر معافی کی گنجائش نہیں نکلتی۔ مذہبی قانون میں کوئی لچک نہیں ہوتی، اگر لچک ہو جائے تو آئندہ بھی غلطیوں کے لیے خطاؤں کے لیے راستے ہموار ہوتے ہیں، یہ سوچ کر کہ آگے چل کر معافی مل جائے گی۔"

"جب تم ایسا سمجھتی ہو تو پھر تم اور تمہارا والدین نے غلطی کیوں کی؟"

رخسانہ نے اپنے چہرے کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا "چاچا، اس چہرے کو دیکھیے، اگر آپ کی بیٹی کا چہرہ اس طرح بگڑ جاتا تو میں اس وقت پوچھتی کہ آپ اپنی بیٹی کو کس طرح سہاگن بناتے۔ جب آپ کے گھر میں رشتہ مانگنے والے آتے اور آپ کی بیٹی کو نفرت سے دیکھ کر واپس چلے جاتے اور آپ کی بیٹی کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو جاتی جس کے لیے ڈاکٹر یہ فیصلہ سنا دیتے کہ اس کا علاج شادی ہے تب آپ کیا کرتے۔ مستری چاچا، آپ گیراج کے مالک ہیں۔ بگڑی ہوئی گاڑیوں کو بناتے ہیں لیکن آپ اپنی بیٹی کے بگڑے ہوئے چہرے کو کیسے بناتے؟ کیا آپ کا کام پوری ایمانداری سے چلتا ہے؟ کیا گاڑیوں کے پرزے گیرج میں بدلے نہیں جاتے؟ معمولی پرزے لگا کر اچھی کوالٹی کی قیمت وصول نہیں کی جاتی؟ کیا گاڑی کو اس انداز میں ٹھیک نہیں کیا جاتا کہ وہ دوبارہ جلد ہی مرمت کے لیے آئے اور آپ پھر سے پیسے بنائیں؟ بے ایمانی زندگی کے کس شعبے میں نہیں ہوتی۔ جہاں اپنی گاڑی رکتی ہے، وہاں لوگ بے ایمانی سے دھکا دے کر اس گاڑی کو آگے بڑھا دیتے ہیں۔"

"بیٹی، اپنا غصہ اتارنے کے لیے مجھے جو بھی الزام چاہو دو لیکن میں جانتا ہوں اور

میرا خدا جانتا ہے کہ میں اپنے کاموں میں بے ایمانی نہیں کرتا۔"

جانی نے کہا "ارے' ارے چاچا' کیوں جھوٹ بولتے ہو' میں تمہارے سامنے بیٹھا ہوا ہوں۔ کیا میں گیراج کا دھندا نہیں جانتا۔ یہ رخسانہ تو بہت حد تک صحیح بول رہی ہے۔ کیا تم میرے سامنے چھوٹو سے کبھی وھیل کیپ کبھی گاڑی کے دوسرے پرزے سستے داموں نہیں خریدتے؟"

"خریدنے سے کیا ہوتا ہے۔ وہ مال لاکر بیچتا ہے اور میں خرید لیتا ہوں۔"

"حالانکہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ چھوٹو گاڑی کے پرزے چرایا کرتا ہے۔"

"وہ چوری کرے' بے ایمانی کرے' مجھے اس سے کیا۔ میں تو قیمت دے کر اس سے مال خریدتا ہوں۔"

رخسانہ نے ایک قدم آگے بڑھ کر کہا "آپ چھوٹو کی بے ایمانی اور چوری کو اس لیے نظرانداز کرتے ہیں کہ آپ کو اس کے ذریعے سستا مال ملتا ہے اور آپ میری ایک چھوٹی سی بے ایمانی کو' جھوٹ کو نظرانداز نہیں کر رہے کیونکہ آپ کو مجھ سے یا میرے خاندان والوں کی طرف سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہا ہے۔ بتایئے چھوٹو کے مال کو آپ کتنے میں خریدتے ہیں اور میرے جھوٹ کو چھپانے کے لیے آپ کتنی رقم چاہتے ہیں؟"

مستری چاچا اچھل کر کھڑے ہو گئے "کیا تم مجھے ایمان فروش سمجھتی ہو۔"

جانی نے کہا "ارے چاچا' اپنی باری آئی تو غصے میں کیوں اچھل رہے ہو۔ آرام سے بیٹھ کر باتیں کرو۔ کچھ تو میں بھی تمہارے کاروبار کے بارے میں جانتا ہوں۔ خواہ مخواہ قسم کھانے سے اور اپنے آپ کو پورا ایمان دار بولنے سے تو بات نہیں بنے گی۔ رخسانہ کی بات مان لو۔ یہ ٹھیک کہتی ہے کہ بے ایمانی سب کرتے ہیں۔ تھوڑا بہت جھوٹ ہر آدمی اپنی زندگی میں بولتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ بہت سے لوگ جھوٹ بول کر بھول جاتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے کبھی کسی معاملے میں جھوٹ نہیں بولا۔"

رخسانہ نے کہا "ہم سب لوگوں میں یہ کمزوری ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ تھوڑی سی بے ایمانی کرکے اور زیادہ ایمانداری دکھا کر اس بے ایمانی پر مٹی ڈال سکتے ہیں۔ اسے دنیا والوں سے چھپا سکتے ہیں بلکہ آپ جیسے لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ آپ نے اس بے ایمانی کو خدا سے چھپا لیا ہے۔ اسی لیے آپ نمازیں پڑھتے ہیں' دوسری نیکیاں کرتے ہیں' محتاجوں

کو خیرات دیتے ہیں' دوسروں کے کام آتے ہیں اور اس طرح سمجھتے رہتے ہیں کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو خوش کر دیا ہے۔ یہ آپ کی خوش فہمی ہے۔ میری بھی یہی خوش فہمی ہے کہ میں نے جانی سے جو جھوٹ کہا جس طرح دھوکا دیا' اس کے بعد میں دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتی رہی۔ میں نے نماز پڑھنا بھی شروع کر دیا اور میں منتیں مانگتی ہوں کہ فلاں مزار پر جا کر چادر چڑھاؤ گی۔ بہرحال بات یہاں آکر ٹھہرتی ہے کہ اگر میرا نکاح ناجائز ہے تو آپ کی آمدنی بھی حلال نہیں ہے۔ آپ برسوں سے اپنے بیوی بچوں کو حرام کی کمائی کھلا رہے ہیں۔"

یہ جھوٹ ہے۔" مستری چاچا نے تن کر کہا "کوئی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ میں بے ایمانی کرتا ہوں۔ میں صاف ستھرا کاروبار کرتا ہوں۔ میرے گاہک مجھ سے خوش رہتے ہیں۔ مجھ پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا ہے مگر تم لوگوں پر ناظم آباد والا پورا محلہ انگلی اٹھا سکتا ہے۔ میں ثابت کر سکتا ہوں کہ تم لوگوں نے جانی کے ساتھ بے ایمانی کی ہے۔ جھوٹا نکاح پڑھایا ہے اور جانی خود اس بات کا گواہ ہے۔"

جانی نے دونوں ہاتھ اٹھا کر انکار کے انداز میں کہا "دیکھو چاچا' مجھ کو بیچ میں نہ ڈالو۔ اگر میری بات پوچھو گے تو میں کسی کی طرف داری نہیں کروں گا۔ اگر میں یہ کہوں گا کہ رخسانہ نے واقعی مجھ سے جھوٹ کہا اور دھوکا دیا ہے تو دوسری طرف یہ بھی کہوں گا کہ تم اپنے کاروبار میں بے ایمانی کرتے ہو۔ میں خود ٹیکسی کا میٹر تیز کرتا ہوں اور دوسری بے ایمانیاں کرتا ہوں۔ چاچا مان لو کہ ہم سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔"

مستری چاچا نے اس کی طرف سے منہ پھیر کر رخسانہ کو دیکھا پھر ان دونوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے کمرے سے باہر جانے لگے۔ دروازے کے پاس پہنچ کر انہوں نے کہا "دیکھو' میں تم دونوں کے منہ نہیں لگنا چاہتا۔ جتنی تم لوگوں کی عقل ہے ویسی ہی باتیں کرتے ہو۔ اپنے جرم کو چھپانے کے لیے مجھے بھی مجرم ثابت کرنا چاہتے ہو۔ بہرحال جانے سے پہلے میں اتنا کہہ دوں کہ ابھی پندرہ دن کا وقت ہے۔ تم لوگ غور کرو اور کسی اچھے نتیجے پر پہنچو۔ میں رخسانہ کا دشمن نہیں ہوں۔ بس یہ چاہتا ہوں کہ اگر یہ ناجائز ازدواجی زندگی ہے تو اسے جائز بنایا جائے' اگر یہ نکاح غلط ہے تو دوبارہ نکاح پڑھانے کی گنجائش پیدا کی جائے۔ ہم مذہب کو زیادہ نہیں سمجھتے' ہمارے علما سمجھتے ہیں اور ہم انہی

سے مشورہ لے کر اپنی بگڑی بنا سکتے ہیں۔ بہرحال میں اب پندرہ دن کے بعد تم لوگوں سے ملوں گا۔"

وہ چلے گئے۔ رخسانہ جانی کا منہ تکنے لگی۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھ کر سگریٹ سلگانے لگا پھر اطمینان سے اس کے کش لگانے لگا۔ رفتہ رفتہ وقت گزر رہا تھا۔ وہ اس کے سامنے کھڑی ہوئی انتظار کر رہی تھی۔ اس کی طرف سے کچھ سننا چاہتی تھی۔ اس کی امی بچے کو لے کر کمرے سے باہر چلی گئی تھیں پھر اس نے کہا "تمہاری خاموشی سے مجھے گھبراہٹ ہو رہی ہے۔ کچھ بولو؟"

"کیا بولوں؟"

"اس کے متعلق جو مستری چاچا بول کر گئے ہیں۔"

"کیا بول کر گئے ہیں؟"

"تم انجان کیوں بن رہے ہو۔ کیا ابھی سن نہیں رہے تھے خود جواب بھی دے رہے تھے۔ مجھے بتاؤ کہ ہمارا کیا ہوگا؟ کیا ہم پندرہ دنوں کے لیے الگ ہو جائیں گے؟ نہیں جانی! کبھی ایسا فیصلہ نہ کرنا۔"

"تمہاری مرضی ہے۔ اگر تم مجھے چھوڑنا نہیں چاہتی ہو، پندرہ دن کے لیے بھی الگ نہیں ہونا چاہتیں تو میں الگ کیوں کروں گا۔ ٹھیک ہے ہم یہاں رہیں گے۔"

وہ جلدی سے پاس آکر بولی "سچ کہو تم مستری چاچا کی باتوں کی پروا نہیں کرو گے نا؟"

"دیکھو رخسانہ، میں بہت زیادہ پڑھا لکھا اور بہت زیادہ سمجھ دار نہیں ہوں۔ میری چھوٹی سی بات سمجھ میں یہی آتی ہے کہ مجھے تمہیں نہیں رلانا چاہیے۔ اگر کسی کے آنسو پونچھنا نیکی ہے تو میں یہ نیکی ضرور کروں گا اور تم سے دور نہیں جاؤں گا۔"

رخسانہ کی آنکھوں سے اس بار خوشی کے آنسو بہنے لگے۔ جانی نے اٹھ کر اس کے قریب ہوتے ہوئے کہا "اب آنسو پونچھنے کا مطلب یہ تو نہیں کہ تم بات بات پر رونا شروع کر دو۔"

وہ نڈھال سی ہو کر اس پر اپنا سارا بوجھ ڈالتے ہوئے بولی "جانی یہ تقدیر بھی عجیب ہے۔ ادھر کئی دنوں سے تھوڑی دیر کے لیے رلاتی ہے پھر ہنساتی ہے پھر رلاتی ہے پھر ہنساتی ہے۔ مستری چاچا یہ مسئلہ اٹھا کر مجھے رلاتے رہے ہیں اور جب تمہارے پاس آتی

ہوں تو تم اپنے وعدوں سے، اپنی باتوں سے، اپنی محبتوں سے مجھے ہنسا دیتے ہو۔ ایمان سے کہتی ہوں کہ تمہارے جیسا شوہر بہت کم خوش نصیب عورتوں کو ملتا ہے۔ مرد کی شان یہی ہے کہ وہ اپنی عورت کے نہ صرف آنسو ہی پونچھے بلکہ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی لے آئے اور تم ایسے ہی ہو۔"

"تم نے مرد کی شان بتا دی۔ عورت کی شان کیا ہے؟ یہی کہ مرد سے بار بار جھوٹ بولے، اسے دھوکا دے، مرد کے دکھ سکھ میں شریک ہو اور اپنے دکھ میں اسے شریک نہ کرے، جس مسئلے کو میاں بیوی مل جل کر سلجھاتے ہیں۔ اسے خود ہی چھپ چھپ کر، رو رو کر سلجھانے کی کوشش کرے۔"

"جانی مجھے اور شرمندہ نہ کرو۔"

"تم شرمندہ ہو۔ جب پہلی بار دلہن بن کر آئیں، مجھ سے جھوٹ بولا۔ تب بھی شرمندہ تھیں اور اب جو باتیں چھپا رہی تھیں تو اب بھی شرمندہ ہو اور آئندہ بھی شرمندہ ہوتی رہو گی۔"

"نہیں نہیں، میں وعدہ کرتی ہوں، قسم کھاتی ہوں۔ اب آئندہ تم سے کبھی جھوٹ نہیں بولوں گی۔ کوئی بات تم سے نہیں چھپاؤں گی۔ میں نے تمہیں بہت اچھی طرح سمجھ لیا ہے جانی، تم تمام دنیا کی مخالفت کر سکتے ہو مگر میرے خلاف کچھ سننا تک نہیں چاہتے۔ مجھے چھوڑنا نہیں چاہتے۔ اب اس یقین کی جڑیں میرے اندر دور تک پھیل گئی ہیں۔"

جانی نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا "میں صبح اٹھ کر ٹیکسی لے کر جانے والا تھا اور اب بارہ بجنے والے ہیں، کیا خاک دہاڑی بنے گی۔"

"میری مانو تو آج نہ جاؤ۔ آج ہم خوب جی بھر کر باتیں کریں گے۔ تم اگر چاہو تو کہیں گھومنے پھرنے جائیں گے۔"

○☆○

وہ دو دنوں سے رخسانہ کے ساتھ وقت گزار رہا تھا۔ خاصی تفریح ہو چکی تھی۔ دماغ میں فوراً یہ بات آئی کہ اسے ٹیکسی چلانا چاہیے۔ کراچی شہر کی شاہراہوں اور گلیوں میں گھومنا چاہیے۔ یہی دماغ نے بھی سوال کیا، ہائے کیوں گھومنا چاہیے۔

اس نے دل کے سوال کو دل میں چھپا لیا۔ دماغ کے سوال کو جواب دیا کہ آمدنی کے

لے باہر جانا چاہیے' ٹیکسی چلانا چاہیے۔ یہ سوچتے ہی اس نے رخسانہ سے کہا "دیکھو' تم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اب یہاں ڈسپنسری کی چار دیواری اٹھے گی' اس لیے آمدنی بڑھانا چاہیے۔ میں اور تم تفریح کریں گے تو آمدنی رک جائے گی۔ اب بولو کیا ارادہ ہے؟"

وہ مسکراتے ہوئے بولی "نہیں' اب میں آئینہ دیکھتی ہوں تو اپنی صورت نہیں دیکھی جاتی۔ میں چاہتی ہوں کہ تمہیں بہت اچھی صورت دکھاؤں اور اس کے لیے واقعی اب ہمیں مستقل مزاجی سے کام کرنا چاہیے۔ ٹھیک ہے' تم جاؤ' شام کو جلدی آنا۔"

وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے کمرے سے باہر نکلے۔ رخسانہ نے کہا "جانی' تمہارے ساتھ چلتے ہوئے ایسا لگتا ہے جیسے میرے سامنے فولاد کی ڈھال ہے۔ اب کہیں سے بھی حملہ ہو' میں اپنے بچے کے ساتھ محفوظ رہوں گی۔"

جانی نے جیب میں ہاتھ ڈال کر رومال نکالتے ہوئے کہا "اس رومال کو اپنے پاس رکھ لو۔ میں ڈھال تو ہوں' رومال بھی ہوں۔ جب باہر ٹیکسی چلاتا رہوں گا تو یہ رومال تمہارے آنسو پونچھتا رہے گا۔"

وہ ناراض ہو کر بولی "تم نے پھر طعنے دیے۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ اب نہیں روؤں گی۔ اب تو میں خود ہنستی رہوں گی۔ اصل بات یہ ہے جانی کہ عورت کو اپنے اوپر اعتماد نہیں ہوتا۔ اپنے اندر یقین نہیں ہوتا کہ اس کا مرد اچھا ہے اور وہ اسے اور اچھا بنا سکتی ہے چونکہ یقین کمزور ہوتا ہے اس لیے مرد کو اچھا بنانے کے بجائے اور بگاڑ دیتی ہے۔ اب میں تم پر کسی قسم کا شبہ نہیں کروں گی اور یقین رکھوں گی کہ مصیبت کی گھڑی میں خدا کے بعد صرف تم ہی میرے رہو گے۔"

وہ ٹیکسی کے پاس آ کر رک گئے۔ جانی نے اگلا دروازہ کھول کر ایک صافی نکالی اور ٹیکسی کو باہر سے صاف کرنے لگا۔ رخسانہ نے کہا "یہ میرا کام ہے' لاؤ میں صفائی کرتی ہوں۔"

"نہیں' عورت کا کام گھر کے اندر صفائی کرنا ہے۔ چلو دوسری صافی اندر رکھی ہوئی ہے۔ تم ٹیکسی کو اندر سے اچھی طرح صاف کر دو۔"

وہ دونوں اپنے اپنے کام میں لگ گئے لیکن رخسانہ نے جب اندر پہنچ کر صافی نکالی تو ڈیش بورڈ کی طرف دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ وہاں لکھا ہوا تھا۔

تم کہاں کہاں ہو گے۔

میں کہاں کہاں ڈھونڈوں

وہ جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ ٹیکسی کے باہر جانی صفائی میں مگن تھا۔ وہ گاڑی کو چاروں طرف سے اچھی طرح پونچھنے کے بعد دروازہ کھول کر اسٹیرنگ سیٹ پر آیا۔ اسے دیکھ کر بولا "ارے تم تو ویسے ہی بیٹھی ہو' اندر صفائی نہیں کی؟"

وہ کچھ نہیں بولی' چپ چاپ بیٹھی رہی۔ جانی نے اس کی آنکھوں میں دیکھا پھر اس کی نظروں کا سہارا لیتا ہوا' ڈیش بورڈ تک پہنچ گیا۔ بات سمجھ میں آتے ہی وہ ایک دم سے سٹپٹا گیا۔ رخسانہ کو دیکھ کر ذرا ہچکچایا پھر جلدی سے بولا "وہ اپنا جھورا پینٹر ہے نا' وہ بڑا زبردست شاعر ہے جس کی گاڑی میں دیکھو کچھ نہ کچھ لکھ دیتا ہے۔ میں نے اس کو منع کیا تھا ایسی ویسی بات نہ لکھنا' وہ کہتا ہے کہ شاعری بہت اچھی چیز ہے۔ شاعری میں ایک ہوتا ہے عشق مجازی اور ایک ہوتا ہے عشق حقیقی۔ اب کوئی اس شعر کو پڑھ کر یہ سمجھے گا کہ میں اپنی محبوبہ کو ڈھونڈ رہا ہوں مگر اس کا مطلب اصل میں یہ ہے کہ خدا کو ڈھونڈ رہا ہوں۔ دیکھو نا' اس میں اوپر لکھا ہے۔ تم کہاں کہاں ہو گے' ہو گے لکھا ہوا ہے نا۔ ہو گی تو نہیں لکھا ہوا تو اس کا مطلب ہو گا کہ خدا کو ڈھونڈ رہا ہوں اور پوچھ رہا ہوں کہ میں کہاں کہاں ڈھونڈوں۔ تم کچھ اور نہ سمجھ لینا۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟"

رخسانہ نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ اس کی نظروں سے ایسا کرب جھانک رہا تھا کہ جانی اس سے آنکھیں نہ ملا سکا' نظریں جھکا کر کچھ دیر سوچتا رہا پھر اس نے گاڑی سے باہر آ کر ڈگی کھولی وہاں ایک پیٹرول سے بھرا ہوا ٹین پڑا ہوا تھا۔ اس نے رومال کے ایک حصے کو پیٹرول میں بھگو دیا۔ اس ڈبے کو بند کر کے ڈگی کو بند کیا پھر واپس آ کر اسٹیرنگ سیٹ پر رخسانہ کے پاس بیٹھ گیا اور پیٹرول سے بھیگے ہوئے رومال کے اس حصے کو ڈیش بورڈ پر رگڑنے لگا۔

رخسانہ چپ چاپ بیٹھی دیکھ رہی تھی۔ وہ شعر آہستہ آہستہ مٹتا جا رہا تھا۔ ڈیش بورڈ کا وہ حصہ بالکل صاف ہو گیا۔ ایک لفظ بھی وہاں نہ رہا۔ اس کے بعد جانی رخسانہ کی طرف گھوم کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا "کیا اب بھی ناراض ہو؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر اس اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی "ڈیش بورڈ سے تو یہ مٹ گیا' تمہارے دماغ سے وہ کیسے مٹے گی؟"

"ایں؟" وہ ذرا ہچکچایا پھر بولا "دیکھو' ابھی تم کہہ رہی تھیں کہ عورت کا یقین کمزور ہوتا ہے۔ اگر وہ پورا یقین رکھے اور اپنے مرد کو سنبھالنے کی کوشش کرے تو مرد اچھا بن کر رہے گا۔ بگڑنے سے بچا رہے گا۔"

وہ تائید میں سر ہلا کر بولی "ہاں' میں ایسے وقت بھول جاتی ہوں۔ میں ہی کیا' تم دنیا کی کسی بھی عورت کے سامنے کسی دوسری عورت کو ترجیح دو گے تو وہ عورت بدحواسی میں ساری دانش مندی بھول جائے گی اور اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے والی بدنصیب عورت کی طرح صرف اپنے مرد کو پکڑنے کی کوشش کرے گی اور دوسری عورت کو گالیاں دے گی۔ اس سے زیادہ سمجھ میں اور کچھ نہیں آتا یا اس وقت کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ تم ٹھیک کہتے ہو' میں تم پر پورا یقین رکھوں گی۔"

"دیکھو رخسانہ' میں ایک ٹیکسی ڈرائیور ہوں' ٹیکسی چلاتا ہوں مگر ہر چوراہے پر رک جاتا ہوں۔ ٹریفک سگنل ہمیں بتاتا ہے کہ کہاں سے مڑنا ہے' کہاں جانا ہے' کون سا صحیح راستہ ہے' کون ساون وے ٹریفک ہے۔ اسی طرح تم میری زندگی میں ایک محبت کا سگنل ہو۔ جب بھی میں بھٹکتا ہوں' رکتا ہوں' سمجھ نہیں سکتا کہ کہاں جانا ہے تو تم مجھے سگنل دے کر محبت کے ون وے ٹریفک پر چلا دیتی ہو' اگر ہمارے درمیان ایسی ہی سمجھ داری رہی تو پھر تمہیں میری طرف سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ کیا میں غلط کہتا ہوں؟"

اس نے مسکرا کر جانی کو دیکھا پھر اپنا سر اس کے شانے پر رکھ دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ رخسانہ سے رخصت ہو کر شہر کی شاہراہوں پر آگیا۔ گاڑی چلانے کے دوران میں اس کی نظریں کبھی کبھی ڈیش بورڈ پر جاتی تھیں جہاں اب کچھ نہیں تھا۔ اب آنکھیں وہاں کچھ نہیں پڑھ سکتی تھیں مگر انسان بڑا ضدی ہوتا ہے' جو بات اس سے چھپاؤ وہ اسے دماغی آنکھوں سے پڑھنے لگتا ہے۔

اس نے گاڑی چلانے کے دوران عقب نما آئینے میں دیکھا۔ اس آئینے میں پوزیشن ایسی تھی کہ اس میں اسے اپنا آدھا چہرہ نظر آرہا تھا۔ آدھا چہرہ جو اپنی بیوی کے لیے تھا' وہ اسے دکھ نہیں دینا چاہتا تھا۔ اسے یہ کہہ کر سزا نہیں دینا چاہتا تھا کہ تم نے جھوٹ کہا'

فریب دیا اور اس لیے فرزانہ کو تلاش کرتا ہوں' اسے چاہتا ہوں اور اس کی محبت کو اپنے دل سے نہیں مٹا سکتا۔

وہ چاہتا تو رخسانہ سے بے دھڑک کہہ سکتا تھا وہ اس سے ڈرتا نہیں تھا۔ ایک مرد کی طرح مار مار کر اس کا کچومر نکال دیتا لیکن اس کا مزاج ایسا نہیں تھا پھر بیوی بچے سے محبت اور مروت کے ساتھ پیش آنا پڑتا ہے تب ہی گھر کے اندر کا ماحول ٹھیک رہتا ہے۔ جانی میں اتنی سوجھ بوجھ تھی اور ایسی سوجھ بوجھ تقریباً ہر انسان میں ہوتی ہے۔ ہر شخص محبت اور مروت کے ساتھ پیش آتا ہے لیکن اس کے لیے اسے اپنے اندر کے آدھے آدمی کو چھپا کر رکھنا پڑتا ہے کیونکہ وہ جو آدھا آدمی ہوتا ہے' وہ خود غرض ہوتا ہے اور اپنے دل کی بات پر چلتا ہے۔

اب وہ رخسانہ سے رخصت ہو کر دل کی شاہراہوں پر چل رہا تھا۔ مختلف سواریوں کو ان کی منزلوں پر پہنچا رہا تھا۔ اس دوران میں اسے ایک پرانی فلم کا ایک منظر یاد آیا۔ اس منظر میں چور ایک محل میں گھس کر چوری کر رہا تھا' اس وقت صبح کی اذان ہوئی۔ چور نے مال کو ایک طرف رکھ کر صبح کی نماز پڑھنا شروع کی۔ شہزادی کی آنکھ کھل گئی اس نے حیرانی سے اسے نماز پڑھتے دیکھا پھر نماز پوری ہونے کے بعد سوال کیا۔ تم چوری بھی کرتے ہو اور نماز بھی پڑھتے ہو تب چور نے جواب دیا "چوری میرا پیشہ ہے اور نماز میرا فرض۔"

چور کی بات بڑی مضحکہ خیز تھی۔ نماز پڑھنے والوں کو بھی یہ بات بری محسوس ہوئی۔ کتنے ہی لوگوں نے اس پر اعتراض کیا۔ ایک عام خیال کے مطابق چور کی یہ بات محض بکواس تھی لیکن یہ ایک بات انسانی فطرت کو آئینہ دکھاتی ہے کہ آدمی آدھا ادھر ہوتا ہے' آدھا اُدھر ہوتا ہے۔ آدھا ایمان دار ہوتا ہے' آدھا بے ایمان ہوتا ہے۔ آدھا اپنی بیوی کا فرمانبردار شوہر ہوتا ہے' آدھا اپنی محبوبہ کا سچا عاشق ہوتا ہے۔

سہ پہر کو کریم آباد سے گزرتے ہوئے وہ جھورا پینٹر کے پاس پہنچ گیا۔ جھورے نے ڈیش بورڈ دیکھ کر پوچھا "یہ کیا ہوا؟"

"بس کچھ نہ پوچھو' اب ایک ہی تدبیر سمجھ میں آتی ہے ایک اچھے سے سفید کاغذ پر وہی شعر لکھ دو۔ میں جب صبح ٹیکسی لے کر باہر نکلوں گا تو اس کاغذ کو ٹیپ سے یہاں ڈیش

بورڈ پر چپکا دوں گا اور جب شام کو گھر جاؤں گا تو اسے لپیٹ کر ڈگی میں چھپا دیا کروں گا۔"

فرزانہ کی امی مہمان عورتوں کی خاطر مدارات میں لگی ہوئی تھیں' وہ بہت خوش تھیں۔ وہ عورتیں فرزانہ کے لیے بہت ہی اچھا رشتہ لے کر آئی تھیں۔ لڑکا امریکا میں تھا اور بہت بڑا ڈاکٹر تھا۔ ہارٹ سرجری کا ماہر تھا۔ فرزانہ کے ساتھ خوب جوڑی رہتی۔

فرزانہ اس وقت موجود نہیں تھی' کہیں گئی ہوئی تھی۔ اس کی امی سوچ رہی تھیں جیسے بھی ہو گا' وہ اب اپنی بیٹی کو شادی کے لیے ضرور راضی کرلیں گی۔ وہ اپنی محبت کا' اپنی ممتا کا' اپنے بڑھاپے کا اور اس کے مرحوم والد کی عزت کا اور ان کی روح کی بے قراری کا واسطہ دے کر بیٹی کو کسی نہ کسی طرح شادی کرنے پر مجبور کردیں گی۔ سر سے ایک بڑا بوجھ اتر جائے گا۔ زندگی میں پیش آنے والا المیہ ختم ہوجائے گا پھر جانی جو اس گھر پر آسیب کی طرح چھایا ہوا ہے' ہمیشہ کے لیے غائب ہوجائے گا۔

ایک مہمان خاتون نے کہا "فرزانہ کو دیکھے ہوئے کتنے ہی برس گزر گئے۔ اب تو اچھی اونچی پوری ہو گئی ہو گی۔"

فرزانہ کی امی نے مسکراتے ہوئے کہا "ہاں! بہن' اللہ کا کرم ہے۔ اچھی صورت بھی ہے اور اچھی سیرت بھی۔ میں تو اسے دیکھ دیکھ کر جیتی ہوں۔"

وہ سب ناشتا کرنے میں مصروف تھیں۔ کوئی نمکین کھا رہی تھی' کوئی مٹھائی چکھ رہی تھی اور کوئی چائے کی چسکیاں لے رہی تھیں۔ ایک لڑکی نے اپنے دوپٹے کو سنبھالتے ہوئے اپنی امی سے کہا "امی' اس وقت تو میں بہت چھوٹی تھی۔ فرزانہ باجی کو دیکھا ہو تو اب یاد نہیں آرہا ہے۔ آئیں گی تو دیکھوں گی ضرور۔"

فرزانہ کی امی نے کہا "وہ آتی ہی ہو گی۔"

دوسری لڑکی نے اپنی بہن سے کہا "باجی' فرزانہ باجی کا نام سن کر مجھے اخبار کی وہ خبر یاد آگئی۔ ایک نیم پاگل ڈرائیور نے اسپتال میں بڑا ہنگامہ کیا تھا۔ کسی لیڈی ڈاکٹر فرزانہ کو پریشان کر رہا تھا۔ پولیس والے اسے پکڑ کر لے گئے۔ جب امی نے ہماری اس باجی فرزانہ کا ذکر کیا تو میں سمجھی' کہیں یہی باجی نہ ہوں۔ یہ بھی لیڈی ڈاکٹر ہیں نا؟"

دروازے پر فرزانہ کی آواز سنائی دی "تم نے ٹھیک ہی سمجھا تھا۔ میں وہی لیڈی

ڈاکٹر فرزانہ ہوں جس کے لیے ایک ٹیکسی ڈرائیور نے ہنگامہ کیا تھا۔"

وہ سب ناشتا چھوڑ کر اسے دیکھنے لگیں۔ اس کی امی بھی پریشان ہو گئیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ فرزانہ آتے ہی بات بگاڑ دے گی۔ وہ جلدی سے زبردستی مسکراتے ہوئے بولیں "یہ میری بیٹی ہے۔ اسے مذاق کرنے کی عادت ہے۔ آؤ بیٹی' ان سے ملو۔"

وہ تیزی سے آگے بڑھ کر فرزانہ کے قریب پہنچتے ہی آنکھوں سے اشارے کرنے لگیں' التجا کرنے لگیں' ان کی آنکھیں زبان بن گئی تھیں۔ انہوں نے اپنے مہمانوں کی طرف پیٹھ کرتے ہوئے بیٹی کی طرف خاموشی سے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ فرزانہ نے آگے بڑھ کر ان کے دونوں ہاتھوں کو محبت سے تھام لیا پھر انہیں چوم کر کہا "امی! جھوٹ اور فریب کبھی راس نہیں آتا۔ اس کی مثال ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ جو بات ہو وہ صاف اور کھری ہو۔ میں اپنے مہمانوں سے جو سچ ہے وہ کہتی ہوں اور سچ یہ ہے کہ میں وہی لیڈی ڈاکٹر فرزانہ ہوں جس کے لیے ایک شخص دیوانہ وار اسپتال میں ہنگامہ کرتا رہا اور پھر تھانے پہنچ گیا۔"

وہ عورتیں پہلے تو اسے بے یقینی سے دیکھ رہی تھیں پھر ایک نے اٹھ کر پوچھا "تم سچ کہہ رہی ہو؟"

"میں جھوٹ کیوں بولوں گی۔ اگر جھوٹ بولوں گی تو بعد میں یہ بات کھل جائے گی۔ اس وقت جو بات بگڑے گی' ہم اسے بنا نہیں سکیں گے اور ابھی بگڑ جائے تو آپ کا کچھ بگڑے گا نہ میرا۔"

دوسری خاتون نے پوچھا "بیٹی' قصہ کیا ہے۔ وہ شخص تمہیں اسپتال میں پریشان کیوں کر رہا تھا۔"

فرزانہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ان عورتوں کے قریب آئی اور پھر ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی "ایک دوسرے سے حالات کو سمجھنے کے بعد جو رشتہ ہوتا ہے' وہ مستحکم ہوتا ہے۔ اگر ہمارے حالات آپ کی سمجھ میں نہ آئے اور رشتہ نہ ہو تو دونوں صورتوں میں دونوں کا بھلا ہو گا۔ اس لیے میں بتا دیتی ہوں' سننا اور سمجھنا آپ کا کام ہے۔ میری ایک سہیلی رخسانہ تھی جو ہمارے پڑوس میں رہا کرتی تھی۔"

ایک لڑکی نے کہا "میں جانتی ہوں' اس کا آدھا چہرہ بگڑ گیا ہے۔"

فرزانہ نے کہا "ہاں وہی' اس کے بگڑے ہوئے چہرے کو دیکھ کر کوئی بھی رشتہ مانگنے نہیں آتا تھا۔ وہ بن بیاہی بیٹھی ہوئی تھی اور دماغی مریضہ بن گئی تھی۔ اس کا علاج ایک ہی تھا کہ کسی طرح اس کی شادی ہو جائے۔ جب ایمانداری سے اور شرافت سے وہ دلہن نہ بن سکی تو اسے دلہن بنانے کے لیے میں نے بے ایمانی کی۔ شادی سے پہلے میں لڑکے سامنے رخسانہ بن کر گئی اور شادی کے وقت رخسانہ دلہن بن کر اس کے گھر پہنچ گئی۔ اس دن سے اس کا شوہر مجھے تلاش کر رہا ہے' شاید وہ مجھ سے انتقام لینا چاہتا ہے یا شاید اسے میری ہی صورت پسند آگئی ہے' میں نے جو کیا' اچھا کیا یا برا کیا۔ اس کا فیصلہ آپ سب کر سکتی ہیں اور اس کے لیے ضروری نہیں ہے کہ یہاں بیٹھے بیٹھے کوئی فیصلہ سنا دیں۔ آپ اطمینان سے اپنے گھر جائیں۔ میری امی ایک مناسب وقت تک آپ کے فیصلے کا انتظار کریں گی۔"

وہ وہاں سے اٹھ گئی پھر ان لوگوں کو سلام کرنے کے بعد دوسرے کمرے میں آگئی۔ اس نے برقع اتارتے ہوئے سوچا' اب کیا کرے' کیا لباس تبدیل کرے یا بستر پر تھوڑی دیر لیٹ کر آرام کرے۔ اس نے گھڑی دیکھی۔ ابھی ڈسپنسری کھولنے کے وقت میں ایک گھنٹا باقی تھا۔ اس وقت تک وہ آرام کر سکتی تھی۔ برقع اتارنے کے بعد وہ ایک ایزی چیئر پر بیٹھ گئی اور اس کی پشت سے سر ٹکا کر چھت کی طرف تکنے لگی۔

دوسرے کمرے سے عورتوں کی ملی جلی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ان آوازوں سے پتا چل رہا تھا کہ وہ رخصت ہو رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد گہری خاموشی چھا گئی پھر کمرے کا دروازہ کھلا۔ اس کی امی نے آتے ہی پوچھا "کیا بات چھپائی نہیں جاتی؟ کیا دنیا والے اپنے عیب' اپنی غلطیاں نہیں چھپاتے؟"

"چھپاتے ہیں' رخسانہ اور اس کے والدین نے جانی کے ساتھ جو کچھ کیا' اس کا نتیجہ انہیں کیا مل رہا ہے؟ جھوٹ اور فریب کی سزا رخسانہ کو مل رہی ہے۔ کیا آپ چاہتی ہیں کہ میں بھی جھوٹ بول کر اپنے سسرال جاؤں پھر ساری زندگی طعنے سنتی رہوں اور اپنے مجازی خدا کی نظروں میں مشکوک رہوں؟"

"تم محض ایک رخسانہ کی مثال نہ لو۔ انہوں نے کھلا فریب کیا تھا۔ وہ تو ظاہر ہونا ہی تھا ورنہ دنیا میں اور بھی لڑکیاں ہیں جو اپنی عمر چھپاتی ہیں۔ اپنے عیب چھپاتی ہیں۔ ماضی

کی غلطیاں بھی چھپا لیتی ہیں۔ اپنے مرد کو اور اپنے سسرال والوں کو کبھی ان باتوں کی ہوا لگنے نہیں دیتیں۔ بڑے عیش و آرام سے اپنی زندگی گزار لیتی ہیں۔"

"امی! آپ کچھ بھی کہہ لیں۔ حقیقت اپنی جگہ رہے گی۔ جھوٹ ایک بیماری ہے اور میں ایک ڈاکٹر ہوں۔ کسی بھی مرض کی پہلے تشخیص کرتی ہوں۔ دوسروں کو کبھی غلط دوا نہیں دیتی پھر اپنے لیے کوئی غلط نسخہ کیسے لکھ سکتی ہوں؟"

انہوں نے گہری سوچتی ہوئی نظروں سے بیٹی کو دیکھا پھر کہا "تم نے ٹھیک کہا ہے کہ حقیقت اپنی جگہ رہتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ تم جانی کو بھلانا نہیں چاہتیں۔"

"یہ غلط ہے۔" وہ کرسی سے جیسے اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ پاؤں پٹختے ہوئے ماں سے ذرا دور چلی گئی پھر واپس آتے ہوئے بولی "میں نے اپنے دل کو پتھر بنا لیا۔ میں ایسا راستہ تلاش کر رہی ہوں جہاں رخسانہ اور جانی سے کبھی سامنا نہ ہو۔ یہ شہر چھوڑ کر دوسرے شہر چلی جاؤں۔ ہو سکے تو اس ملک سے بھی باہر چلی جاؤں۔"

"جب لڑکی اپنے بابل کا انگنا چھوڑ دیتی ہے تو پھر وہ ایک دنیا سے دوسری دنیا میں چلی جاتی ہے۔ تمہیں کوئی راستہ کیا تلاش کرنا ہے۔ سیدھے سادے انداز میں فیصلہ کر لو کہ شادی کر کے کسی کا گھر آباد کرو گی' یہ ساری الجھنیں خود بہ خود ختم ہو جائیں گی۔"

"بات اتنی سیدھی سادی ہوتی تو پھر رونا کس بات کا تھا۔ میں نے رخسانہ کے لیے ہمدردی کر کے' اس کی زندگی بنا کر' سچ مچ اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی کہ اس کے لیے نیکی کروں گی تو خود بدنام ہو جاؤں گی۔ ادھر ناظم آباد میں جہاں ہم رہتے تھے۔ یہ بات پھیل چکی ہے کہ جانی کو میرا چہرہ دکھایا گیا ہے اور شادی رخسانہ سے کی گئی ہے۔ میں ایک تماشا بن گئی ہوں۔ دوسروں کی گفتگو کا مرکز بن گئی ہوں۔ ہم اس گھر کی چار دیواری میں بیٹھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ بات آئی گئی ہو چکی ہے لیکن یہ بات جتنی دور تک پھیل گئی ہے' ہم اتنی دور تک سوچ بھی نہیں سکتے۔ کیا آپ سوچ سکتی تھیں کہ میرا نام اخبارات تک پہنچ جائے گا؟ ابھی آپ خود ہی ان عورتوں کی زبان سن چکی ہیں پھر آپ کہتی ہیں کہ میں سیدھے سادے انداز میں شادی کا فیصلہ کر لوں' کیسے کر لوں؟"

وہ الماری کے پاس گئی پھر اسے کھول کر اپنے لیے ایک لباس نکالنے لگی۔ اس کے بعد وہاں سے پلٹ کر بولی "میں اگر شادی نہ کروں تب بھی رخسانہ کے سامنے ایک مجرم

کبھی جاؤں گی۔ وہ یہی سمجھے گی کہ میں جانی کے لیے ابھی تک بن بیاہی بیٹھی ہوں۔ میں تو چاروں طرف سے ماری گئی۔ میری نیکی بھی برباد ہو گئی۔ وہ جانی میرا دشمن بن کر مجھے تلاش کر رہا ہے۔ اخبار والوں نے بھی بدنام کیا۔ محلے والے بھی بدنام کر رہے ہیں۔ میں تو کہیں کی نہیں رہی۔"

وہ باتھ روم کا دروازہ کھول کر جانے لگی۔ اس کی امی نے کہا "بیٹی! ہم سے بھی غلطیاں ہوئی ہیں اور ہمیں اس کا نتیجہ مل رہا ہے۔ یہ بات سمجھ میں آگئی ہے کہ جھوٹوں کے ساتھ 'فریب دینے والوں کے ساتھ اگر نیکی کی جائے تو وہ نیکی جرم بن جاتی ہے مگر کسی نہ کسی طرح 'کوئی نہ کوئی راستہ نکالنا ہو گا۔ تم کب تک ایسی زندگی گزارو گی؟"

اس نے جواب دیا "امی! اگر میں ایسی کوئی کہانی لکھتی تو اس کہانی میں سے اپنے کردار کو آسانی کے ساتھ مٹادیتی' جانی اور رخسانہ کی خوش گوار ازدواجی زندگی پر اس کہانی کو ختم کر دیتی لیکن یہ کہانی نہیں جیتی جاگتی حقیقت ہے۔ اگر کہانی ہے تو پھر میں ایک بہت ہی اہم سوال ہوں کہ میرا کیا بنے گا؟ میں گھر کی رہی نہ گھاٹ کی۔ مجھے یا تو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے یا میرا گھر بسا دیا جائے۔ یہ کہانی مجھے کون سے اختتام تک پہنچائے گی؟"

اس نے یہ سوال کیا اور باتھ روم کے دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔

ایک گھنٹے کے بعد وہ اپنی ڈسپنسری میں بیٹھی ہوئی تھی اور مریض عورتوں کو دیکھتے ہوئے ان کے لیے نسخے تجویز کر رہی تھی۔ اس کے چہرے پر سختی اور سنجیدگی تھی۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس عورت کے سینے میں دل نہیں ہے۔ دل ہے تو پتھر ہے جو نہ تو اپنے مریضوں کی تکلیف پر پگھل سکتا ہے اور نہ ہی جانی کے لیے موم ہو سکتا ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک گاڑی آکر ڈسپنسری کے سامنے رکی۔ آواز سنتے ہی اس نے کمپاؤنڈر سے کہا۔ "دیکھو کون آیا ہے؟"

کمپاؤنڈر نے اپنے کیبن کی کھڑکی سے جھانک کر دیکھا پھر کہا۔ "ایک کار آئی ہے۔ شاید کوئی مریضہ ہے۔"

فرزانہ مطمئن ہو کر پھر مریضوں کی طرف متوجہ ہو گئی تھوڑی دیر بعد ایک عورت ایک مرد کے ساتھ ڈسپنسری میں آئی۔ مرد وہیں ویٹنگ روم میں ٹھہر گیا۔ عورت نے اندر آ

کر پوچھا۔

"ہیلو فرزانہ! کیا تم مجھے پہچان رہی ہو؟"

فرزانہ نے آنے والی عورت کو دیکھا۔ تھوڑی دیر تک غور کیا پھر جلدی سے اٹھ کر مسکراتے ہوئے بولی۔ "تم وہی ہو نا جو ایک بار جمشید علی کے ساتھ ہمارے کالج کے ایک فنکشن میں شریک ہوئی تھیں"

وہ سرہلا کر بولی۔ "ہاں میرا نام شہلا ہے اور میں جمشید علی کی کزن ہوں۔ میری ایک سہیلی نے ذکر کیا تھا کہ آج کل تم اورنگی کے اس علاقے میں ڈسپنسری چلا رہی ہو۔ باہر ڈاکٹر ف واسطی کا بورڈ پڑھ کر خیال گزرا کہیں "ف" واسطی سے 'فرزانہ واسطی نہ ہو۔ میں یہ سوچ کر اندر چلی آئی۔"

"اچھا کیا' آؤ یہاں بیٹھو۔"

اس نے کہا۔ "میرے میاں بھی آئے ہیں۔ وہاں ویٹنگ روم میں بیٹھے ہیں۔"

"تو پھر چلو۔ تمہارے میاں کو بھی دیکھ لوں۔"

وہ دونوں وہاں سے ویٹنگ روم میں آئیں۔ شہلا نے اپنے شوہر سے اس کا تعارف کرایا۔ اس کے شوہر نے کہا۔ "ڈاکٹر فرزانہ! مجھے رسمی طور پر یہ کہنا چاہیے کہ آپ سے مل کر خوشی ہوئی ہے لیکن بیویاں یہ برداشت نہیں کرتیں۔"

فرزانہ اور شہلا ہنسنے لگیں۔ اس کے شوہر نے کہا۔ "میرے والد کو حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ اس خوشی میں ہم نے آپس میں مل بیٹھنے اور کچھ کھانے پینے کا انتظام کیا ہے۔ میں آپ سے درخواست کروں گا کہ کل آپ ہمارے ہاں تشریف لائیں۔ میرے والد آپ سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔"

فرزانہ نے کہا۔ "مجھے بھی آپ سے اور آپ کے گھر والوں سے مل کر خوشی ہو گی۔ اگر میں مصروف نہ رہی تو ضرور آؤں گی۔"

شہلا نے کہا۔ "تمہیں تو بہرحال آنا ہی ہو گا۔ جانتی ہو کیوں؟ میرے بھیا جمشید علی کا خط لندن سے آیا ہے۔ جو انہوں نے رخسانہ کو لکھا ہے۔ بہت ہی اہم خط ہے۔ رخسانہ کے چہرے کی پلاسٹک سرجری ہو سکتی ہے۔ میں اس کا ایڈریس نہیں جانتی' کل تم آؤ گی تو وہ خط تمہیں دے دوں گی۔ تم اسے رخسانہ تک پہنچا دینا۔ اتنا تو کر سکتی ہو' نا؟"

فرزانہ کے جی میں آیا، کوئی بہانہ کر دے۔ یہی کہہ دے کہ وہ رخسانہ کا پتا نہیں جانتی ہے لیکن وہ انکار نہ کر سکی۔ وہ خط واقعی اہم تھا۔ رخسانہ اپنے چہرے کی سرجری کرا سکتی تھی پھر فرزانہ کے دماغ سے یہ بوجھ بالکل ہی اتر جاتا اور رخسانہ مکمل ہو جاتی۔

شہلا کے شوہر نے اپنی جیب سے ایک کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ ہمارا ایڈریس ہے۔ ہمیں امید ہے کل آپ ایک بجے سے پہلے ہمارے ہاں پہنچ جائیں گی۔"

فرزانہ نے کارڈ لیتے ہوئے کہا۔ "اچھی بات ہے۔ میں آؤں گی مگر آپ بھی تو گھر کے اندر چل کر بیٹھیں کچھ ٹھنڈا گرم وغیرہ پئیں۔"

شہلا نے کہا۔ "اس وقت تمہارا کوئی تکلف نہیں چلے گا ہم بہت مصروف ہیں۔ ابھی ہمیں دوسرے رشتہ داروں کے ہاں بھی جانا ہے۔ تم پر چائے ادھار رہی۔ ہم کسی اور دن آ کر پی لیں گے۔"

وہ باتیں کرتے ہوئے باہر آئے۔ فرزانہ نے انہیں رخصت کیا پھر ڈسپنسری میں آ گئی۔ تمام مریضوں سے نمٹنے کے بعد اس نے اپنی امی کو بتایا کہ جمشید علی نے لندن سے رخسانہ کو خط لکھا ہے اور اس خط کو رخسانہ تک پہنچانا ہو گا۔

اس کی امی نے پوچھا "یہ جمشید علی کون ہے؟"

"وہی ہے جس کی شرارت کے نتیجے میں میرے ہاتھ سے تیزاب کی بوتل چھوٹ گئی تھی اور رخسانہ کے ساتھ وہ حادثہ پیش آیا تھا۔ اس نے لندن جانے سے پہلے وعدہ کیا تھا کہ اس کے لئے پلاسٹک سرجری کا کورس مکمل کرے گا اور اس کے چہرے کی سرجری کرے گا۔ اس بات کو تقریباً دو برس گزر چکے ہیں۔ اتنے کم عرصے میں وہ پلاسٹک سرجری کا ماہر نہیں بن سکتا مگر اس نے سرجری کے متعلق رخسانہ کو کیا لکھا ہے۔ یہ خط کے ذریعے معلوم ہو گا۔"

"تم وہ خط رخسانہ تک کیسے پہنچاؤ گی؟"

"جانی نے آپ کو کبھی دیکھا نہیں ہے۔ آپ اجنبی عورت بن کر وہاں جائیں گی اور وہ خط رخسانہ کو دیں گی۔"

وہ ناگواری سے بولیں۔ "کیا مصیبت ہے میں جب بھی چاہتی ہوں کہ جانی اور

رخسانہ تم سے دور رہیں۔ تب ہی کوئی نہ کوئی بات ایسی ہو جاتی ہے کہ جانی پھر ہمارے راستے میں آ جاتا ہے۔ اب یہ خط کہاں سے ٹپک پڑا۔ اس کے لیے پھر ان سے ملنا ہو گا۔"

"امی! ہم نے جہاں اتنی نیکی کی ہے وہاں یہ بھی سہی۔ خط کو پہنچا دینا ہمارا فرض ہے۔"

ان فرائض نے ہمیں ڈبو دیا مگر کیا کریں، دل بھی تو نہیں مانتا یہ فرض بھی ادا کرنا ہو گا۔"

رات کو کھانے کے دوران ریڈیو آن تھا۔ دینی تعلیمات کا پروگرام نشر ہو رہا تھا۔ دونوں ماں بیٹی کھانے میں مصروف تھیں اور برائے نام وہ پروگرام سن رہی تھیں۔ اسی وقت ایک مولوی صاحب نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات بیان کرتے ہوئے کہا۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جو جھوٹ بولتا ہے۔ وہ میری امت میں سے نہیں ہو سکتا۔ وہ میری شریعت سے خارج رہے گا۔"

فرزانہ نے کہا۔ "دیکھئے امی! جھوٹ کے متعلق کیا کہا جا رہا ہے؟"

"ہاں۔ سن رہی ہوں۔ یہ جو دینی معلومات کے پروگرام ہوتے ہیں۔ انہیں سنو تو بات ایک کان میں آتی ہے اور دوسرے سے نکل جاتی ہے لیکن ہم انہی حالات سے گزر رہے ہوں تو بات دل میں اتر جاتی ہے۔ یہ جھوٹ والی بات اس وقت میرے دل میں اتر گئی ہے۔ تمہارے مخاطب کرنے سے پہلے میرا دھیان رخسانہ کی طرف چلا گیا تھا۔"

"رخسانہ کی طرف کیوں؟"

"اس لئے کہ اگر جھوٹے لوگ شریعت سے خارج ہو جاتے ہیں تو پھر رخسانہ اور جانی کا جو نکاح پڑھایا گیا ہے وہ شرعی نکاح نہیں ہو سکتا۔"

فرزانہ نے سوچتی ہوئی نظروں سے اپنی ماں کو دیکھا پھر کہا۔ "امی! یہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ رخسانہ اور جانی نے ایک دوسرے کو قبول کیا ہے۔ اب وہ ایک بچے کے والدین بن گئے ہیں۔ بات پرانی ہو چکی ہے۔ اب وہ نکاح جائز ہے یا نہیں ہے۔ اس بحث کو اٹھانا فضول ہے۔ وہ ایک اچھی ازدواجی گھریلو زندگی گزار رہے ہیں اور ایک بچے کی ذمہ داری ان پر عائد ہو گئی ہے۔"

اس کی امی جواباً کچھ کہنا چاہتی تھیں پھر خاموش ہو گئیں۔ انہوں نے دل میں سوچا ٹھیک ہے۔ اس بحث پر مٹی ڈال دینی چاہئے اگر کہیں اس بحث کے نتیجے میں یہ بات ثابت ہو گئی کہ وہ نکاح جائز نہیں ہے۔ رخسانہ جانی کی جائز منکوحہ نہیں ہے تو پھر فرزانہ کا دل ڈانوا ڈول ہو جائے گا۔ وہ جو آہستہ آہستہ پتھر بن رہی ہے پھر موم کی طرح پگھلنے لگے گی لہٰذا خاموشی بہتر ہے۔

رات کو سوتے وقت فرزانہ نے محسوس کیا کہ بہت دنوں کے بعد نیند پھر اڑ گئی ہے۔ کوئی بات اسے جگا رہی ہے کون سی بات؟

اس سوال کے جواب میں اسے اپنی امی کی بات یاد آئی جو لوگ جھوٹے ہوتے ہیں۔ وہ شریعت سے خارج ہو جاتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں رخسانہ جانی کی شرعی منکوحہ نہیں ہے۔

فرزانہ کا دل دھڑکنے لگا۔ دھک ' دھک ' دھک ' منکوحہ نہیں ہے۔ دھک ' دھک دھک وہ جانی کی بیوی نہیں ہے۔ نہیں ہے ' ہاں کوئی نہیں ہے۔ وہ شادی ایک اسٹیج ڈراما تھا جس کے تمام مناظر یکے بعد دیگرے ختم ہو چکے ہیں۔ اب آخری منظر میں یہ بات کھل کر سامنے آ گئی ہے کہ رخسانہ جانی کے ساتھ جو ازدواجی زندگی گزار رہی تھی وہ محض ایک ناٹک ہے۔ مذہبی اور قانونی طور پر وہ جانی کی کوئی نہیں لگتی۔

اس نے جلدی سے دوسری طرف کروٹ بدل لی۔ جیسے ان خیالوں سے منہ پھیر رہی ہو پھر دل ہی دل میں بولی۔ "رخسانہ! جانی کی کوئی لگتی ہے یا نہیں ' مجھے اس سے کیا لینا ہے؟ میں جانی کی کون لگتی ہوں کہ ان کے متعلق ایسا سوچوں۔"

پھر اس کے اندر سے ایک گہری سانس یوں نکلی جیسے ہائے نکل رہی ہو۔ ہائے ' میں اس کی کوئی نہیں لگتی ' میرا اور اس کا محض آنکھ مچولی کا رشتہ ہے میں چھپتی ہوں ' وہ ڈھونڈتا ہے۔ میں اس کی طرف سے منہ پھیر کر سوتی ہوں وہ میری آنکھوں میں جاگتا ہے۔ ہم ایک دوسرے کے کچھ نہیں لگتے لیکن تقدیر ہماری دو دن کی شناسائی اور ہمیشہ کی نارسائی کا قصہ لکھ رہی ہے۔ پیار کو کون پتھر نہیں مارتا۔ ساری دنیا مارتی اور ستاتی ہے۔ پیار اور پتھر کا فسانہ یہ ہے کہ جو میرا کوئی نہیں لگتا وہی مجھے پتھر مارنے کے لئے ڈھونڈ رہا ہے کیا پھر بھی وہ میرا کوئی نہیں لگتا۔

وہ سوچتے سوچتے سوتی رہی اور سوتے سوتے سوچتی رہی۔ صبح اٹھ کر سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اس لیے وہ سو رہی تھی۔ ساری رات جانی اور رخسانہ اس کے سرہانے بیٹھے رہے تھے۔ اس حساب سے وہ جاگتی رہی تھی۔

وہ دن کے دس بجے سے لے کر بارہ بجے تک مریضوں کو اٹینڈ کرتی رہی۔ اس کے بعد اپنے کمرے میں آئی اور شہلا کے ہاں جانے کی تیاری کرنے لگی اگر رخسانہ کے نام آنے والے خط کو وصول کرنے کی بات نہ ہوتی تو وہ شہلا سے کوئی بہانہ کر دیتی۔ باہر نکلنے سے اب اسے بڑا ڈر لگتا تھا۔ حالانکہ برقع پہننا شروع کر دیا تھا۔ دیکھنے والے پہچان نہیں سکتے تھے لیکن وہ اندر سے باہر والوں کو دیکھتی تھی۔ یہی سمجھ میں آتا تھا کہ دوسرے بھی اسے دیکھ رہے ہیں' جو اندر کچھ چھپا کر رکھتے ہیں' وہ ہمیشہ باہر والوں سے ڈرتے ہیں۔

جب وہ برقع پہن کر جانے لگی تو اس کی امی نے کہا۔ "بیٹی! ان کے والد حج بیت اللہ سے واپس آئے ہیں اس لیے راستے میں کسی پھول والے کی دکان سے ایک بڑا سا ہار خرید لینا اور اپنے ہاتھوں سے انہیں پہنا دینا۔ بزرگ آدمی ہیں' خوش ہو جائیں گے اور یہ دستور بھی ہے۔"

وہ گھر سے باہر آئی۔ اسے محمد علی سوسائٹی کی طرف جانا تھا شہلا وہیں ایک کوٹھی میں رہتی تھی۔ وہاں تک پہنچنے کے لئے اسے ایک بس میں صدر تک جانا تھا پھر صدر سے دوسری بس میں محمد علی سوسائٹی کی طرف جا سکتی تھی۔ پہلے تو وہ پیدل چلتی ہوئی بنارس کے بس اسٹاپ تک آئی۔ وہاں سے گل فروش کی دکان سے تازہ گلاب کے پھولوں کا ایک ہار خریدا۔ پہلے تو ارادہ ہوا کہ ٹیکسی میں بیٹھ کر چلی جائے۔ کافی وقت بچے گا لیکن ٹیکسی کے خیال سے ہی ڈر لگتا تھا۔ رکشے میں بیٹھنا پسند نہیں تھا کیونکہ رکشا بہت شور مچاتا تھا وہ ایک بس میں سوار ہو گئی۔

لیکن وہ بس اسے زیادہ دور تک نہ لے جا سکی۔ بڑا بورڈ کے اسٹاپ پر رک گئی۔ اس میں کچھ خرابی پیدا ہو گئی تھی۔ سارے مسافر اتر گئے اور دوسری بس کا انتظار کرنے لگے۔ اب دوسری بس آنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ وہ بار بار اپنی کلائی کی گھڑی کو دیکھتی تھی پھر پیچھے مڑ کر ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف دیکھنے لگتی۔ وہاں دو ٹیکسیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ اس نے دور ہی سے یہ اچھی طرح یقین کر لیا کہ ان کا ڈرائیور وہ نہیں ہے جس

سے وہ ڈرتی ہے۔

جب بیس منٹ تک صدر جانے والی دوسری بس نہیں آئی تو وہ پلٹ کر ایک ٹیکسی کے قریب گئی۔ "محمد علی سوسائٹی چلو گے؟"

ڈرائیور نے فوراً ہی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔ دروازہ بند ہو گیا ڈرائیور نے اسٹیئرنگ سیٹ پر پہنچ کر گاڑی اسٹارٹ کی اور اسے آگے بڑھا دیا۔ فرزانہ بیٹھنے کے بعد کھڑکی سے باہر سڑک کی طرف دیکھ رہی تھی جب ٹیکسی چل پڑی تو اس کی نظر سامنے ڈیش بورڈ پر گئی۔ وہاں چھوٹے سے ٹیپ کے ذریعے ایک کاغذ چپکا ہوا تھا اور اس کاغذ پر لکھا تھا۔

تم کہاں کہاں ہو گے؟
میں کہاں کہاں ڈھونڈوں؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر پھر کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے جانی پوچھ رہا ہو۔ "جان تم کہاں ہو؟"

"میں یہاں ہوں۔" ٹیکسی تیز رفتاری سے دوڑ رہی تھی۔ کھڑکی کے پاس ہوا تیزی سے گزرتے ہوئے شور مچا رہی تھی جیسے کچھ کہہ رہی ہو۔ ایک قیامت آ گئی ہو۔ "وہ آ گئی ہے جسے تم پوچھ رہے ہو۔"

مگر وہ پوچھنے والا اسٹیئرنگ پر نہیں تھا کوئی اور گاڑی چلا رہا تھا۔ وہاں جو شعر لکھا ہوا تھا۔ فرزانہ کی نظروں میں اس کی اتنی اہمیت نہیں تھی کیونکہ کتنے ہی ٹیکسی والوں کی گاڑیوں میں ایسے عشقیہ شعر لکھے رہتے ہیں۔ وہ شعر بھی کسی اور کے لئے ہو گا۔

فرزانہ نے تھوڑی دیر کے لئے جانی کے متعلق سوچا تھا پھر کھڑکی کے باہر دیکھتے ہوئے دوسری سوچ میں الجھ گئی تھی۔ گاڑی مختلف راستوں سے گزرتے ہوئے جہانگیر روڈ پر پہنچ گئی تب اس نے چونک کر پوچھا۔ "تم ادھر سے کیوں جا رہے ہو؟"

"بات یہ ہے جی کہ میری ڈیوٹی ختم ہو گئی ہے۔ اب یہ گاڑی ٹیکسی کے مالک کو دینا ہے۔ آپ بے فکر رہیں۔ آپ کو اسی ٹیکسی میں سوسائٹی تک پہنچا دیا جائے گا۔ صرف ڈرائیور بدل جائے گا۔"

وہ ذرا پریشان ہوئی۔ ذرا سنبھل کر بیٹھ گئی۔ ذرا ڈر سا لگا کیونکہ جس گیراج کو وہ

بھول نہیں سکتی تھی وہ ونڈ اسکرین کے پار قریب آتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ وہاں پہنچنے پر ایک دم سے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ وہاں گیراج کے سامنے جانی دونوں ہاتھ کمر پر رکھے مستری چاچا سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ ٹیکسی ٹھیک اس کے قریب پہنچ کر رک گئی۔

فرزانہ پر سکتہ طاری ہو گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تقدیر اپنی ہتھیلی پر اٹھا کر اسے اچانک ہی جانی کے پاس پہنچا دے گی۔ وہ فیصلہ نہ کر سکی کہ اسے کیا کرنا چاہئے اگر وہ ٹیکسی سے اتر کر جانا چاہتی تو ڈرائیور اس سے پوچھتا۔ کسی دوسری گاڑی میں جانے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ کو ابھی پہنچا دیا جائے گا۔

اب وہ زبان سے ڈرائیور کو جواب نہیں دے سکتی تھی۔ گونگی بن کر رہتی یا انکار میں سر ہلا کر اور خاموشی سے میٹر کے مطابق رقم دے کر جانا چاہتی تو شاید مستری چاچا بھی یہی سمجھاتے کہ بیٹی گاڑی میں بیٹھی رہو۔ صرف ڈرائیور بدل رہا ہے۔ وہ خاموشی سے جانا چاہتی تو جانی کو شبہ ہو سکتا تھا۔ وہ اسے تلاش کرتا پھر رہا تھا اور اس پہلو سے بھی سوچ سکتا تھا کہ وہ چھپنے کے لئے برقع پہن سکتی ہے۔

اسے اپنی خیریت اسی میں نظر آئی کہ چپ چاپ بیٹھی رہے۔ بولنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ جانی اگر کچھ پوچھتا تو وہ پردہ دار عورتوں کی طرح خاموش رہتی۔ چند ہی لمحوں میں اس نے بہت سی تدبیریں سوچ لیں۔ ادھر ٹیکسی کا ڈرائیور جانی کے پاس پہنچ کر اس سے کچھ کہہ رہا تھا۔ جانی نے ذرا جھک کر ٹیکسی کی پچھلی سیٹ کی طرف دیکھا تو فرزانہ ایک دم سے سمٹنے لگی۔ سیٹ کی پشت سے یوں لگ گئی جیسے چھپنے کے لئے اور پیچھے چلی جانا چاہتی ہو۔ تب دماغ نے سمجھایا۔ یہ تو خود کو ظاہر کرنے والی بات ہے۔ اس طرح وہ شبہے میں مبتلا ہو گا اسے اطمینان سے بیٹھنا چاہئے۔ برقعے کے اندر وہ پہچانی نہیں جائے گی۔

جانی نے برقعے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "بی بی جی! بس ذرا ایک منٹ میں چلتا ہوں۔ آپ فکر نہ کریں میں آپ کو جلدی پہنچا دوں گا۔"

پھر وہ پلٹ کر مستری چاچا سے کہنے لگا۔ "دیکھو چاچا! یہ تو میں ہمیشہ سے مانتا آیا ہوں کہ تم بہت عقل والے آدمی ہو۔ بہت سمجھداری کی باتیں کرتے ہو مگر اس عورت کے ساتھ میں نے ایک برس تین مہینے گزار دیے۔ اب ایک بچہ بھی ہو گیا ہے۔ اگر تم عالم صاحب سے اس کے خلاف فتوے لو گے تو سارے رشتے ٹوٹ جائیں گے گھر تباہ ہو جائے

گا اور...."

مستری چاچا نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "اور بہت کچھ ہو گا۔ جھوٹ بولنے اور دھوکا دینے سے پہلے انسان کو سوچنا چاہیے کہ آگے چل کر کتنی مصیبتیں نازل ہوں گی۔ مجھے رخسانہ سے بہت ہمدردی ہے لیکن میری اور تیری ہمدردی کسی کام نہیں آئے گی۔ آج جو فیصلہ سنایا جائے گا۔ اس کے آگے ہم لوگوں کو سر جھکا دینا ہو گا۔ بہر حال مجھے عالمگیر روڈ تک پہنچا دے۔ عالم صاحب وہیں رہتے ہیں۔ وہاں سے تو اپنی سواری کو لے کر آگے بڑھ جانا۔"

یہ کہہ کر مستری چاچا ٹیکسی کی پچھلی کھڑکی کے پاس آئے فرزانہ نے ہاں کے انداز میں سر ہلا دیا۔ مستری چاچا دوسری طرف سے گھوم کر اگلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ جب جانی دروازہ کھول کر اسٹیئرنگ سیٹ پر آیا تو فرزانہ کو یوں لگا۔ جیسے پہاڑ سر پر آ رہا ہے۔ وہ سکڑ رہی تھی۔ مختصر ہو رہی تھی۔ پربت کے آگے رائی بن رہی تھی۔

ٹیکسی آگے بڑھ گئی مستری چاچا نے ڈیش بورڈ پر چپکے ہوئے کاغذ کو دیکھ کر پوچھا۔ "یہ کیا لکھ رکھا ہے؟ کیا اس سے ظاہر نہیں ہوتا کہ تو ابھی تک اس لڑکی کا دیوانہ ہے۔"

جانی ایک گہری سانس لے کر خاموش ہو رہا۔

مستری چاچا نے کہا۔ "دیکھ جانی! اب جو کچھ ہو رہا ہے وہ تیرے خلاف نہیں رخسانہ کے خلاف ہو رہا ہے۔ وہ اپنی غلطی کی سزا پانے والی ہے۔ تقدیر کو شاید تجھ پر پیار آ گیا ہے اور وہ تجھے پیار کی طرف لوٹانا چاہتی ہے۔ قدرت کے کھیل کو کوئی نہیں سمجھ سکتا کہ کیا ہونے والا ہے مگر مجھے کچھ نظر آ رہا ہے۔"

"چاچا! کیا نظر آ رہا ہے؟"

"یہی کہ تو رخسانہ کے ساتھ جو لگاوٹ ظاہر کرتا ہے، دراصل وہ لگاوٹ محبت کی نہیں، ہمدردی کی ہے کہ بے چاری کا انجام کیا ہو گا؟ محبت تجھے فرزانہ سے ہے۔ یہ کاغذ بتا رہا ہے، تیری دیوانگی بتاتی ہے کہ تو نے جو ہسپتال میں ہنگامے کیے اور یہ جو ٹیکسی چلانے کے دوران اسے صبح سے شام تک تلاش کرتا رہتا ہے کیا یہ باتیں مجھے معلوم نہیں ہیں۔ میں نادان نہیں ہوں۔"

"چاچا! تمہی بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟"

"آج مجھے عالم صاحب کی طرف سے فیصلہ سن لینے دو۔ میں یہ معلوم کروں گا کہ تمہاری اور رخسانہ کی شادی جائز نہیں ہے تو یہ جائز کس طرح ہو سکتی ہے۔ کیا ایسی گنجائش ہے کہ نکاح دوبارہ پڑھایا جا سکے اور رخسانہ پھر تمہاری بیوی بن کر رہے ایسا ہو گیا تو رخسانہ کو چھوڑنا نہیں چاہیے۔ وہ تمہارے بچے کی ماں ہے۔"

جانی نے کہا۔ "ہاں۔ شادی کے وقت ان لوگوں نے مجھ پر زیادتی کی لیکن اب رخسانہ سے زیادتی ہو یہ مجھے اچھا نہیں لگتا۔ آخر انسانی ہمدردی بھی کوئی چیز ہے۔"

"رخسانہ کا انجام سوچتا ہوں تو مجھے بھی دکھ پہنچتا ہے مگر ہم کیا کر سکتے ہیں؟ تم ساری عمر اس سے ہمدردی کر سکتے ہو مگر ایک لمحے کے لیے بھی اس سے مل کر نہیں رہ سکتے۔ وہ تمہارے لیے حرام ہو جائے گی۔"

جانی نے بڑے دکھ سے کہا۔ "پھر میں تنہا رہ جاؤں گا۔"

فرزانہ تنہائی کا دکھ جانتی تھی۔ اس لیے جانی کا دکھ لہو بن کر اس کے دل میں ٹپکنے لگا۔ وہ رخسانہ کی دشمن نہیں تھی لیکن تقدیر رخسانہ سے دشمنی کرے تو وہ کیا کر سکتی تھی۔ اسے رخسانہ سے انسانی ہمدردی تھی اور جانی سے دلی ہمدردی تھی، وہ اعلیٰ ظرف تھی۔ اس نے خود رخسانہ کو جانی کی دلہن بنایا تھا۔ آج بھی وہ کم ظرف نہیں تھی۔ آج بھی وہ اسے سہاگن بنائے رکھنے کے لیے خود مجرم بنی ہوئی تھی۔ منہ چھپاتی پھر رہی تھی۔

اب صورت حال بدلنے والی تھی۔ رخسانہ خود اپنی سزا کو پہنچ رہی تھی۔ فیصلہ فرزانہ کا نہیں تھا۔ فیصلہ حالات کا تھا۔ اگرچہ انسان حالات کو بدل دیتا ہے تاہم کبھی کبھی حالات موت کی طرح اٹل ہوتے ہیں بدلے نہیں جا سکتے وہ حالات انسان کو توڑ مروڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کر دیتے ہیں لہٰذا ان حالات میں فرزانہ کیا کر سکتی تھی۔ زیادہ سے زیادہ رخسانہ سے ہمدردی کر سکتی تھی اور جانی سے؟

ہاں اور جانی سے؟

جانی سے جان تھی۔ منہ چھپانے والی آرزوؤں کی جان پہچان تھی۔

رخسانہ اگر دلہن تھی تو وہ جانی کے سامنے رخسانہ کا پہلا تعارف تھی۔ جانی کی آنکھوں میں فرسٹ امپریشن تھی اور جانی کے دل میں لاسٹ امپریشن رہے گی۔

وہ آگے بیٹھا ہوا تھا۔ یہ پیچھے بیٹھی ہوئی تھی۔

رخسانہ جانی کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا کرتی تھی۔ اب وہ سیٹ خالی ہونے والی تھی دنیا کے دستور کے مطابق کوئی جگہ خالی نہیں رہتی جو اپنی جگہ چھوڑتا ہے اس کی جگہ کوئی دوسرا چلا آتا ہے۔ ایک مرتا ہے' دوسرا پیدا ہوتا ہے۔ دنیا کی کوئی کرسی خالی نہیں رہتی۔ ایک اٹھ کر جاتا ہے تو دوسرا آ کر بیٹھ جاتا ہے۔ وہ دوسرا نہ بیٹھے تو کوئی تیسرا آ کر بیٹھ جاتا ہے لہٰذا اگلی سیٹ خالی ہو تو کیا وہ اسے پر نہیں کرے گی؟

عالمگیر روڈ پر ٹیکسی رک گئی۔ مستری چاچا اتر گئے اور اگلی سیٹ خالی ہو گئی۔ جانی نے پیچھے گھوم کر دیکھا۔ فرزانہ گھبرا کر سمٹنے لگی۔ وہ جلدی سے منہ پھیر کر بولا۔ "معاف کیجئے میں پچھلی سیٹ پر بیٹھنے والی عورتوں کو کبھی گھوم کر نہیں دیکھتا پتا نہیں' ابھی کیسے آپ ہی آپ گھوم گیا تھا۔ میں پھر معافی چاہتا ہوں۔"

چند لمحے تک خاموشی رہی پھر اس نے میٹر کو بند کرتے ہوئے کہا۔ "دیکھئے جب آپ جہانگیر روڈ کے گیراج تک پہنچی تھیں اس وقت سات روپے بنے تھے ڈرائیور کو جہانگیر روڈ کی طرف نہیں آنا چاہئے تھا۔ آپ کا راستہ دوسرا ہے۔ سمجھ لیجئے کہ پانچ روپے بنے تھے۔ اب میں پھر میٹر کو آن کرتا ہوں۔ اس کے مطابق جتنی رقم بنے گی وہ آپ مجھے دے دیجئے گا۔"

یہ کہہ کر اس نے میٹر کو آن کیا پھر گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ ٹیکسی کی محدود فضا میں بڑی پراسرار خاموشی چھائی تھی۔ فرزانہ کو یوں لگ رہا تھا جیسے اب تب میں کچھ ہونے ہی والا ہے۔ دوسری طرف جانی چپ چاپ سوچ رہا تھا۔ "یا اللہ! ہم پر کرم کر' مستری چاچا آ کر ہمیں کوئی خیر خیریت کی خبر سنائیں۔ رخسانہ کی زندگی برباد نہ ہو میرے مالک! میں بڑی آزمائش میں پڑ جاؤں گا۔ اسے مجھ سے الگ کر دیا جائے گا تو کیا ہو گا؟ ہوتا تو یہی ہے کہ مرد کی زندگی سے ایک عورت نکل جاتی ہے تو دوسری دلہن بن کر آ جاتی ہے اور دوسری تو بہت پہلے ہی میرے خیالوں میں دلہن بنی بیٹھی ہے۔ ایسے وقت میں' میں بڑا ہرجائی' بڑا بے مروت سمجھا جاؤں گا۔ رخسانہ اپنی تباہی کا ماتم کرتی رہے گی اور میں نئی دلہن کے ساتھ مگن ہو جاؤں گا یہ مجھ پر کیسا وقت آ رہا ہے۔ مجھے یہ بھی اچھا نہیں لگتا کہ رخسانہ برباد ہو۔ مجھے یہ بھی اچھا لگتا ہے کہ فرزانہ مجھے مل جائے۔

ملنے کی بات اور ہے اور جو مل جائے اسے پالینے کی بات اور ہے۔ میں جو اپنی بیوی

کے ہوتے ہوئے بھی اسے ڈھونڈتا رہا تو اس تلاش کے پیچھے میرا کیا مقصد تھا؟ کیا میں رخسانہ کو ٹھکرا کر فرزانہ کو دلہن بنانا چاہتا ہوں؟ آج یہ بات صاف ہو جائے' کھل جائے کیونکہ عالم صاحب فیصلہ سنانے والے ہیں اگر میں فرزانہ کو اپنی دلہن بنانا چاہتا ہوں تو اب کس بات کی رکاوٹ ہو گی۔ میرے لیے راستہ بالکل صاف ہے۔

لیکن نہیں۔ فرزانہ سے مجھے محبت ہے میں انسانیت سے گر کر فرزانہ کی محبت کی توہین نہیں کروں گا۔ مجھے رخسانہ سے ناانصافی کرنے کے بعد فرزانہ کے ساتھ کبھی سکون نہیں ملے گا۔ مستری چاچا غلط کہتے ہیں کہ مجھے رخسانہ سے محبت نہیں ہمدردی ہے۔ واہ یہ کوئی بات ہے۔ ہمارے گھر میں بچہ ہمدردی سے نہیں محبت سے پیدا ہوا ہے میں اپنے بچے کو جان سے بڑھ کر چاہتا ہوں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں بچے سے تو اتنی محبت کروں اور اس کی ماں سے صرف ہمدردی کروں۔ محبت کا سلسلہ تو بچے کی ماں سے ہی شروع ہوتا ہے۔ وہ اور لوگ ہوتے ہیں' جو عورت کو بچہ پیدا کرنے کی مشین سمجھتے ہیں۔ اللہ' رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر اپنی محبت سے نہیں مشین سے نکاح پڑھتے ہیں۔

فرزانہ کو بیٹھے بیٹھے پتا نہیں کیا ہوا۔ گلا پھنسنے لگا۔ وہ بے اختیار گلا صاف کرنے لگی۔ اس کے حلق سے آواز نکلنے لگی۔ تب اچانک ہی جانی نے گاڑی کی رفتار ذرا دھیمی کر دی توجہ سے اس آواز کو سننے لگا جو پچھلی سیٹ سے آ رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ آواز کہیں دور' بہت دور سے اسے پکار رہی ہو اور ایک پہیلی بوجھنے کے لئے کہہ رہی ہو۔

لیکن کھنکھارنے یا کھانسنے کی آواز سے کوئی کسی کو پہچان نہیں سکتا۔ ایسی آواز ایک اشارے کی طرح سنائی دیتی ہے پھر گم ہو جاتی ہے۔ جانی نے سوچا۔ "میں سچ مچ اس کا دیوانہ ہو گیا ہوں۔ کسی دوسری لڑکی کو دیکھتا ہوں تو دور سے وہی نظر آتی ہے۔ کسی کی آواز سنتا ہوں تو مجھے اس کا شبہ ہوتا ہے۔ میں بہت جلدی پاگل ہو جاؤں گا۔"

ایک دوراہے پر پہنچ کر اس نے گاڑی روک دی۔ کدھر جائے۔ رخسانہ کی طرف یا فرزانہ کی طرف۔ کس راستے پر جائے؟

لیاقت ہسپتال سے یا بہادر آباد کے راستے سے جانا چاہئے۔ وہ رات دن ٹیکسی چلاتا تھا۔ اچھی طرح جانتا تھا کہ بہادر آباد کے راستے سے آسانی ہو گی لیکن اس وقت وہ ذہنی طور پر الجھ گیا تھا۔ ٹیکسی کسی اور دوراہے پر رکی تھی۔ دماغ کسی اور دوراہے پر ٹھہر گیا

تھا۔

اس نے دوبارہ گاڑی کو اسٹارٹ کر کے آگے بڑھاتے ہوئے سوچا' میں کیا ہوں؟ میں تھالی کا بینگن ہوں۔ اِدھر بھی لڑھکتا ہوں اُدھر بھی لڑھکتا ہوں۔ جتنی دیانتداری سے رخسانہ کو چاہتا ہوں۔ اتنی ہی شدت سے فرزانہ کو طلب کرتا ہوں۔ میرا جسم' میری توجہ' میری محنت' میری کمائی سب رخسانہ کے لیے ہے۔ میری تڑپ' میری بے چینی' میری جستجو' میری دیوانگی یہ سب کچھ فرزانہ سے منسوب ہے۔

میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں چھپ گئی ہے؟ اس کے دل میں میرے لیے کوئی جگہ ہے یا نہیں؟ اس کے دماغ میں کبھی میری سوچ پیدا ہوئی ہے یا نہیں؟ کبھی وہ نیند سے چونکتی ہو گی تو کیا پہلا خیال میرا آتا ہو گا؟ کبھی وہ کسی کو گڑھے میں گرتے دیکھتی ہو گی تو کیا تڑپ کر سوچتی ہو گی کہ اس نے مجھے گرایا تھا۔ کیا اسے پتا ہو گا کہ میں اس کے لئے کتنا تڑپ رہا ہوں؟

خدایا! مجھے درد دیتا ہے تو اسے احساس دے' مجھے زخم دیتا ہے تو اسے بینائی دے۔ جب کوئی دیکھنے والا' کوئی محسوس کرنے والا نہیں ہو گا تو مجھے بخشے ہوئے درد کا مصرف کیا ہو گا؟

تو نے ہر ذرے کو کسی نہ کسی ذرے کے لیے پیدا کیا ہے درد کو بے مقصد نہ بنا۔ میرے مالک! اِدھر مجھے چھلنی کر دیا ہے تو اُدھر اسے بھی تڑپا دے۔ اتنا تڑپا دے کہ وہ میرے لیے چیخ چیخ کر رونا شروع کر دے۔

فرزانہ نے بے اختیار اپنے سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔ دل دھڑک دھڑک کر کہہ رہا تھا۔ سنا دے اپنی آواز۔ آواز سنا دے۔ چپ رہے گی تو گیلی لکڑی کی طرح جلتی رہے گی۔ شعلہ بن کر بھڑک جا' پہلے حالات نے مجبور کیا تو رخسانہ کا تعارف بن گئی۔ اب حالات کا تقاضا ہے' اپنا تعارف پیش کر دے۔ چھاتی پیٹ کر کہہ دے جانی! میں تیری غم خوار ہوں۔ آج میں تیرے تمام دکھوں کو سمیٹ لوں گی۔

گاڑی یک بیک رک گئی۔ سامنے ایک ٹریفک کانسٹیبل ہاتھ دکھا کر رکنے کے لئے کہہ رہا تھا۔ وہاں اور بھی کئی ٹیکسیاں ایک قطار میں کھڑی ہوئی تھیں۔ ٹریفک پولیس کا ایک آفیسر چھوٹی سی میز سامنے رکھے ایک کرسی پر بیٹھا ٹیکسی والوں کے کاغذات چیک کر رہا

تھا۔ جانی کو بھی ٹیکسیوں کی قطار میں گاڑی کھڑی کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس نے حکم کی تعمیل کی پھر ڈیش بورڈ سے ضروری کاغذات نکال کر دروازہ کھولتے ہوئے باہر چلا گیا۔ فرزانہ نے ایک گہری سانس لی اور نظریں جھکا کر اپنی گود میں رکھے گلاب کے ہار کو دیکھنے لگی۔ جانے کس سوچ میں آہستہ آہستہ گلاب کی پتیوں کو سہلانے لگی۔

جانی ٹیکسی ڈرائیوروں کی قطار میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ سب سے پیچھے تھا۔ اس کے آگے پانچ ڈرائیور تھے۔ کاغذات چیک کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگی لیکن آفیسر کے ساتھ ہی کوئی اس کا شناسا بیٹھا ہوا باتیں کر رہا تھا اور وہ کاغذات بڑے اطمینان سے دیکھتا جا رہا تھا جب آگے کا ایک ڈرائیور فارغ ہو کر چلا گیا تو دوسرے کی باری آئی۔ اس کے ساتھ ہی آفیسر کے سامنے ٹھنڈی بوتل آ گئی۔ اس نے کام چھوڑ کر بوتل پینا شروع کر دی۔ بوتل پینے میں جو بھی وقت لگا' اس کے بعد سگریٹ سلگایا گیا۔ کچھ ہنسنے بولنے کی باتوں میں کاغذات لے کر دیکھے گئے۔ کسی میں کوئی خامی نکالی گئی۔ کسی کو پاس کر دیا گیا یوں گھنٹے کے بعد جانی کی باری آئی۔ اس کے تمام کاغذات بالکل درست [illegible]ے جانے کی اجازت دے دی گئی۔

وہ بڑبڑاتا ہوا اپنی ٹیکسی کے پاس آیا پھر اگلا دروازہ کھول کر اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کاغذات کو ڈیش بورڈ میں رکھتے ہوئے بولا۔ "معاف کیجئے گا! ان پولیس والوں نے اتنی دیر لگا دی۔ میں ابھی آپ کو پہنچا دوں گا۔ آپ میٹر کی پروا نہ کریں بہت ہی مناسب کرایہ لوں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے گاڑی اسٹارٹ کی پھر اسے آگے بڑھا دیا۔ ذرا آگے بڑھتے ہی پیچھے سے دروازہ کھٹ کھٹ کی آواز سے بجنے لگا تو اس نے کہا۔ "بی بی جی! دروازہ بند کر لو۔ یہ اچھی طرح بند نہیں ہوا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ چپ ہو گیا مگر دروازہ اسی طرح بجنے لگا۔ اس نے گاڑی کو سڑک کے کنارے روکتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے میں بند کر دیتا ہوں۔"

اس نے گاڑی سے اتر کر پچھلی سیٹ کی طرف دیکھا تو سیٹ خالی تھی۔ وہ جلدی سے پیچھے کھلے ہوئے دروازے کے پاس آیا۔ وہ نہیں تھی لیکن وہاں جو منظر نظر آیا اسے دیکھ کر پہلے تو وہ ساکت رہ گیا۔ حیرانی سے دیدے پھیل گئے پھر وہ ایک دم سے تڑپ

کر دروازے کو پوری طرح کھولتے ہوئے پچھلی سیٹ کی طرف پہنچ گیا۔ پچھلی سیٹ پر یہاں سے وہاں تک گلاب کی پتیاں بکھری ہوئی تھیں۔ بالکل اسی طرح ایک بار اس نے فرزانہ کے لیے کبھی ان پتیوں کی سیج بچھائی تھی۔ اس کے لئے اپنی ٹیکسی کو خوشبوؤں کی جنت بنا دیا تھا۔ آج وہی برقعے والی اسی جنت کا اشارہ چھوڑ کر چلی گئی تھی۔

"کیا وہ برقعے والی فرزانہ تھی؟" وہ سوچنے لگا۔ پچھلی سیٹ پر دس دس کے تین نوٹ رکھے ہوئے تھے۔ وہ کرائے سے زیادہ رقم چھوڑ گئی تھی۔ "آخر وہ کون تھی؟"

اگر وہ فرزانہ نہ ہوتی تو وہ اس کے پاس آ کر اسے کرایہ دے کر معذرت کر کے کسی دوسری گاڑی میں چلی جاتی جیسا کہ وہ چلی گئی ہے لیکن اس نے آ کر کرایہ نہیں دیا تھا بلکہ چپ چاپ چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ اس سے پتا چلتا تھا کہ چپ چاپ بھاگنے والی سے اس کا تعاقب کا رشتہ ہے۔

"فرزانہ! کیا تم نے ایسا دشمن دیکھا ہے جو پتھر نہ مارتا ہو۔ پھول مارتا ہو۔ کیا تم نے ایسی محبت دیکھی ہے جو راستے میں کانٹے نہ بچھاتی ہو پھولوں کی پتیاں بچھا کر دیوانے کے پاؤں کو لہولہان کرتی ہو۔"

اس نے پچھلی سیٹ پر ہاتھ رکھتے ہوئے سوچا۔ وہ یہاں بیٹھی ہوئی تھی۔

اس نے اسی جگہ اپنا سر رکھ دیا۔ اب وہ محبت کی گود میں سر رکھ کر پوچھ رہا تھا۔

"کیوں چلی گئیں؟ کہاں چلی گئی ہو؟"

"پہلی بار تم نے اپنا چہرہ دکھا کر رخسانہ کو میری دلہن بنا دیا تو یہ سمجھ میں آیا کہ تم مجھے نہیں چاہتی تھیں۔ مجھے بہت غصہ آیا۔ میں غصے میں تمہیں تلاش کرتا رہا۔ دوسری بار تم صدر میں ایمپریس مارکیٹ کے سامنے نظر آئیں۔ ایک رکشہ تمہیں دور لے جا رہا تھا اور میں تمہیں پکار رہا تھا۔ تم میرے پاس نہیں آئیں۔ دور ہوتی چلی گئیں۔ تب مجھے اور غصہ آیا کہ تم مجھ سے چھپتی پھر رہی ہو۔ تم ایک مجرم ہو۔ مجھے تم سے شدید نفرت کرنا چاہیے میں محبت اور نفرت کے درمیان تمہیں تلاش کرتا رہا۔ آج تیسری بار تم پھولوں کی یہ سیج بچھا کر گئی ہو تو میرے سارے شکوے دور ہو گئے۔ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تم مجھے چاہتی ہو، مجھے یاد کرتی ہو۔ میرا سایہ بن کر پیچھے رہتی ہو اور میں نادان تمہیں آگے ڈھونڈتا ہوں۔ مگر کیوں ڈھونڈنے پر مجبور کرتی ہو۔ مجھے آواز کیوں نہیں دیتیں مجھے اپنی طرف کیوں

نہیں بلا لیتیں۔ اپنا پتا کیوں نہیں بتاتیں؟ مجھ سے منہ کیوں چھپاتی ہو؟ بولو؟

اس نے فرزانہ کی گود سے سر اٹھا کر پوچھا۔ "بولو؟"

لیکن اس کا سوال بھٹک گیا فرزانہ وہاں نہیں تھی پھر غائب ہو گئی تھی۔ وہ غصے سے مٹھیاں بھینچ کر خالی سیٹ کو دیکھنے لگا پھر مجھے دھوکا دے گئیں پھر چلی گئی ہو۔ اس نے پھولوں کی کو سمیٹ کر مٹھی میں بھینچ لیا۔ کیا تم نے محبت کو مذاق سمجھ لیا ہے؟ تم مجھ پر یہ پھول کی پتیاں لٹاتی ہو یا محبت کے جوتے مارتی ہو؟ بولو؟

وہ ٹیکسی میں بیٹھ کر ذرا دور چلا گیا۔ ایسی جگہ گاڑی کھڑی کی جہاں وہ شامیانے نظر آ رہے تھے۔ وہاں آنے والی عورتیں بھی دکھائی دے رہی تھیں لیکن وہ کہاں کہاں جا کر اسے تلاش کر سکتا تھا۔ وہ کس محفل میں آئی ہوگی۔ اسے کس طرح تلاش کرے وہ جھنجلا گیا۔ اسٹیئرنگ پر مکے مارنے لگا۔ اس وقت وہ سامنے ہوتی تو وہ اسے کچا چبا جاتا۔

وہ شام کے چار بجے تک وہاں بھٹکتا رہا لیکن وہ بادامی رنگ کا برقع نظر نہیں آیا جو پچھلی سیٹ سے غائب ہو گیا تھا۔ وہ مایوس ہو کر وہاں سے چل پڑا۔ اب اس کے دماغ میں دوسری بات آئی کہ جو ڈرائیور فرزانہ کو پچھلی سیٹ پر بٹھا کر لایا تھا اس سے پوچھنا چاہیے کہ فرزانہ گاڑی میں کہاں سے سوار ہوئی تھی۔ یقیناً وہ اسی جگہ رہتی ہوگی۔

اس ٹیکسی کو چلانے والا ڈرائیور اورنگی نمبر ایک میں رہتا تھا۔ اس کے گھر کا پتا بھی معلوم تھا۔ جانی نے اس کے گھر پہنچ کر پوچھا۔ "تم اس برقعے والی کو کہاں سے بٹھا کر لائے تھے؟"

اس نے جواب دیا۔ "بڑا بورڈ کے ٹیکسی اسٹینڈ سے۔"

"ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بڑا بورڈ میں ہی رہتی ہے۔"

"کیا بات ہے استاد! کیا کوئی گھپلا ہو گیا ہے؟"

جانی نے کہا۔ "ارے! یہ وہی لڑکی تھی جسے میں تلاش کرتا پھرتا ہوں۔"

اس نے حیرانی سے پوچھا۔ "اچھا۔ کیا وہ ڈاکٹرنی فرزانہ تھی؟"

"ہاں۔ وہی تھی۔" اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور اسے آگے بڑھا دیا۔ ذرا دور جا کر حاجی ہوٹل کی طرف سے گھوم کر دوسری سڑک پر آیا۔ وہاں بسوں، منی بسوں اور رکشہ ٹیکسیوں نے ایک دوسرے کو اوورٹیک کرنے کے نتیجے میں راستے کو بلاک کر دیا

تھا۔ اس نے گاڑی کو سڑک سے اتار کر ایک کنارے روک دیا تاکہ ٹریفک کا ہجوم ختم ہو تو وہ اطمینان سے آگے بڑھے۔ اس نے گاڑی سے اتر کر پان کی دکان سے ایک پیکٹ خریدا۔ پھر سگریٹ منہ میں دبا کر اسے سلگانے لگا۔ اسی وقت اس کی نظر سڑک کی دوسری طرف گئی۔ وہاں وہ بادامی برقع نظر آ رہا تھا۔

وہ جلدی سے آگے بڑھ کر سڑک کو پار کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ گاڑیوں اور انسانوں کا ایسا ہجوم تھا جیسے سمندر کی لہریں راستہ روک رہی ہوں پھر بھی وہ دوسرے کنارے پر پہنچ گیا۔ دوسری طرف سے فرزانہ چلی آ رہی تھی۔ سڑک کے کنارے پیدل چلنے والوں کی بھی بھیڑ تھی۔ اسی لیے وہ چلتے چلتے ٹھہر جاتی تھی۔ اسی بھیڑ میں کچھ من چلے بھی تھے جو موقع سے فائدہ اٹھا کر ذرا ٹکر مارنے سے نہیں چوکتے تھے ایسے ہی وقت وہ ایک دم سے ٹھٹک گئی۔ سامنے سے جانی آتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ پہلے تو گھبرائی پھر دماغ نے سمجھایا۔ پریشان ہونے کی بات نہیں ہے چہرے پر نقاب ہے جانی اسے پہچان نہیں سکے گا۔ اسے چپ چاپ سر جھکا کر اس کے قریب سے گزر جانا چاہئے۔

وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگی۔ ادھر سے وہ تیزی سے بڑھتا آ رہا تھا۔ ایک جگہ دونوں آمنے سامنے آئے۔ وہ کترا کر جانے لگی جانی چپ چاپ کھڑا برقعے کو غور سے دیکھتا رہا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر جرات نہیں ہو رہی تھی۔ صرف بادامی برقعے کو پہچان کر وہ کسی غیر عورت کو مخاطب نہیں کر سکتا تھا۔ اگر برقعے والی بھڑک جاتی اعتراض کرتی تو آس پاس کے لوگ اس کی پٹائی بھی شروع کر دیتے۔ وہ ہچکچاتا رہ گیا۔ فرزانہ آگے بڑھ گئی۔ جب وہ کچھ دور نکل گئی تو وہ اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ فرزانہ نے پلٹ کر نہیں دیکھا اگر ایک بار بھی دیکھ لیتی تو اس کے شبہ کو تقویت پہنچتی اس لیے وہ سیدھی چلتی ہوئی اپنی ڈسپنسری کے دروازے پر پہنچی پھر اسے کھول کر اندر آ گئی۔ جانی نے سر اٹھا کر بورڈ کو پڑھا لکھا تھا۔ "لیڈی ڈاکٹر نفے واسطی"

اس نے سوچتے ہوئے سر جھکا لیا۔ دوسرے ہی لمحے پھر چونک کر بورڈ کی طرف دیکھا۔ لیڈی ڈاکٹر نفے واسطی کا نام پڑھ کر اس کے دماغ نے کہا۔ نفے سے فرزانہ بھی ہو سکتا ہے۔

فرزانہ نے اندر پہنچتے ہی دروازے کو بند کر دیا۔ تیزی سے چلتے ہوئے ڈسپنسری کے

بیچ سے گزرتی ہوئی دوسرے کمرے میں پہنچی۔ وہاں اس کی امی بیٹھی ہوئی آلو چھیل رہی تھیں۔ اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ "اچھا ہوا بیٹی تم آ گئیں۔ میں فکر مند تھی کہ دیر کیوں ہو رہی ہے۔"

وہ گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی۔ "امی غضب ہو گیا۔ جانی یہاں تک پہنچ گئے ہیں۔ انہوں نے مجھے یہاں داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا ہے۔"

اس کی امی نے کہا۔ "تعجب ہے۔ تم نے تو برقع پہنا ہوا ہے۔ اس نے تمہیں کیسے پہچانا؟"

"میں آپ کو بعد میں بتا دوں گی۔ ابھی وقت نہیں ہے۔ یہ سوچنا ہے کہ جانی کو کیسے ٹالا جا سکتا ہے؟ اس نے میرا چہرا نہیں دیکھا ہے لیکن یہاں آئے گا تو دیکھ لے گا۔"

اس کی امی نے اسے غور سے دیکھا پھر اس کے برقعے کو چھو کر بولیں۔ "اگر اس نے برقعے کے اندر تمہیں نہیں دیکھا ہے تو فوراً اسے اتارو۔"

"اسے تو اتارنا ہی ہے۔ وہ برقع اتارتے ہوئے بولی۔ "مگر جانی....."

اس کی امی نے کہا۔ "فکر نہ کرو۔ تم کمرے سے باہر نہ آنا میں اس سے نمٹ لوں گی۔"

فرزانہ نے برقع اتار کر ایک طرف رکھا تو اس کی امی نے جلدی سے وہ برقع پہن لیا۔ اس نے تعجب سے پوچھا۔ "یہ کیا؟"

"بس دیکھتی جاؤ۔ میں اسے ٹال کر آتی ہوں۔"

"برقع پہننے کے دوران باہر والے دروازے پر دستک سنائی دی۔ فرزانہ نے گھبرا کر کہا۔ "امی! وہی ہے۔"

"تم نے تو اسے آسیب بنا کر اپنے دماغ میں بٹھا لیا ہے! تم چپ چاپ یہاں بیٹھی رہو۔ میں ابھی آتی ہوں۔ وہ برقع پہنتے ہوئے اس کمرے سے نکل کر ڈسپنسری میں آئیں پھر وہاں سے گزرتے ہوئے انہوں نے بیرونی دروازے کو کھول دیا۔ سامنے جانی کھڑا تھا اور جانی کے سامنے وہ بادامی برقعہ تھا۔ برقعے کا نقاب اب الٹ گیا تھا۔ چہرہ صاف نظر آ رہا تھا اور یہ چہرہ وہ نہیں تھا جس کی تلاش میں وہ بھٹک رہا تھا۔

انہوں نے پوچھا۔ "فرمائیے! کیا آپ بیمار ہیں؟ اگر بیمار ہیں تو ہمیں افسوس ہے

یہاں صرف عورتوں اور بچوں کا علاج ہوتا ہے۔ میں کسی مرد کا علاج نہیں کرتی۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "کیا آپ کا نام......؟"

"میرا نام باہر سائن بورڈ پر لکھا ہوا ہے اگر آپ پڑھنا نہ جانتے ہوں تو میرا نام لیڈی ڈاکٹر فرزانہ واسطی ہے۔ پورا نام معلوم کرنا چاہو تو فرزانہ واسطی۔"

ایسا کہتے وقت وہ جانی کو غور سے دیکھ رہی تھیں۔ اس کے جبڑے سخت ہو گئے تھے جیسے وہ اپنے جوش اور جذبے کو اور غصے کو اندر ہی اندر کچل رہا ہو۔ دانتوں تلے پیس رہا ہو۔ اس کی آنکھیں ایسی اداس تھیں جیسے وہ دنیا کے اتنے بڑے صحرا میں اپنی محبت کو تلاش کرتا پھر رہا ہو اور مایوس ہو کر چپ چاپ صدمہ برداشت کر رہا ہو۔ رونا چاہتا ہو مگر مردانگی اسے رونے سے روکتی ہو۔

انہوں نے سوال کیا۔ "کچھ اور پوچھنا ہے یا دروازہ بند کر دوں؟"

جانی نے ان سے نظریں ملائیں پھر بڑے کرب سے بولا۔ "آپ بوڑھی خاتون ہیں میں آپ کو ماں کے برابر سمجھتا ہوں۔ ماں جی! یہ تو بتایئے اتنے بڑے کراچی شہر میں کتنی ہی فرزانائیں ہیں۔ مجھے ہر فرزانہ ملتی ہے مگر وہ نہیں ملتی؟"

اس کی وہ بات ایک سوال ہی نہیں تھی اس کا لہجہ بھی ایسا سوالی تھا کہ وہ سر سے پاؤں تک دروازے پر کھڑا ہوا بھکاری لگ رہا تھا۔ کبھی کبھی صحیح دروازے پر بھیک اور صحیح راستے پر منزل نہیں ملتی۔

انہوں نے کہا تمہاری باتوں سے پتا چلتا ہے کہ تم کسی فرزانہ کو تلاش کر رہے ہو۔ بیٹے! کچھ نام ایسے ہوتے ہیں جو بہت عام ہوتے ہیں۔ ایک شہر میں ایک ہی نام والے سیکڑوں' ہزاروں کی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔"

"یہی تو مشکل ہے کہ جسے ہم پانا چاہتے ہیں' اسے پا نہیں سکتے۔"

"میں کیا کر سکتی ہوں؟ اب جاؤ۔"

یہ کہہ کر وہ دروازہ بند کرنے لگیں۔ جانی نے بند ہونے والے دروازے کو دونوں ہاتھوں سے روکتے ہوئے کہا۔ "بس ایک بات اور پوچھنا چاہتا ہوں۔ آپ ناراض نہ ہوں۔ کیا آپ اصلی فرزانہ ہیں؟"

وہ ایک دم سے گھبرا گئیں پھر جلدی سے سنبھل کر بولیں۔ "کیا مطلب؟ تم ایسی بات

کیوں پوچھ رہے ہو؟ کیا میں فرزانہ نہیں ہوں؟"

"آپ فرزانہ ہو سکتی ہیں لیکن کوئی دوسری صورت والی فرزانہ بن کر آتی ہے تو میرے زخم تازہ ہو جاتے ہیں۔ فرزانہ کے نام پر دھوکا دے کر مجھے ایک دوسری عورت سے منسوب کر دیا گیا۔ اب کوئی دوسری عورت میرے سامنے آ کر کہتی ہے کہ وہ فرزانہ ہے تو مجھے شبہ ہوتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ اس کے پیچھے میری اپنی فرزانہ چھپی ہوئی ہے۔"

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں نے تمہاری کسی فرزانہ کو چھپا رکھا ہے؟"

"جی نہیں۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں......"

"انہوں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "تم جو بھی کہنا چاہتے ہو اس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اب تم جا سکتے ہو۔"

یہ کہہ کر انہوں نے دروازے کو ایک جھٹکے سے بند کر کے اندر کی چٹخنی چڑھا دی لیکن وہاں سے ہل نہیں سکیں۔ پتا نہیں کیسی زنجیر تھی کہ ان کے پاؤں میں پڑ گئی تھی۔ وہ ایسے وقت فرزانہ کے سامنے نہیں جانا چاہتی تھیں۔ انہیں ڈر تھا کہ بیٹی کے سامنے جائیں گی تو وہ محسوس کر لے گی کہ ماں نے بھی اس کے درد کو سمجھ لیا ہے۔ وہ کچھ دیر تک چپ چاپ دروازے سے لگی کھڑی رہیں۔ دوسری طرف جانی کھڑا ہوا تھا۔ اس کے قدم بھی اس دروازے کے سامنے جم گئے تھے۔

ڈسپنسری کے اندرونی دروازے پر جو پردہ تھا اس کے پیچھے فرزانہ بہت دیر سے کھڑی ہوئی جانی کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ نظر نہیں آ رہا تھا لیکن اس کی آوازیں اس کے چہرے کو روشن کر رہی تھیں۔ ہائے کیسا دیوانہ ہے؟ کیسے اس کے پیچھے اتنے عرصے سے بھاگتا چلا آ رہا ہے۔ وہ تو سمجھی تھی کہ پچھلی سیٹ پر پھولوں کی پتیاں بکھیر کر آ جائے گی تو وہ اس کے لئے تڑپے گا مگر اسے ڈھونڈتا ہوا اس کے دروازے تک نہیں پہنچ سکے گا لیکن وہ پہنچ گیا تھا۔

اس کی تلاش پر کتنا پیار آ رہا تھا۔ پردے سے نکل کر اس کے آگے مر جانے کو جی چاہتا تھا اور اس کی دیوانگی سے کتنا خوف آ رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا اگر وہ بھاگ کر کسی کمرے کے کونے میں جا کر نہیں چھپے گی تو وہ آ کر اسے دبوچ لے گا اس نے ایک تصویر دیکھی تھی۔ اس تصویر میں ایک شیر چھلانگ مار کر ایک بکری کو دبوچ رہا تھا۔ وہ ایسا منظر

تھا کہ اس سے خوف آتا تھا لیکن جیسی درندگی سے شیر بکری کو دبوچ لیتا ہے وہ شاید اچھا لگتا ہے اگر اچھا نہ لگتا تو اس کی تصویر جگہ جگہ لگی ہوئی نظر نہ آتی کہ جب درندگی اچھی لگتی ہے تو پھر اس سے خوف کیوں آتا ہے؟

وہ خیالات سے چونک گئی۔ اس کی امی پردہ ہٹا کر اندر آئیں۔ انہوں نے آہستگی سے کہا۔ "شاید وہ چلا گیا ہے۔"

جانے کیوں فرزانہ کو یقین نہیں آیا کہ وہ چلا گیا ہے۔ دیوانہ کیسے جائے گا۔ وہ یقین کرنے کے لئے تیزی سے چلتے ہوئے کمرے کی اس کھڑکی کے پاس آئی جو باہر سڑک کی طرف کھلتی تھی۔ اس کھڑکی پر آہنی جالیاں لگی ہوئی تھیں۔ اس پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ اس نے کھڑکی کے پٹ کھول کر پردے کو ذرا سا ہٹا کر باہر کی طرف دیکھا۔ سڑک پر بہت بھیڑ تھی۔ ابھی تک ٹریفک کا ہجوم تھا۔ گاڑیوں کے مسلسل ہارن کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ ٹریفک کانسٹیبل سیٹی پر سیٹی بجا رہا تھا۔ لوگ آجا رہے تھے۔ ان میں جانی کہیں نظر نہیں آیا اگر وہ ابھی تک بیرونی دروازے کے پاس کھڑا ہوگا تو دروازے کا وہ حصہ کھڑکی کی طرف سے نظر نہیں آتا تھا۔

باہر کھڑے ہوئے جانی نے بند دروازے کو دیکھ کر ایک گہری سانس لی پھر وہاں سے پلٹ کر بوجھل قدموں سے جانے لگا۔ جب وہ اس دروازے سے چند قدم کا فاصلہ طے کر کے ایک جگہ ٹھہر گیا تو کھڑکی کے پاس پردے کے پیچھے کھڑی فرزانہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ اب وہ نظر آ رہا تھا۔ وہ سر اٹھا کر اس سائن بورڈ کو پڑھ رہا تھا۔

دیوانہ وہاں سے جانا چاہتا تھا مگر وہ فریب اسے روک رہا تھا دل کہتا تھا کہ جو بھی اجنبی فرزانہ آتی ہے اس کے پیچھے اس کی فرزانہ چھپی ہوتی ہے۔ وہ کیا کرے؟ تقدیر اس کے گلے میں محبت کا پھندا ڈال کر اسے محبوب کی گلیوں میں گھسیٹتی پھر رہی تھی۔

وہ کیا کرے؟ محبت ایک چڑیل بن گئی تھی اور یادوں کے تیز ناخنوں سے اسے نوچ کھسوٹ رہی تھی۔

وہ وہاں سے جانے کے لئے آگے بڑھا پھر رک گیا۔ اس گلی کی ہوا اس کے کانوں میں منتر پڑھ رہی تھی۔

اس نے پھر سائن بورڈ کی طرف دیکھا۔ ایک گہری سانس کھینچی۔ وہ سانس لیتا تھا تو

سینے میں اس کے نام کی خوشبو بھر جاتی تھی، اور اس کا سینہ جلنے لگتا تھا۔ وہ دودھ کا جلا تھا، اب خوشبو سے بھی جل جاتا تھا۔

فرزانہ کو یوں لگا جیسے وہ اندھی ہو رہی ہے۔ کھڑکی کے باہر کا منظر دھندلا رہا تھا۔ آہستہ آہستہ مٹ رہا ہے۔ اس نے جلدی سے اپنے دوپٹے کے آنچل کو آنکھوں پر رکھ لیا۔ آنچل آنسوؤں سے بھیگ گیا۔ آنکھیں پونچھنے کے بعد پھر اس نے دیکھا تو منظر صاف تھا۔ اب وہ وہاں سے واپس جا رہا تھا اور سڑک کو پار کر رہا تھا۔ بھیڑ میں گم ہو رہا تھا اور گم ہوتے ہوئے بالکل مٹ گیا تھا۔ تب فرزانہ کی آنکھیں ڈھیر سارے آنسوؤں سے بھر گئیں۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے منہ کو چھپا لیا۔ اور بے اختیار سسک سسک کر رونے لگی۔

تھوڑی دیر بعد اسے اپنے شانے پر ماں کا ہاتھ محسوس ہوا۔ اس نے جلدی سے آنکھیں پونچھتے ہوئے پلٹ کر دیکھا۔ کمرے میں گہری تاریکی تھی۔ وہ اپنی امی سے لپٹ گئی۔ اس کی امی نے زبان سے کچھ نہیں کہا۔ اپنے ہاتھ سے ہولے ہولے اس کی پیٹھ کو تھپکنے لگیں۔ تھوڑی دیر بعد اس نے پوچھا۔ "امی اندھیرا کیوں کر دیا؟"

"بیٹا! تم کھڑکی کے پاس کھڑی ہوئی تھیں۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں باہر سے نظر نہ آ جاؤ۔ وہ چلا گیا ہے نا؟"

اس کے منہ سے ایک سرد آہ نکلی۔ بات نہیں نکلی۔ جواب تو نکل ہی گیا۔ اس کی امی نے آگے بڑھ کر پہلے کھڑکی کے پٹ بند کیے، پردے کو درست کیا۔ اس کے بعد لائٹ آن کر دی۔ روشنی ہوتے ہی انہوں نے پوچھا۔ "کیا رخسانہ کا خط لے آئی ہو؟"

فرزانہ نے سینٹر ٹیبل کی طرف اشارہ کیا۔ وہاں نیلے رنگ کا ایک لفافہ رکھا ہوا تھا۔ اس کی امی نے آگے بڑھ کر اسے اٹھایا۔ لفافے پر خوش خطی سے رخسانہ کا نام لکھا ہوا تھا۔ یوں لگتا تھا، کسی نے بڑے پیار سے اس نام کو لکھا ہے۔ اسی لفافے کے ایک گوشے میں جمشید کا نام تھا۔ اس کی امی نے پوچھا۔ "اس خط میں کیا لکھا ہے؟"

فرزانہ نے کہا۔ "میں کیا بتاؤں۔ لفافہ بند ہے جو کچھ مجھے زبانی بتایا گیا ہے وہ میں نے آپ کو بتا دیا۔ جمشید اس کے چہرے کی پلاسٹک سرجری کرانا چاہتا ہے۔ کب کرانا چاہتا ہے اس میں کیا اخراجات ہوں گے اور رخسانہ کو اس سلسلے میں کیا کرنا ہوگا یہ تو اس

خط کو پڑھنے کے بعد ہی معلوم ہو سکتا ہے اور ہمیں کسی کا خط نہیں پڑھنا چاہیے۔"

"میں یہ لفافہ لے جا کر رخسانہ کو دوں گی اسی سے پوچھ لوں گی۔"

فرزانہ نے آگے بڑھ کر کہا۔ "اب آپ یہ لفافہ لے کر رخسانہ کے پاس کیسے جائیں گی؟ جانی نے ابھی آپ کو برقعے میں بے نقاب دیکھا ہے۔"

اس کی امی نے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "ہائے بیٹی! یہ تو میں بھول ہی گئی تھی۔ میں نے تو اپنا چہرہ دکھا دیا ہے۔ اب وہاں سامنا ہو گا تو....." وہ کہتے کہتے رک گئیں پھر سوچ کر بولیں۔ "میں ناظم آباد والے مکان میں جاؤں گی۔ پہلے کسی پڑوسی کے ہاں جا کر بیٹھوں گی۔ وہاں دیکھوں گی کہ جانی نہیں ہے اس کی ٹیکسی نظر نہیں آ رہی ہے تو چپ چاپ رخسانہ کے والدین کے پاس جاؤں گی اور یہ لفافہ انہیں دے دوں گی اور انہی سے معلوم کروں گی کہ اس میں کیا لکھا ہے؟"

جانی سڑک کو پار کر کے لوگوں کی بھیڑ سے گزرتا ہوا اپنی ٹیکسی کے پاس پہنچا وہاں بھی بہت سی گاڑیاں ایک دوسرے کے پیچھے کھڑی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ ٹیکسی کے پاس ٹریفک پولیس کا ایک سارجنٹ اور دو سپاہی کھڑے ہوئے تھے۔ جب وہ اپنی ٹیکسی کا دروازہ کھولنے لگا تو سپاہی نے آگے بڑھ کر کہا۔ "یہ تمہاری ٹیکسی ہے؟ چلو اپنے کاغذات نکالو۔"

وہ اپنے کاغذات نکالنے لگا۔ دور کھڑے ہوئے سارجنٹ نے غصے سے چیخ کر کہا۔ "ابے او لاٹ صاحب کے بچے! یہ ٹیکسی کھڑی کرنے کی جگہ ہے۔ سالے جہاں دیکھتے ہیں ٹیکسی کھڑی کر دیتے ہیں۔"

جانی سالے کا لفظ سن کر بھنا گیا۔ اس نے دانت پیس کر سارجنٹ کی طرف دیکھا پھر بڑے ضبط سے کام لیتے ہوئے بولا۔ "جناب! میں نے گاڑی کنارے پر کھڑی کی ہے۔ ایک ضروری کام سے ادھر گیا تھا۔"

"یہ گاڑی پارک کرنے کی جگہ نہیں ہے۔ تم دیکھ رہے ہو کہ یہاں گاڑی کھڑی نہ کرتے تو کتنی ہی گاڑیاں ادھر سڑک کے کنارے سے ہو کر گزر جاتیں۔"

وہ ادب سے بولا۔ "جناب! اگر یہاں گاڑی کھڑی نہیں ہو سکتی تو دوسری گاڑیاں بھی یہاں سے نہیں گزر سکتیں۔ کیونکہ یہ تو پیدل چلنے والوں کی جگہ ہے۔"

"ابے سالے! مجھ سے بحث کرتا ہے۔"

یہ کہہ کر سارجنٹ نے ایک ایسی گالی دی کہ جانی سے برداشت نہ ہو سکا بے اختیار اس کا ہاتھ گھوم گیا۔ سارجنٹ کے منہ پر ایک گھونسا پڑا پھر دو چار گھونسے پڑتے چلے گئے۔ سپاہی دوڑتے ہوئے آئے اور جانی کو دونوں طرف سے پکڑ لیا۔ اس وقت تک اچھی خاصی بھیڑ لگ چکی تھی کہ جو گاڑیاں رکی ہوئی تھیں ان کے ڈرائیور ادھر آنے لگے۔ اچھی خاصی بحث ہو رہی تھی۔ شور ہو رہا تھا۔ جانی چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ "ہم گاڑیاں چلاتے ہیں۔ اپنی عزت نہیں بیچتے۔ تم قانون کو سنبھالتے ہو مگر منہ سے گالیاں نکالتے ہو کیا ہم اتنے گرے ہوئے لوگ ہیں کہ تمہاری گالیاں سنیں گے؟ تم شریف آدمی ہو۔ کیا گالی کے بغیر بات نہیں کر سکتے؟"

اس کی چیخ پکار کا مطلب دوسرے ڈرائیور بھی سمجھ رہے تھے اور اس کی حمایت میں بول رہے تھے۔ وہاں کچھ اور پولیس والے بھی آ گئے لیکن ڈرائیوروں کی تعداد زیادہ تھی۔ وہ ادھر سارجنٹ کے خلاف نعرے لگا رہے تھے اور دھمکیاں دے رہے تھے کہ اگر اس نے جانی سے معافی نہ مانگی تو وہ سب ہڑتال کر دیں گے اور اپنی یونین کے ذریعے مطالبہ پیش کریں گے کہ پولیس والوں کو ڈرائیوروں سے دوستانہ رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ اگر کوئی گالی دیتا ہے تو اس کا محاسبہ کرنا چاہیے۔ وہاں طرح طرح کی باتیں ہو رہی تھیں۔

پولیس سارجنٹ کی پوزیشن کمزور ہو چکی تھی۔ دوسرے پولیس والے بیچ بچاؤ اور سمجھوتے پر اتر آئے تھے۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد سمجھوتا ہو گیا۔ سارجنٹ نے دبی زبان سے معافی مانگی پھر آہستہ آہستہ بھیڑ چھٹنے لگی۔ گاڑیاں گزرنے لگیں۔ راستہ صاف ہونے لگا۔

جانی اپنی ٹیکسی کے اسٹیرنگ پر آ کر بیٹھا تو اس وقت رات کے دس بج رہے تھے۔

جہاں اس کی ٹیکسی کھڑی ہوئی تھی وہاں سے تقریباً ڈیڑھ سو گز کے فاصلے پر ڈاکٹر نفے واسطی کا کلینک نظر آ رہا تھا۔ اس نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ اسے آہستگی سے آگے بڑھایا پھر ایک جھٹکے سے روک دیا۔ انجن کو بند کر دیا۔ کیونکہ کلینک کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہاں سے کوئی عورت باہر آ رہی تھی۔ جانی نے بڑی توجہ سے بڑی حیرانی سے دیکھا اگرچہ وہاں کافی فاصلہ تھا مگر جانی کی نظریں تیز تھیں۔ وہ اچھی طرح پہچان سکتا تھا۔ وہ وہی عورت

تھی جو بادامی برقعے میں اس کے سامنے دروازہ کھول کر کھڑی ہوئی تھی اور خود کو لیڈی ڈاکٹر نے واسطی بتایا تھا۔ یقیناً وہ لیڈی ڈاکٹر ہو گی اور فرزانہ واسطی بھی ہو گی لیکن گھر میں تو وہ برقع پہن کر لی تھی اور اب برقعے کے بغیر باہر نکلی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک ننھی سی بالٹی تھی جس میں اکثر لوگ چائے یا دودھ خرید کر لاتے ہیں اور وہ سامنے ہی ایک دودھ والے کی دکان پر جا رہی تھی۔

جانی اسٹیرنگ سیٹ پر چپ چاپ بیٹھا تعجب سے اس عورت کو دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ جو عورت بادامی برقع پہن کر باہر سے آئی تھی اس کلینک کے دروازے سے اندر گئی تھی وہی عورت دروازہ کھٹکھٹانے کے بعد اس کے سامنے برقعے میں بے نقاب آئی تھی' اور اب وہی عورت برقع گھر میں اتار کر بے پردہ دودھ خریدنے کے لیے سامنے ایک دکان پر گئی تھی یہ کیسا پردہ تھا؟

وہ سوچتا رہا اور ونڈ اسکرین کے پار اس خاتون کو دیکھتا رہا۔ اب وہ دودھ خریدنے کے بعد واپس جا رہی تھی پھر وہ کلینک کے دروازے کو کھول کر اندر چلی گئی۔ اب دروازہ بند ہو گیا۔

وہ اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔ ایک بات تو یہ سمجھ میں آ رہی تھی کہ جو عورتیں غلط قسم کی ہوتی ہیں وہ محلے سے باہر برقع پہن کر جاتی ہیں اور جب برقعے کی ضرورت نہیں ہوتی تو بے پردہ محلے کے اندر گھومتی ہیں یا کچھ عورتیں ایسی ہوتی ہیں جو باہر تو پردہ کرتی ہیں لیکن گھر کے آس پاس والی دکانوں میں ایسے ہی سر پر چادر ڈال کر کچھ خریدنے کے لیے نکل جاتی ہیں اگرچہ ان خاتون نے سر پر چادر بھی نہیں ڈالی تھی مگر سر پر دوپٹہ تھا اور وہ سر جھکائے دودھ خریدنے گئی تھیں اور اسی طرح واپس چلی گئی تھیں۔ جانی خواہ مخواہ ان کے متعلق کوئی غلط رائے قائم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسی لیے وہاں بیٹھا سوچتا رہا کہ خاتون ایک بار پردہ کرتی ہیں اور دوسری بار پردہ نہیں کرتیں۔ اس کا مطلب کیا ہے؟ مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔ اس نے خود پر لعنت بھیجتے ہوئے سوچا' میں گدھا ہوں خواہ مخواہ وقت ضائع کر رہا ہوں۔ فرزانہ اس بادامی برقعے میں بڑا بورڈ کے ٹیکسی اسٹینڈ سے سوار ہوئی تھی وہ یقیناً وہیں آس پاس کہیں رہتی ہے' یہاں وہ کیسے آ جائے گی۔ یہاں دوسری لیڈی ڈاکٹر ہے جس کی صورت میں دیکھ چکا ہوں۔ میں کیوں اپنا وقت برباد کر رہا

ہوں۔

اس نے ٹیکسی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی اور سوچا گیا کہ اگر میں شام ہی کو بڑا بورڈ کے ٹیکسی اسٹینڈ پر پہنچ جاتا تو شاید وہ نظر آ جاتی اب تو اتنی رات ہو گئی ہے وہ گھر سے نہیں نکلے گی۔ اب ادھر جانا بے کار ہے۔

وہ ڈرائیو کرتا ہوا گھر کی طرف جانے لگا۔ اب وہ جیسے جیسے فرزانہ کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اس کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔ اس نے کیسا دھوکا دیا تھا۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھی رہی تھی۔ اسے مخاطب نہیں کیا تھا اور جانے سے پہلے پھولوں کی پتیاں بکھیر کر چلی گئی تھی اسے ایک اور چرکا لگایا تھا۔ اس کا مذاق اڑایا تھا اسے بے وقوف بنایا تھا۔ اسے چیلنج کیا تھا کہ آؤ مجھے ڈھونڈ لو' مجھے پکڑ لو۔ میں چھپتی رہوں گی' تم بے وقوف بنتے رہو گے اور میں بے وقوف بناتی رہوں گی۔

جب وہ اپنے مکان کے احاطے میں پہنچا تو غصے سے تلملا رہا تھا۔ اپنے آپ کو کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے چہرے سے رخسانہ اس کے اندرونی جذبوں کو پڑھ لے۔ اسے بیوی کی ذہانت سے ڈر لگتا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک ٹیکسی کے اندر بیٹھا رہا۔ اپنے غصے کو ضبط کرتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد کمرے کی کھڑکی کھلی۔ رخسانہ کا آدھا چہرہ نظر آیا۔ آدھا چہرہ سفید پٹیوں میں چھپا ہوا تھا۔ اس نے آواز دی۔ "جانی! کیا ٹیکسی میں بیٹھے بیٹھے سو گئے۔ تمہاری گاڑی کی آواز سن کر میں یہی سمجھ رہی ہوں کہ تم آ کر دروازہ کھٹکھٹانے والے ہو۔ کہاں ہو تم؟"

باہر اندھیرا تھا۔ کھڑکی سے باہر جانے والی روشنی ٹیکسی تک نہیں پہنچ رہی تھی اور ٹیکسی کے اندر بھی تاریکی تھی۔ اس لیے جانی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے جواب دینے کے لیے منہ کھولا پھر غصے سے بند کر لیا اس بار غصہ اس لیے آیا کہ رخسانہ کے ساتھ اس کی ساس کا چہرہ بھی نظر آ رہا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "بیٹی! ٹیکسی کا سامنے والا دروازہ کھلا ہوا لگتا ہے۔ شاید وہ ٹیکسی یہاں چھوڑ کر چلا گیا ہے۔"

"نہیں امی! وہ ٹیکسی روکتے ہی پہلے میرے پاس آتے ہیں اپنے بیٹے کو پیار کرتے ہیں وہ ایسے کہیں نہیں جائیں گے۔"

"تم تو میری بات جھوٹ سمجھتی ہو اگر وہ ہوتا تو جواب بھی دیتا۔ وہاں تو خاموشی

ہے۔"

رخسانہ نے کہا۔ "میں جا کر دیکھتی ہوں۔"

وہ کھڑکی کے پاس سے پلٹ کر جانا چاہتی تھی اتنے میں بچہ رونے لگا وہ بچے کے پاس گئی پھر اسے اٹھا کر تھپکنے لگی۔ "امی! آپ جا کر ذرا دیکھیں۔"

"بیٹی! مجھے تو معاف کرو۔ مجھے اس سے بہت ڈر لگتا ہے۔"

اس نے بچے کو اٹھا کر سینے سے لگا لیا۔ "اب میں دودھ چھڑا کر کیسے جاؤں؟ آپ کچھ تو خیال کریں۔ ڈرنے کی کیا بات ہے وہ آپ کو کھا تو نہیں جائیں گے۔ پلیز، امی جائیے۔ شاید وہ نشے میں ہوں گے اس لیے جواب نہیں دے رہے ہیں۔ اگر نشے میں ہوں۔ آپ کو ڈر لگے تو آپ واپس آجائیے گا۔ میں اسے سلانے کے بعد انہیں لے آؤں گی۔"

اس کی امی انکار نہ کر سکیں۔ کھڑکی کے پاس سے پلٹ کر دروازے کی طرف جانے لگیں۔ ادھر جانی نے جب دیکھا کہ اس کی ساس کھڑکی کے پاس سے ہٹ گئی ہے۔ اب نظر نہیں آ رہی ہے تو اس کا غصہ کچھ کم ہوا۔ وہ ٹیکسی سے باہر آنا چاہتا تھا۔ اتنے میں برآمدے کی لائٹ آن ہو گئی۔ وہ رک کر ادھر دیکھنے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ رخسانہ اس کے پاس آ رہی ہے۔ اچھا ہے یہاں تنہائی ہے۔ اطمینان سے باتیں ہوں گی۔ ان کے درمیان ساس نہیں ہو گی۔

لیکن برآمدے کی روشنی میں ساس کا وجود نظر آیا۔ وہ ڈرتے ڈرتے قدم بڑھاتے ہوئے اس کی طرف آ رہی تھی۔ جانی نے دانت پیس کر انہیں دیکھا پھر سیٹ کی پشت سے سر ٹیک کر ایک دم سے ساکت ہو گیا۔ اپنے دیدے پھیلا لیے منہ کو تھوڑا سا کھول لیا۔ یوں ساکت ہو گیا جیسے دم سے ساکت ہو گیا ہو۔ وہ آہستہ آہستہ سہمے ہوئے انداز میں ٹیکسی کے قریب آ کر رک گئیں۔ دور ہی سے آواز دی۔ "جانی، بیٹے جانی.....!"

آواز دے کر وہ چپ ہو گئیں۔ جواب کا انتظار کرنے لگیں۔ اب جانی قریب سے نظر آ رہا تھا کہ اس کا سر سیٹ کی پشت سے ٹکا ہوا ہے اور وہ بے حس و حرکت پڑا ہوا ہے۔ ان کی سمجھ میں آیا کہ وہ شاید نشے میں ہے وہ اور قریب آئیں۔ دروازے کے پاس پہنچ کر آواز دی۔ "بیٹا! کیا آج پھر کوئی نشہ کیا ہے؟ دیکھو! یہ بری عادتیں ہیں۔ میں تمہاری ماں کے برابر ہوں۔ تمہیں سمجھاتی ہوں کہ ایسی عادتیں چھوڑ دو۔"

جانی کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا وہ ذرا انتظار کرنے کے بعد اور آگے بڑھ آئیں، بالکل قریب آ گئیں۔ اب وہ اسے ہاتھ لگا کر دیکھ سکتی تھیں لیکن ہاتھ لگاتے ہوئے ڈر لگتا تھا۔ وہ اس کے قریب جھک گئیں۔ گہری سانس لے کر سونگھنے لگیں کہ شراب کی بو آ رہی ہے یا نہیں؟

بو نہیں آ رہی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ شراب نہیں پی ہے۔ انہوں نے غور سے اس کے چہرے کو دیکھا پھر ایک دم سے سہم کر اور توجہ سے اسے دیکھنے لگیں۔ دیدے پھیلے ہوئے تھے۔ منہ کھلا ہوا تھا۔ وہ بالکل ساکت نظر آ رہا تھا۔ انہوں نے لرزتی ہوئی آواز میں پریشان ہو کر پوچھا۔ "جانی! کیا ہوا ہے تمہیں؟ تم بولتے کیوں نہیں تم حرکت کیوں نہیں کرتے؟"

وہ اسی طرح بے حس و حرکت پڑا رہا تب ان کے دماغ نے سمجھایا کہ وہ مر چکا ہے ان کا داماد اب اس دنیا سے اٹھ گیا ہے ان کی بیٹی بیوہ ہو گئی ہے۔ وہ ایک دم سے اپنے سینے پر ہاتھ مار کر بولیں۔ "ہائے! کیا تم... تم..... تم... مر گئے ہو؟"

ایسا کہنے کے بعد انہیں اپنی حماقت کا احساس ہوا کہ جو مر گیا ہے اس سے اس کی موت کے متعلق پوچھ رہی ہیں۔ وہ وہاں سے پلٹ گئیں اور چیخ مار کر کہا۔ "ہائے! میری بچی کا سہاگ....."

لیکن بات ادھوری ہی رہ گئی کیونکہ پیچھے سے مردے نے اس کی قمیص کے دامن کو پکڑ لیا تھا۔ ان کی گھگھی بندھ گئی۔ وہ تھر تھر کانپتے ہوئے ذرا سا سر گھما کر دیکھنے لگیں۔ مردہ دانت پیس کر کہہ رہا تھا۔ "تم کیا سمجھتی ہو، میں مرنے کے بعد تمہارا پیچھا چھوڑ دوں گا، ہرگز نہیں۔ تمام زندگی نفرت کرتا رہوں گا اور مرنے کے بعد تم سے اتنی محبت کروں گا کہ میری روح تمہارا پیچھا کرتی رہے گی۔ دنیا کے کسی داماد نے اپنی ساس سے اتنی محبت نہیں کی ہو گی۔"

انہوں نے ایک جھٹکے سے اپنے دامن کو چھڑایا پھر وہاں سے دوڑتے ہوئے اور بڑبڑاتے ہوئے جانے لگیں۔ "لعنت ہے ایسے آدمی پر۔ خدا دشمن کو بھی ایسا داماد نہ دے۔ یہ تو میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا ہے۔"

جب وہ دروازے پر پہنچیں تو رخسانہ نے پوچھا۔ "کیا ہوا امی؟"

"ہو گا کیا۔ وہ تو زندہ ہے۔"

"کیا؟" رخسانہ نے پہلے تو حیرانی سے انہیں دیکھا پھر غصے سے بولی۔ "یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں ہوش میں تو ہیں۔"

"وہ ہوش میں کب رہنے دیتا ہے مردے کی طرح گاڑی میں پڑا ہوا تھا۔ میں نے قریب جا کر اتنا ہی پوچھا کیا مر گئے ہو۔ بس اس نے مجھے پکڑ لیا اور کہنے لگا مرنے کے بعد بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔"

رخسانہ غصے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی پھر پاؤں پٹختے ہوئے قریب آ کر بولی۔ "آپ نے ان سے کہا کہ وہ مر گئے ہیں۔ کیا آپ میری دشمن ہیں۔ کیا آپ یہی سوچتی رہتی ہیں کہ میرا سہاگ اجڑ جائے اگر آپ کی جگہ کوئی دوسری ہوتی تو میں کیا بتاؤں کہ میں کیا کرتی۔ آپ میرے سامنے سے چلی جائیں۔"

وہ غصے سے بولیں۔ "ہائے بیٹی تم بھی میری دشمن بن گئی ہو کیا مرد پایا ہے کہ اس کے لیے ماں کی ممتا کو بھی بھلا رہی ہو۔ میں کیا پاگل ہوں کہ تمہارے پاس آ کر رہتی ہوں۔ تمہاری تنہائی کا خیال کرتی ہوں بچے کے لیے سوچتی ہوں کہ کہیں تمہیں پریشان نہ کرے۔ دن رات تم لوگوں کی خدمت کرتی ہوں۔ اس کا صلہ مجھے یہ ملتا ہے۔ یا اللہ مجھے اس دنیا سے اٹھا لے۔ میں مر جاؤں گی تو میری بیٹی کے کلیجے کو ٹھنڈک پہنچے گی۔"

جانی کی آواز سنائی دی۔ "کیسے ٹھنڈک پہنچے گی۔ کیا مرنے کے بعد آپ ایئر کنڈیشنڈ بن جائیں گی۔"

اس کی آواز سنتے ہی وہ منہ پھیر کر باورچی خانے کی طرف چلی گئیں وہ اندر آ گیا۔ رخسانہ نے اس کے بازو کو تھام کر کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ امی نے تمہارے بارے میں ایسے الفاظ استعمال کیے۔ وہ کبھی کبھی ایسی ہی الٹی سیدھی باتیں کرتی ہیں مگر جانی یہ تمہاری کیا حرکت تھی۔ میں کھڑکی سے آوازیں دے رہی تھی اور تم جواب نہیں دے رہے تھے۔"

وہ بچے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ "بس میرا موڈ ٹھیک نہیں تھا۔ تم جانتی ہو کہ ایسے وقت میں جواب نہیں دیتا۔ خاموش رہتا ہوں۔"

اس نے بچے کو بستر سے اٹھا لیا اور اسے پیار کرنے لگا۔ رخسانہ خوش ہو کر اسے دیکھ

رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔ موڈ خراب کیوں تھا؟"

"پولیس والوں سے جھگڑا ہو گیا تھا۔ کیا مستری چاچا یہاں آئے تھے؟"

مستری چاچا کا نام سنتے ہی رخسانہ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ وہ تھوڑی دیر چپ رہی پھر اس نے پوچھا۔ "کیا وہ یہاں آنے والے تھے؟"

"ہاں' آج دن کے وقت وہ عالم صاحب سے ملنے گئے تھے۔ میں نے کہا جانے کی ضرورت نہیں ہے وہ مجھے سمجھانے لگے کہ جھوٹ ہو' سچ ہو' فریب ہو یا نہ ہو۔ اس کے متعلق انسان کو پورا علم رکھنا چاہیے۔ آدمی جھوٹ سے گزر رہا ہے یا سچ کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ اس کے سامنے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہونا چاہیے۔"

وہ بچے سے کھیلتے ہوئے بستر پر بیٹھ گیا۔ رخسانہ نے اس کے پاس بیٹھ کر اس کے شانے پر سر رکھ کر کہا۔ "جانی اس روز تم نے مستری چاچا کے سامنے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ کسی حال میں بھی مجھے نہیں چھوڑ سکتے۔ اس طرح دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو چکا ہے پھر کیا رہ گیا؟"

"دیکھا جائے تو کچھ نہیں رہا مگر دیکھو میں تمہیں سمجھا نہیں سکتا کیونکہ تم مجھ سے زیادہ سمجھدار ہو۔ ہم چرائے ہوئے گاڑی کے پرزے کو بہت سستے داموں خرید کر اپنی گاڑی کو چلنے کے قابل بنا دیتے ہیں۔ گاڑی چلتی رہتی ہے لیکن اس چل چلاؤ میں وہ جو چوری اور بے ایمانی کا پرزہ لگا ہوتا ہے وہ تو اپنی جگہ موجود رہتا ہے نا۔ اسی طرح ہماری تمہاری زندگی پیار و محبت سے چلتی رہے گی لیکن جس جھوٹ اور فریب سے نکاح پڑھایا گیا تھا وہ فریب ہمیشہ ہماری ازدواجی زندگی کے پیچھے قائم رہے گا۔ وہ مٹ نہیں سکتا۔"

"کیا تم بھول نہیں سکتے؟"

"کیا تم بھول سکتی ہو؟ کیا تنہائی میں کبھی یہ یاد نہیں آتا ہو گا کہ ہمارا نکاح کیسے پڑھایا گیا تھا جب تم ہم زندہ ہیں جب تک ہماری اولاد اللہ کے کرم سے سلامت رہے گی تب تک کیا ہمارے نکاح کی بات جاری نہیں رہے گی؟ کیا وہ بھلا دی جائے گی۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا جانی کہ تم مجھے قبول تو کر رہے ہو مگر اس غلطی کو معاف نہیں کر رہے ہو۔"

تم میرے دل کو نہیں سمجھ سکتیں میں تمہاری غلطیوں کا کبھی حساب نہیں کرتا۔ میں

تمہیں سچے دل سے قبول کرتا ہوں۔ میں تو ایک قاعدے کی بات کر رہا ہوں۔ تم پڑھی لکھی ہو۔ مجھ سے زیادہ سمجھتی ہو۔ وہ جو ایک قاعدہ ہوتا ہے ایک اصول ہوتا ہے۔ وہ اپنی جگہ اٹل رہتا ہے نا؟ اس کو ہم تم کیسے مٹا سکتے ہیں؟"

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ بچہ جانی کی گود میں مسکرا رہا تھا۔ محبت ان دونوں کے درمیان ایک شگوفے کی طرح کھل رہی تھی مگر اس کے پیچھے کہیں سے کانٹا چبھ رہا تھا۔ وہ سر جھکائے وہاں سے آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کمرے سے باہر آئی پھر باورچی خانے میں پہنچ گئی۔ وہاں اس کی امی چٹائی بچھا کر سونا چاہتی تھیں۔ اسے دیکھ کر بڑبڑانے لگیں۔ "یہ جو مرد ہوتے ہیں یہ آسمان کی طرح ہمارے سروں پر قائم نہیں رہتے۔ بادل کی طرح سایہ کرتے ہیں اور گزر جاتے ہیں۔ جب وہ ٹھکرائے گا تب پتا چلے گا کہ ماں کی اہمیت کیا ہوتی ہے۔"

وہ دوڑتی ہوئی آ کر چٹائی پر بیٹھ گئی اور ماں کی گود میں سر رکھ کر رونے لگی۔ انہوں نے سب بھول کر بیٹی کے سر کو سہلاتے ہوئے پوچھا۔ "کیا ہوا میری جان کو؟ کیا ہوا بیٹے؟"

"وہ امی۔ وہ مستری چاچا....."

"ارے اس بڈھے کا نام نہ لو۔ مجھے تو آگ لگ جاتی ہے۔"

"امی ابھی یہ بتا رہے تھے کہ مستری چاچا عالم صاحب سے ملنے گئے تھے۔"

"پھر کیا ہوا؟"

"پتا نہیں کیا ہوا۔ وہ ضروری فتویٰ لے کر آئے ہوں گے۔"

"بیٹی اگر فتویٰ تمہارے خلاف ہوتا تو وہ اب تک تمہارا گھر اجاڑنے کے لیے یہاں پہنچ چکے ہوتے اس وقت رات کے ڈیڑھ بج رہے ہیں۔ وہ گھر میں آرام سے نہیں ہوں گے۔ ان کے دل کی مراد پوری نہیں ہوئی ہے۔ مرجائے وہ بڈھا....."

اپنی اماں کی باتیں سن کر اسے تسلی ہوئی۔ اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا پھر کہا۔ "آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ مستری چاچا دن کے وقت عالم صاحب سے ملنے گئے تھے اور اب یہ وقت ہو گیا ہے میرے خلاف کوئی بات ہوتی تو وہ یہاں ضرور آتے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی باہر گاڑی کی آواز سنائی دی۔ کلیجا دھک سے رہ گیا۔ اس

کی امی نے کہا۔ "شیطان کا نام لو تو وہ فوراً پہنچ جاتا ہے اللہ کرے وہ مرجائے۔ اس کا جنازہ اٹھے۔"

وہ دونوں چٹائی پر سے اٹھ گئیں۔ تیزی سے چلتے ہوئے برآمدے سے گزرتے ہوئے باہر آئیں۔

اس وقت تک جانی بھی بچے کو گود میں لے کر باہر آ گیا تھا۔ تب انہوں نے دیکھا۔ وہ ان کی دوسری ٹیکسی تھی۔ ڈرائیور گاڑی سے نکل کر تیزی سے چلتا ہوا آ رہا تھا۔ قریب آتے ہوئے جانی سے کہہ رہا تھا۔ "استاد بہت بری خبر ہے۔ ہمارے مستری چاچا فوت ہو گئے۔"

یہ بات سنتے ہی رخسانہ کی امی نے خوشی سے چیخ مار کر پوچھا۔ "سچ کیا وہ مر گئے۔"

جانی نے انہیں گھور کر دیکھا۔ وہ ایک دم سے سٹپٹا کر بولیں۔ "ہائے بے چارے کیسے مر گئے۔ کتنے نیک انسان تھے' ابھی تو ان کے ہنسنے' بولنے' کھانے پینے کے دن تھے۔ میرا دل تو باغ باغ میرا مطلب ہے میرا دل گھبرا رہا ہے۔ موت بھی کیا چیز ہے۔ ٹھیک وقت پر آتی ہے۔"

جانی نے ڈرائیور سے پوچھا۔ "تم نشے میں تو نہیں ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں دن کے وقت انہیں ایک عالم صاحب کی طرف چھوڑ کر گیا تھا۔"

"استاد میں نشے میں نہیں ہوں۔ چھوٹو نے مجھے بتایا ہے وہ پیر کالونی کی طرف سے آ رہے تھے۔ ایک ٹرک انہیں دھکا مار کر چلا گیا۔ کچھ لوگ انہیں اٹھا کر اسپتال لے گئے تھے جب انہیں ہوش آیا تو انہوں نے اپنا نام اور پتا بتایا اس کے بعد وہ ہوش میں نہیں آ سکے۔"

جانی نے سوچنے کے انداز میں بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ "اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ وہ ادھر عالم صاحب کے پاس سے واپس آ رہے تھے جبھی ٹرک سے ٹکرا گئے۔ آہ میرے چاچا۔ مجھے ابھی جانا ہو گا۔"

وہ بچے کو رخسانہ کی گود میں دے کر تیزی سے چلتا ہوا اپنی ٹیکسی میں جا کر بیٹھ گیا۔ ٹیکسی اسٹارٹ ہوئی اور مکان کے احاطے سے نکل کر دور چلی گئی۔ دونوں ماں بیٹی کمرے میں آ گئیں پھر ماں نے آہستگی سے کہا۔ "دیکھا عالم صاحب کے پاس سے واپس آ رہے

تھے۔ ہمارے لیے گڑھا کھودنے گئے تھے۔ خود گر گئے۔"

یوں تو رخسانہ کو بھی اندر ہی اندر اطمینان ہو گیا تھا مگر وہ بستر پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"امی' ایسی باتیں نہ کریں۔ ایک دن سب کو مرنا ہے۔"

"مرنا تو ضرور ہے مگر جو کسی کے لئے برائی کرتے ہوئے مرتا ہے اس کے لئے افسوس نہیں ہوتا۔"

رخسانہ سوچنے لگی۔ اس کی امی نے پوچھا۔ "کیا سوچ رہی ہو؟"

"سوچ رہی ہوں۔ پتا نہیں عالم صاحب نے انہیں کیا کہا ہو گا اور وہ ہمیں کیا بتانے آ رہے تھے کہ آ نہ سکے۔"

اللہ جو کرتا ہے اچھے کے لیے ہی کرتا ہے۔ عالم صاحب نے جو بھی فتویٰ دیا ہو گا وہ بڑے میاں کے ساتھ ختم ہو چکا ہے۔ اب ہمارے خلاف کوئی یہ بات نہیں چھیڑے گا۔"

رخسانہ دیوار کو تکتے ہوئے کچھ سوچنے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد بولی۔ "کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو اپنے وقت پر سمجھ میں نہیں آتیں۔ جب وقت گزر جاتا ہے تو عقل آتی ہے۔ بیشک مستری چاچا اب اس دنیا میں نہیں رہے اور یہ بھی اطمینان ہے کہ جانی کو شادی کے جائز ہونے یا ناجائز ہونے کی کوئی پروا نہیں ہے۔ وہ مجھے دل و جان سے چاہتے ہیں پھر بھی میں روتی رہتی ہوں۔"

"بیٹی' اب تو رونا ختم ہو چکا ہے۔ کوئی تمہیں نہیں رلائے گا۔"

"نہیں جب سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔ دنیا کی زبانیں بند ہو جاتی ہیں تو ضمیر کی زبان کھل جاتی ہے' مجھے میرا ضمیر ستائے گا۔ میرے اندر جو ایک بے چینی ہو گی میں اسے لفظوں میں بیان نہیں کر سکوں گی' آپ صرف اتنا سمجھ لیں کہ مستری چاچا حادثے کا شکار ہو کر مر سکتے ہیں مگر ضمیر کو کوئی حادثہ نہیں مار سکتا۔"

دوسرے دن گیارہ بجے جانی واپس آیا۔ اس کی آنکھیں نیند سے سرخ ہو رہی تھیں۔ رات بھر کا جاگا ہوا تھا۔ اب تک اسے سونے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس نے آتے ہی تصدیق کر دی کہ مستری چاچا اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں' ان کے گھر میں ایک کہرام مچا ہوا تھا۔ ان سے محبت کرنے والوں کے لئے یہ ایک بہت بڑا حادثہ تھا۔ شہر کے کتنے ہی ڈرائیور اور گیرج والے ان کی نماز جنازہ میں شریک ہوئے تھے۔

جانی جب تک جاگتا رہا مستری چاچا کے متعلق باتیں کرتا رہا۔ اسے ان کی بے وقت موت کا بہت صدمہ تھا پھر رخسانہ نے اس کے سر کو آہستہ آہستہ سہلا کر اسے سلا دیا۔

اس کی امی صبح ناظم آباد چلی گئی تھیں۔ دوپہر کو آئیں تو خوش نظر آ رہی تھیں۔ انہوں نے آتے ہی ایک نیلا لفافہ رخسانہ کو دیتے ہوئے کہا۔ "بیٹی اللہ تم پر بڑا مہربان ہے۔ ایک تو مستری چاچا راستے سے ہٹ گئے دوسرے یہ خط لندن سے آیا ہے۔"

رخسانہ نے اس لفافے کو لے کر دیکھا۔ اس کے اوپر کی تحریر پڑھی پھر اس نے پوچھا۔ "یہ تو جمشید نے لکھا ہے۔ آپ کو کیسے ملا؟ اس میں ہمارے گھر کا پتا نہیں ہے۔"

"یہ فرزانہ کے پاس آیا تھا۔ تم دونوں کی کوئی سہیلی ہے اس نے یہ خط فرزانہ کو دیا۔ فرزانہ کی امی اسے لے کر ناظم آباد آئی تھیں۔ مجھ سے پوچھ رہی تھیں کہ اس خط میں کیا لکھا ہے؟ اگر ہماری کوئی پرائیوٹ بات ہو گی تو ہم انہیں کیوں بتائیں۔ ذرا اسے کھول کر پڑھو تو سہی۔"

رخسانہ نے لفافہ چاک کر کے خط نکالا اور پڑھنے لگی۔

رخسانہ! میں بہت دیر سے یہ کاغذ سامنے رکھ کر سوچ رہا ہوں کہ تمہیں کس انداز سے مخاطب کروں۔ میرے دل میں تمہارے لیے جو محبت کے جذبات ہیں وہ مجھے اکسا رہے ہیں کہ کوئی محبت بھرا انداز تخاطب ہو پھر ڈرتا ہوں کہ تمہیں برا نہ لگے۔ ایک بار مذاق ہی مذاق میں' میں نے تمہارا چہرہ بگاڑ دیا۔ میں تمہارا مجرم ہوں۔ یہ بات میں کبھی نہیں بھولتا۔

تم اور فرزانہ ایسی ریزرو رہنے والی لڑکیاں تھیں کہ کالج میں کوئی بھی منچلا نوجوان تم دونوں کو چھیڑنے کی جرات نہیں کرتا تھا۔ میں نے چپ چاپ خطوں کے ذریعے چھیڑنے کی کوشش کی اور ناکام رہا۔ اب میں تمہارے کسی کام آ کر تمہارا دل جیت لینا چاہتا ہوں تمہارا جو نقصان کیا ہے اس کی تلافی کر کے تم سے معافی مانگ کر تمہیں حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ تم پرائی نہ ہو گئی ہو۔ کہیں تمہارے والدین نے تمہاری شادی نہ کر دی ہو اگر تمہیں ایک اچھا جیون ساتھی مل چکا ہے تو میرے اس خط سے ظاہر ہونے والی بے تکلفی کو معاف کر دینا اگر اب تک بن بیاہی ہو تو تمہاری تمنا کرتا رہوں گا۔

دیکھو میں کام کی بات چھوڑ کر فضول باتیں کیے جا رہا ہوں۔ اصل بات کی طرف آتا ہوں۔ یہاں لندن میں ڈاکٹر بننے کے لیے آیا تھا۔ تمہاری خاطر پلاسٹک سرجری کی طرف زیادہ توجہ دینا چاہتا تھا لیکن میرا سارا خاندان کاروباری ذہنیت رکھنے والا ہے۔ میرے والد مجھے پہلے بھی ڈاکٹر نہیں بنانا چاہتے تھے وہ مجھے ایک بہت بڑے کاروباری کی حیثیت سے دیکھنا چاہتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہاں آ کر میں نے کاروبار شروع کر دیا اس کے باوجود تمہاری صورت ہر دم نگاہوں کے سامنے رہتی ہے۔ میں نے ایک بہت بڑے پلاسٹک سرجری کے ماہر سے رابطہ قائم کیا ہے۔ اس سے باتیں کی ہیں۔ معاملات طے کیے ہیں اب تم کسی وقت بھی یہاں آ جاؤ تو تمہارے چہرے کی سرجری ہو جائے گی۔ تمہارا خوبصورت چہرہ تمہیں واپس مل جائے گا۔

اگر تم برا نہ مانو تو میں یہ کہنے کی جرات کرتا ہوں کہ تمہارے لندن تک آنے اور واپس جانے، یہاں رہنے اور علاج کرانے کے تمام اخراجات میں برداشت کروں گا۔ اس سلسلے میں تمہاری خودداری کو ٹھیس نہیں پہنچنا چاہیے کیونکہ میں تمہارا علاج کرانے کا حق رکھتا ہوں جو غلطی میں نے کی ہے اس کی تلافی کا موقع مجھے ملنا چاہیے۔ میں تم سے التجا کرتا ہوں کہ اس سلسلے میں اپنے والدین کو یا پھر شادی ہو چکی ہے تو اپنے مجازی خدا کو راضی کر لو۔ ان سے میرا غائبانہ تعارف کراؤ۔ میرے خلوص کا انہیں یقین دلاؤ۔ میرا پتا لکھا ہوا ہے۔ یہ خط پڑھتے ہی اپنے مکمل حالات سے آگاہ کرو اور لکھو کہ کب آ رہی ہو۔ میں تمہارے متعلق بہت کچھ جاننے کے لیے بے تاب ہوں۔ امید ہے خط پڑھتے ہی جواب لکھنے بیٹھ جاؤ گی۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔

فقط

"تمہارا مجرم جمشید علی!

اس کی امی نے پوچھا۔ "بیٹی کیا لکھا ہے؟ چہرہ ٹھیک ہو جائے گا نا؟"

رخسانہ خوشی سے کھل رہی تھی۔ وہ خط اپنی ماں کی طرف بڑھا کر خیالوں میں کھو گئی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا ابھی اڑ کر لندن پہنچ جائے اور دوسرے دن صبح ہونے تک جانی کے سامنے مکمل چہرے کے ساتھ پہنچ جائے پھر اسے پتا چلے گا کہ اس کی بیوی کتنی حسین ہے۔

اس کی امی نے خط پڑھنے کے بعد آہستگی سے کہا۔ "بیٹی! تم نے مجھے پہلے نہیں بتایا

کہ یہ لڑکا جمشید تمہیں اتنا چاہتا ہے اور تم سے شادی بھی کرنا چاہتا تھا۔"

"جب میرا چہرہ بگڑ گیا تب پتا چلا کہ وہ مجھے چاہتا ہے۔ اس وقت بھی میں خوش فہمی میں مبتلا تھی۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں آدھے چہرے والی بن کر رہ جاؤں گی۔ اسی لیے میں نے جمشید کو کوئی لفٹ نہیں دی بعد میں حالات جیسے جیسے بگڑتے گئے اور رشتے لانے والے منہ پھیر کر جاتے رہے تب مجھے احساس ہوا کہ میں نے خوامخواہ جمشید کو ٹھکرا دیا۔ مگر وہ تو لندن جا چکا تھا۔ اس کا پتا بھی میرے پاس نہیں تھا اس لیے میں رابطہ قائم نہ کر سکی اور یہ اچھا ہی ہوا امی، اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے بھی اچھا شوہر دے دیا۔"

اس کی امی نے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "ہائے بیٹی! یہ کیا کہہ رہی ہو کہاں جمشید اور کہاں جانی۔ کہاں راجہ بھوج اور کہاں گنگو تیلی۔ وہ اتنا بڑا مالدار لڑکا، اس کے خط سے پتا چلتا ہے کہ اس کا سارا خاندان پیسے والا ہے۔ وہ اتنا امیر کبیر ہے کہ تمہارے پورے اخراجات برداشت کرنا چاہتا ہے۔ یہاں سے لندن جانا، وہاں رہنا، وہاں کے اخراجات پھر واپس آنا کوئی معمولی بات تو نہیں ہے، لاکھوں روپے خرچ ہو جائیں گے۔"

رخسانہ ان کی باتیں سن رہی تھی اور انہیں غصے سے دیکھ رہی تھی۔ جب بات ختم ہو گئی تو غصے سے بولی۔ "امی! جانی آپ کے ساتھ بدتمیزی کرتے ہیں تو کچھ برا نہیں کرتے جب آپ انہیں دوسروں سے کمتر سمجھتی ہیں تو وہ بھلا آپ کو برتر کیوں سمجھیں گے، آپ کو اتنا بھی خیال نہیں ہے کہ میرے سامنے میرے ہی شوہر کو دوسرے کے مقابلے میں کمتر کہہ رہی ہیں۔ اب میں آپ کو کیا کہوں۔ کہوں گی تو گستاخی ہو گی۔"

"لو بھلا سونے کو سونا اور پیتل کو پیتل کہا تو کیا غلط کہہ دیا؟ چلو تمہیں برا لگتا ہے تو نہیں کہوں گی۔ جانی لاکھوں میں ایک ہے وہی تمہیں لندن جانے اور علاج کرانے کے لیے لاکھوں روپے دے گا۔"

"آپ طعنے نہ دیں، ہم میاں بیوی محنت کریں گے لاکھ ڈیڑھ لاکھ روپے جمع ہو جائیں گے تو میں یہاں سے تنہا جاؤں گی۔ آپ بچے کو سنبھالیں گی پلاسٹک سرجری کے بعد میں جلد سے جلد واپس آنے کی کوشش کروں گی۔"

"بیٹی! کچھ عقل کے ناخن لو۔ ایک لڑکا وہاں لندن میں بیٹھا ہوا ہے۔ وہ تمہارا مفت علاج کرانا چاہتا ہے۔ تمہارے کام آنا چاہتا ہے۔ تمہیں تو فوراً ہی یہاں سے جانے کی

تیاری کرنا چاہیے کیا تم اپنے چہرے کو مکمل نہیں کرنا چاہتیں؟"

"کیوں نہیں چاہتی۔ میرا دل چاہتا ہے ابھی، اسی وقت یہاں کھڑے کھڑے مکمل ہو جاؤں۔"

"میں دنیا دیکھ چکی ہوں اور ابھی تمہیں بہت کچھ دیکھنا ہے۔ میری عقل سے کام لو۔ اپنا کام نکالنے کے لئے اپنا فائدہ حاصل کرنے کے لئے، اپنی بگڑی بنانے کے لیے اگر تھوڑا سا جھوٹ بول کر ایک ذرا سا دھوکا دے کر اپنا کام نکل سکتا ہے تو ضرور نکالنا چاہیے۔"

رخسانہ نے انہیں گہری اور چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر پوچھا۔ "آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟"

"تم میری بات مانو تو یہ راز میرے اور تمہارے درمیان رہے گا۔ جانی کو اس کی خبر نہیں ہوگی۔ تم جمشید کو لکھ دو کہ ابھی تمہاری شادی نہیں ہوئی ہے اور تم علاج کے لئے وہاں پہنچنے والی ہو۔ بس پاسپورٹ وغیرہ بننے کی دیر ہے۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ کیا میں اپنے اور جانی کے رشتے سے انکار کر دوں؟"

"مصلحت یہی ہے۔ دیکھو وہ جو لندن میں بیٹھا ہوا ہے۔ وہ تمہارے حالات سے واقف نہیں ہے، تمہیں کنواری، بن بیاہی سمجھ رہا ہے۔ اس نے اپنے دل و دماغ میں تمہارے متعلق جانے کیسی کیسی باتیں سوچ رکھی ہوں گی۔ کیسے کیسے خواب دیکھے ہوں گے اگر تم اسے لکھ دو گی کہ تمہاری شادی ہو گئی ہے اور تم ایک بچے کی ماں بن گئی ہو تو اس کے تمام خواب چکنا چور ہو جائیں گے۔ وہ جس جذبے سے تمہارے کام آنا چاہتا ہے وہ جذبہ سکڑ سمٹ کر نہ ہونے کے برابر رہ جائے گا پھر وہ تمہارے ایسے کام نہیں آئے گا جیسا کہ اب آنا چاہتا ہے۔"

"امی! آپ کی تقریر ختم ہو گئی ہو تو زبان بند کر لیں۔ ایک بار جھوٹ بول کر جانی کو دھوکا دے کر شادی کرائی تو اس کا نتیجہ میں اب تک بھگت رہی ہوں۔ آپ مجھے پھر وہی جھوٹ اور دھوکا سکھا رہی ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کیسی کیسی باتیں سوچتی ہیں۔ خدا کے لیے اپنی زبان بند رکھیں اگر بولنے کا اتنا ہی شوق ہے تو گھر جا کر ابا سے بولتی رہیے۔ اتنی بڑی دنیا میں ایک ان کا ہی حوصلہ ہے کہ آپ کی باتوں پر چلتے آرہے ہیں۔"

"میں تو تمہارے بھلے کو کہہ رہی ہوں۔ دیکھ لینا لاکھ، ڈیڑھ لاکھ جمع کرتے کرتے تم بوڑھی ہو جاؤ گی۔ باقی آدھے چہرے پر بھی جھریاں پڑ جائیں گی۔ تمہارا بچہ جوان ہو جائے گا۔ وہ اپنے دوستوں میں، اپنی سوسائٹی میں تمہیں اپنی ماں کہتے ہوئے ہچکچائے گا۔ اس وقت تمہیں میری باتیں سمجھ میں آئیں گی۔" یہ کہہ کر وہ باہر نکل گئیں۔

رخسانہ کمرے کے اندر آکر بستر کی طرف دیکھنے لگی۔ جانی اپنے بیٹے کو ایک ہاتھ سے سمیٹے گہری نیند سو رہا تھا۔ باپ بیٹے کو دیکھ کر وہ خوشی سے مسکرانے لگی۔ وہاں سے آہستہ آہستہ چلتے ہوئے آئینے کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی وہاں آدھا چہرہ نظر آرہا تھا۔ جا بجا چھوٹی چھوٹی پٹیوں نے باقی آدھے چہرے کے عیب کو چھپا لیا تھا۔ اگر وہ پٹیاں نہ ہوتی تو چہرہ بہت ہی بھیانک لگتا۔ اس کے کانوں میں اپنی امی کی آواز گونجنے لگی۔ "جب تمہارا بیٹا جوان ہوگا تو اپنے دوستوں میں اور سوسائٹی میں تمہیں اپنی ماں کہتے ہوئے ہچکچائے گا۔ تم پیسے جمع کرتے کرتے بوڑھی ہو جاؤ گی مگر اپنے بگڑے ہوئے چہرے کو نہیں بنا سکو گی۔"

اس نے اپنے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ لیے تاکہ ماں کی آواز سنائی نہ دے حالانکہ وہ اب بول نہیں رہی تھیں۔ رخسانہ نے اپنے کانوں سے ہاتھ ہٹا کر اپنے آدھے چہرے پر ہاتھ رکھ لیا۔ آدھے چہرے کو آئینے سے بھی چھپا لیا مگر وہ ساری زندگی آدھے چہرے پر ہاتھ رکھ کر اپنے عیب کو نہیں چھپا سکتی تھی۔ اس نے بہت ہی فکر مند ہو کر سوچا، اس سرجری کے سلسلے میں کیا اخراجات ہوں گے؟ جتنی بھی رقم لگے گی میں کتنے عرصے میں جمع کر سکوں گی؟

پھر اس کی امی کی آواز کانوں میں گونجنے لگی۔ "تم نادان ہو۔ وہاں تمہارے لیے لاکھوں روپے رکھے ہوئے ہیں۔ جمشید تمہارے کام آنا چاہتا ہے اور تم یہاں پیسے جمع کرنے کی فکر کر رہی ہو۔ بس ایک ذرا سا جھوٹ، ایک ذرا سا دھوکا پھر تمہارا چہرہ مکمل ہو جائے گا تم حسن کو جیت لو گی اور حسن کے ساتھ جانی کو بھی ہمیشہ کے لیے اپنا لو گی۔ یہ دھڑکا نہیں رہے گا کہ فرزانہ کبھی اسے چھین کر لے جائے گی۔ تمہارے سامنے فرزانہ بھی پھیکی پڑ جائے گی بشرطیکہ تم میٹھی بننے کی کوشش کرو اور اس کے لیے تھوڑا سا، تھوڑا سا..... تھوڑا سا دھوکا....."

وہ پریشان ہو کر آئینے کے پاس سے ہٹ گئی۔ تیزی سے چلتی ہوئی کمرے سے باہر

آئی پھر برآمدے سے گزرتے ہوئے اماں کے پاس آکر زینے پر بیٹھ گئی۔ ان کے گھٹنوں کو تھام کر کہا۔ "امی! میری سمجھ میں نہیں آتا۔ میں کیا کروں، مجھے جلد سے جلد پیسے جمع کرنے چاہئیں۔ آپ سچ کہتی ہیں۔ عمر گزرتی جائے گی تو بڑھاپے میں چہرے کی پلاسٹک سرجری کیا کراؤں گی؟ اس وقت آج جیسی تازگی نہیں رہے گی۔"

"تم تازگی کی بات کر رہی ہو۔ ایک مرد کی نظروں سے دیکھو۔ تم سے زیادہ فرزانہ میں تازگی نظر آئے گی اس لیے کہ وہ ابھی کنواری ہے۔ کمینی شادی بھی نہیں کرتی۔ کر لیتی تو ایک دو بچوں کی ماں بن جاتی تو سارا قصہ ختم ہو جاتا۔"

"میں یہی کہنا چاہتی ہوں کہ رقم جمع کرنے میں دو چار سال لگ جائیں گے۔ اس عرصے میں فرزانہ نے جانی کو اپنے پیچھے دوڑانا شروع کر دیا یا اس کی نیت خراب ہو گئی اور وہ جانی کو مجھ سے چھین لینے پر آمادہ ہو گئی، تب کیا ہو گا؟ میں تو آدھی ہوں، آدھی ہی رہ جاؤں گی۔ جب وہ مجھ سے چھن جائیں گے تو میں کس کے لیے چہرے کو مکمل کروں گی۔"

"یہی عقلمندی سے سوچنے کی بات ہے جو کام آج ہو سکتا ہے اسے کل پر نہیں ٹالنا چاہئے۔ میں نے جو تمہیں مشورہ دیا ہے۔ وہ ایک محبت کرنے والی ماں کا مشورہ ہے۔ کسی دشمن کا نہیں ہے۔ میں تو تمہارا گھر آباد کرنے کے لئے، تمہارے شوہر کو مضبوطی سے باندھ کر رکھنے کے لئے جھوٹ بولنے کے لیے کہہ رہی ہوں۔ کسی کو ذرا چھپ کر دھوکا دے دو گی تو ادھر جانی کو پتا نہیں چلے گا ادھر وہ جمشید علی خوش فہمی میں مبتلا رہے گا۔"

"میں اسے کب تک خوش فہمی میں مبتلا رکھ سکتی ہوں؟"

"جب تک وہ رہے۔ تمہیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ تمہاری شادی ہوئی ہے۔ تم اسے خط میں لکھ دو کہ جلد سے جلد آنا چاہتی ہو۔ پاسپورٹ وغیرہ بننے کی دیر ہے۔ شرط یہ ہے کہ وہ تم سے تمہارے حالات زندگی نہ پوچھے اور نہ ہی تمہارے ماضی کے متعلق کچھ کریدنے کی کوشش کرے۔ تم اس کے پاس پراسرار بن کر رہنا جو لڑکیاں ریزرو رہتی ہیں۔ اپنے ماضی کو دوسروں سے چھپا کر رکھتی ہیں اپنے گھریلو حالات بھی کسی پر ظاہر نہیں کرتیں اور اپنے ذاتی معاملات کی ہوا بھی کسی کو لگنے نہیں دیتیں وہ لڑکیاں ایک دلچسپ راز بن کر رہتی ہیں اور مرد ایسی لڑکی کے پیچھے دیوانہ وار بھاگتے رہتے ہیں اور بڑی دلچسپی سے ان کے حالات معلوم کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔"

"میری زندگی کی پہلی اور آخری خواہش یہی ہے کہ صرف جانی میری ذات سے دلچسپی لیتے رہیں۔ جمشید یا کوئی اور مجھ میں دلچسپی لے تو یہ میرے لیے کوئی فخر کی بات نہیں بلکہ شرم کی بات ہے۔"

"تم پھر جذباتی بن کر سوچ رہی ہو۔ میں کب کہتی ہوں کہ کوئی دوسرا تم میں دلچسپی لے۔ کیا میں تمہیں کسی غلط راستے پر لگا رہی ہوں۔ کیا میں یہ کہتی ہوں کہ تم جانی کو چھوڑ کر جمشید سے شادی کر لو؟"

"آپ جانی سے ہٹا کر جمشید کے راستے پر چلانا چاہتی ہیں۔"

"صرف چند دنوں کے لیے، چند مہینوں کے لیے، جب تک تمہارے چہرے کی سرجری ہو جائے گی۔ تمہارا چہرہ تمہیں واپس مل جائے گا تو تم واپس چلی آنا۔ میں تمہیں جانی سے نہیں چھڑا رہی ہوں یہ تو معاملہ فہمی کی بات ہے۔ مصلحت اندیشی بھی کوئی چیز ہوتی ہے تم میری باتوں کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ پہلے جانی سے بات کرو لیکن اس سے خط کا ذکر نہ کرو۔ ہم اس سے کہیں گے کہ تمہارے رشتے کے چچا نے تمہارے چہرے کی سرجری کرانے کی پیش کش کی ہے جانی سے معلوم کرو کہ وہ تمہارے لندن جانے، آنے اور علاج کے اخراجات کس حد تک برداشت کر سکتا ہے، ادھر تم میرے مشورے پر غور کرتی رہنا۔"

وہ سر جھکا کر سوچنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد چونک کر بولی۔ "یہ خط فرزانہ کی امی آپ کے پاس لے کر آئی تھیں۔"

"ہاں، وہ کہہ رہی تھیں کہ تم دونوں کی کوئی سہیلی ہے جو جمشید کی کزن لگتی ہے اس کے پاس یہ خط آیا تھا۔ فرزانہ وہیں سے یہ لفافہ لے کر آئی ہے۔"

"امی، فرزانہ نے جمشید کی کزن کو ضرور بتایا ہو گا کہ میری شادی ہو چکی ہے اور میں ایک بچے کی ماں بن چکی ہوں۔"

اس کی امی نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد کہا۔ "ایسا ہو سکتا ہے میں ابھی جاتی ہوں اور معلوم کرتی ہوں اگر ان لوگوں نے نہیں بتایا ہے تو میں انہیں سختی سے منع کر دوں گی کہ ہمارے معاملات دوسروں کو نہ بتائیں نہ ہی ہمارے سلسلے میں کسی سے ذکر کریں۔"

تھوڑی دیر بعد وہ فرزانہ کے گھر چلی گئیں۔ رخسانہ کمرے میں آ کر ایک کرسی پر بیٹھ

گئی۔ شام کو جانی کی آنکھ کھلی تو وہ کھلی آنکھوں سے چھت کو تکتا رہا اور فرزانہ کے متعلق سوچتا رہا۔ اسی کو یاد کرتے کرتے آنکھ لگتی تھی اور اسی کے خیال سے آنکھ کھلتی تھی۔ دیوانگی تھی کہ روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔ یوں کہنا چاہئے کہ فرزانہ بھی اس کی دیوانگی کو ہوا دے رہی تھی۔ پچھلی سیٹ پر پھولوں کی تر و تازہ پتیاں بکھیر کر پیغام دیا تھا کہ میں تمہاری محبت میں ابھی تک تازہ دم ہوں۔ مجھے کہیں سے ڈھونڈ نکالو۔ ہوش مندی کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔ ورنہ وہ اپنے بالوں کو نوچ کر کپڑے پھاڑتے ہوئے چیختے چلاتے اس کی تلاش میں نکل پڑتا۔ ہائے فرزانہ ہائے فرزانہ۔

ادھر وہ بستر پر پڑا آنکھیں کھولے سوچ رہا تھا۔ ادھر رخسانہ اس کے قریب ہی کرسی پر بیٹھی اپنی سوچوں میں گم تھی۔ نہ اس کو پتا چلا کہ وہ بیدار ہو چکا ہے اور نہ اس بیدار ہونے والے کو دنیا کی خبر تھی دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گم تھے انسان واقعی پورا پورا ایماندار نہیں ہوتا۔ یہ انسانوں کی بہت بڑی ٹریجڈی ہے۔

وہ دونوں، محبت کرنے والا دل رکھتے تھے۔ رخسانہ جانی کو دل و جان سے چاہتی تھی۔ کبھی آزمائش کی گھڑی میں اس کے لئے جان بھی قربان کر سکتی تھی یہی بات جانی پر صادق آتی تھی۔ وہ رخسانہ اور بچے کی خاطر بڑی سے بڑی قربانیاں دے سکتا تھا۔ اس کے باوجود وہ رخسانہ سے چھپ کر فرزانہ کے متعلق سوچتا تھا اور اب رخسانہ جانی سے چھپ کر جمشید کے متعلق سوچ رہی تھی۔ وہ جانی کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانے کے لیے نہیں صرف اپنی بگڑی بنانے کے لئے ذرا سے دھوکے کی بات سوچ رہی تھی ادھر جانی بھی رخسانہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا تھا مگر اپنے عشق کے جنون کو سرد کرنے کے لئے فرزانہ کے متعلق سوچ رہا تھا۔ دونوں ایماندار تھے اور دونوں بے ایمان تھے۔

اچانک ہی بچہ رونے لگا۔ زنجیر کی دو کڑیاں ایک دوسرے سے دور رہنے کے باوجود بیچ کی ایک کڑی سے منسلک رہتی ہیں۔ بیچ کی کڑی ہلتی ہے تو پوری زنجیر ہلنے لگتی ہے وہ دونوں ہی چونک گئے۔ جانی بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ رخسانہ کرسی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی پھر جانی کو دیکھ کر بولی۔ “ارے آپ جاگ رہے ہیں۔”

جانی نے بھی حیرانی سے پوچھا۔ “اچھا تم کمرے ہی میں موجود تھیں۔”

وہ بچے کو اٹھا کر بہلانے لگی۔ جانی نے کہا۔ “ہم پاس پاس تھے مگر ایک دوسرے

کو دیکھ نہیں سکے۔ میں تو سوچ میں گم تھا۔ تم کیا سوچ رہی تھیں؟”

“ایں؟” وہ بچے کو سنبھالنے کی مصروفیت کا بہانہ کرتے ہوئے اپنے چہرے کے تاثرات کو چھپانے کی کوشش کرنے لگی پھر پلٹ کر سوال کیا۔ “یہی میں پوچھتی ہوں تم کس کے خیال میں کھوئے ہوئے تھے؟”

اس بار وہ گڑبڑا گیا پھر جلدی سے سنبھل کر بولا۔ “میں بے چارے مستری چاچا کے متعلق سوچ رہا تھا۔ ان کی بیوی بہت رو رہی تھی۔ کل دن کے وقت جب وہ گھر سے نکلے تو ان کی بیگم سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ وہ واپس نہیں آئیں گے۔ کہتے ہیں کہ دنیا میں میدان جنگ ایسی جگہ ہے جہاں سب سے زیادہ موتیں ہوتی ہیں۔ میں کہتا ہوں کراچی کی سڑکوں پر سب سے زیادہ موت کی چہل پہل ہوتی ہے۔ اس شہر کی کوئی عورت یقین سے نہیں کہہ سکتی کہ اس کا مرد جو صبح جا رہا ہے وہ شام کو لوٹ آئے گا۔”

رخسانہ نے جلدی سے اس کے ہاتھ کو تھام لیا۔ “جانی، ایسا مت کہو، مجھے ڈر لگتا ہے۔ خدا تمہیں ہمارے سر پر ہمیشہ سلامت رکھے تم سے پہلے میری آنکھیں بند ہوں۔ چلو اب منہ ہاتھ دھو لو۔ تم نے صبح سے کچھ نہیں کھایا ہے۔ میں چائے تیار کرتی ہوں۔”

“یہ کوئی کھانے کا وقت نہیں ہے۔ رات کو میں چنا جور لے کر آیا تھا۔ وہ گاڑی میں رکھا ہوا ہے۔ بس وہ کھا کر چائے پی لوں گا۔”

“تو پھر بچے کو سنبھالو۔ میں چائے تیار کرتی ہوں۔”

اسی وقت مغرب کی اذان ہونے لگی۔ جانی نے مسکرا کر کہا۔ “اب چائے کیسے بناؤ گی تمہیں تو نماز پڑھنا ہے۔”

“تھوڑی دیر صبر کر لو۔ مغرب کی نماز بہت مختصر ہوتی ہے۔”

“ضرور صبر کروں گا۔ تم نماز پڑھنے لگی ہو۔ یہ دیکھ کر دل خوش ہو جاتا ہے میں ابھی تمہیں انعام دوں گا۔ چلو اٹھو۔”

وہ بچے کو لے کر اٹھ گیا۔ رخسانہ بھی مسکراتے ہوئے اس کے ساتھ باورچی خانے کی طرف چلتے ہوئے بولی۔ “کیا انعام دو گے؟”

“آج میں تمہارے لیے چائے تیار کروں گا۔ جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ گی تو تمہارے سامنے چنا جور اور چائے حاضر ہوگی۔”

وہ خوشی سے کھل گئی۔ جانی کے بازو کو تھام کر باورچی خانے تک آئی پھر ایک جگ میں پانی لے کر باورچی خانے کی موری کے پاس وضو کرنے بیٹھ گئی۔ وضو کے دوران وہ سوچ رہی تھی کہ اسے کس قدر محبت کرنے والا شوہر ملا ہے وہ ابھی آدھی ہے تو اتنی محبت مل رہی ہے جب پوری ہو جائے گی تو جانی اس کا دیوانہ بن کر رہے گا۔

اپنے آپ کو مکمل کرنے کا خیال آیا تو اس کے ساتھ ہی جمشید کا خیال آیا اس کے اندر ایک بے چینی پیدا ہو گئی۔ وہ ہرگز ہرگز جانی کو دھوکا دینا نہیں چاہتی تھی۔ اس سے جھوٹ بولنا نہیں چاہتی تھی مگر حالات مجبور کر رہے تھے اور حالات سے زیادہ اس کی امی مجبور کر رہی تھیں اسے مصلحت اندیشی سکھا رہی تھیں اسے یہ اہم نکتہ سمجھا رہی تھیں کہ پلاسٹک سرجری جیسا مہنگا علاج صرف جمشید ہی کرا سکتا ہے اور جمشید سے اپنا کام نکالنے کے لئے جانی سے کچھ عرصے تک کچھ باتیں چھپانی ہوں گی۔ بات چھپانے کا مطلب یہ تو نہیں ہوتا کہ شوہر کے اعتماد کو دھوکا دیا جا رہا ہے دھوکا اس وقت ہوتا ہے جب عورت مرد سے سچی محبت نہ کرے اس کی وفادار نہ رہے۔ وہ تو وفادار بھی تھی اور اس کے سوا کسی اور کو دل میں جگہ نہیں دے سکتی تھی پھر ذرا سی بات چھپا لینے میں حرج کیا تھا؟

وضو کس طرح ہوا اسے پتا ہی نہ چلا وہ خیالوں میں گم ہو کر کمرے کے اندر آئی پھر جاء نماز بچھا کر نماز کے لیے باادب کھڑی ہو گئی' انسان اپنے ماحول کا اسیر ہوتا ہے جس ماحول میں نماز پڑھتا ہے۔ اسی کے مطابق باتیں سوچتا ہے' اگر وہ عربی زبان جانتا ہے۔ آیتوں کے ترجمے کو اچھی طرح سمجھتا ہے اور یاد رکھتا ہے تو نماز پڑھنے کے دوران اس کا دھیان پوری طرح عبادت کی طرف ہوتا ہے جب وہ کہتا ہے **اياك نعبدو اياك نستعين** یعنی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ اور پھر کہتا ہے **اهدنا الصراط المستقيم**۔ ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔ تو یہ باتیں سمجھ کر بولی جاتی ہیں لہٰذا ان پر عمل کرنے کی بھی توفیق حاصل ہوتی ہے لیکن رخسانہ پڑھ رہی تھی۔ سمجھ نہیں رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ سے کہہ رہی تھی۔ "اے معبود' سیدھے راستے پر چلا" اور اس کے سامنے دو راستے تھے۔ ایک راستہ جانی کی طرف جاتا تھا دوسرا جمشید کی طرف۔ ایک سیدھا راستہ تھا اور ایک ٹیڑھا اور اللہ سے دعا مانگنے اور التجا کرنے کے باوجود وہ سیدھا راستہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

کیوں سمجھ میں نہیں آ رہا تھا؟ اس لیے کہ جب اپنی بات اچھی لگتی ہے' اپنی خواہش سب سے زیادہ اہم لگتی ہے تو اس اہمیت کے آگے تمام سیدھے راستے نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ ان کے متعلق آسمانی ہدایات بھی بے معنی اور غیر ضروری لگتی ہیں۔ یہ ہماری نفسیات بن گئی ہے کہ ہم خدا سے پہلے اپنی ضرورت پوری کرانا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد سیدھے رستے پر چلنا چاہتے ہیں۔ پہلے وہ جمشید سے اپنی بگڑی بنانا چاہتی تھی پھر واپس آ کر جانی کے ساتھ سیدھے راستے پر چلنا چاہتی تھی۔

نماز کس طرح ادا ہوئی یہ پتا نہ چلا۔ وہ پاکستان اور لندن کے درمیان اٹکی ہوئی تھی۔ آخر میں دعا مانگنے کے لیے ہاتھ اٹھائے تو گڑگڑا کر دعا مانگی۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے شرط پیش کی۔ خدایا میری اور جانی کی محنتوں کے ذریعے میرے چہرے کی سرجری ہو جائے تو تیرا بڑا کرم ہو گا اگر ایسا نہ ہوا تو میں بھٹک رہی ہوں۔ میرے آگے اور کوئی راستہ نہیں ہو گا۔ مجھے مجبوراً جمشید کا سہارا لینا ہو گا اور جمشید کا سہارا جانی برداشت نہیں کریں گے اس لیے جانی سے یہ بات چھپانی ہو گی۔ کبھی کبھی مجھے امی کی بات درست لگتی ہے۔ اگرچہ ان باتوں کے پیچھے کھوٹ ہوتا ہے مگر بگڑی بن جاتی ہے۔ جانی کو دھوکا دے کر میں ان کی شریک حیات بن گئی۔ کچھ نقصان اٹھا رہی ہوں اس کے باوجود مجھے ایک اچھی ازدواجی زندگی نصیب ہوئی ہے۔ دوسری بار پھر امی ایسا ہی راستہ دکھا رہی ہیں اور میں جانتی ہوں' اس بار بھی میری بگڑی بن جائے گی۔ تجھ سے اتنی التجا کرتی ہوں کہ میں جمشید کی پیش کش کو قبول کروں تو جانی پر یہ بھید نہ کھلے۔ میں عہد کرتی ہوں کہ جانی کے اعتماد کو دھوکا نہیں دوں گی۔ کبھی جمشید کو اتنا موقع نہیں دوں گی کہ وہ میری انگلی بھی پکڑ سکے۔ تو جانتا ہے میں شرم والی ہوں اور تو بھی تو اپنے بندوں کی شرم رکھنے والا ہے۔"

دعا مانگنے کے دوران اسے اپنے پیچھے جانی کی آواز سنائی دی۔ "بھئی تم نے تو کہا تھا کہ مغرب کی نماز مختصر ہوتی ہے۔ یہاں چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔ آ بھی جاؤ۔"

اس نے منہ پھیر کا جاء نماز کو ایک طرف تھوڑا سا الٹ دیا پھر مسکراتے ہوئے اٹھ گئی۔ میز پر چنا جور کی پلیٹ اور چائے کی دو پیالیاں رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تم نے تو کمال کر دیا۔ مجھے شرمندہ بھی کیا۔ آج پہلی بار میرے لیے چائے بنائی ہے۔"

"یہ بتاؤ دعا کیا مانگ رہی تھیں؟"

اس نے نظریں چراتے ہوئے کہا "اپنے چہرے کو مکمل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے آگے گڑگڑا رہی تھی کہ عزت و آبرو سے چہرہ واپس مل جائے۔"

"یہ عزت و آبرو والی بات سمجھ میں نہیں آئی بھئی ہم پیسے جمع کریں گے اور ڈاکٹر کو اس کی فیس دیں گے وہ چہرہ بنائے گا۔ بے عزتی تو نہیں کرے گا۔"

"اپنے پیسوں سے چہرہ بن جائے تو اچھی بات ہے ورنہ کسی کی امداد حاصل کرنی پڑے تو عزت ہلکی ہوگی۔"

وہ بولا۔ "بھلا ہم کیوں کسی کی امداد حاصل کریں گے؟ میرے ہاتھ پاؤں چلتے ہیں۔ تم بھی ماشاء اللہ ذہین ہو۔ لیڈی ڈاکٹر ہو۔"

"یہ تو ٹھیک ہے مگر پیسے جمع کرنے میں کتنے ہی سال گزر جائیں گے۔ ابھی امی کہہ رہی تھیں کہ ہمارے رشتے کے ایک چچا لندن میں رہتے ہیں۔ انہوں نے کسی سے کہلا بھیجا ہے کہ وہ پلاسٹک سرجری کرا سکتے ہیں بشرطیکہ میں لندن پہنچ جاؤں وہ آنے جانے کے بھی اخراجات برداشت کرنا چاہتے ہیں۔"

جانی نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "نہیں۔ نہیں' یہ کچھ اچھا نہیں لگتا جب میں کماتا ہوں تو میری بیوی کو کسی دوسرے کا محتاج نہیں ہونا چاہئے۔ تم ذرا حساب لگا کر دیکھو بینک میں تمہاری رقم کتنی ہے۔ ہماری دو ٹیکسیاں ہیں ایک کو بیچ کر رقم حاصل کر سکتے ہیں۔ اس سے بھی پورا نہ پڑے تو میں کچھ زیادہ ہی ٹیکسی چلا لیا کروں گا۔ تم اپنی ڈاکٹری شروع کر دو' ویسے یہ چہرہ بنانے کے لیے کتنی رقم کی ضرورت ہوتی ہے؟"

"میرے اندازے کے مطابق یہاں سے لندن جانے' وہاں رہنے' علاج کرانے اور پھر وہاں سے واپس آنے میں کم سے کم ڈیڑھ لاکھ روپے خرچ ہوں گے۔"

"ڈیڑھ لاکھ روپے۔" اس نے بڑبڑاتے ہوئے سوچتے ہوئے بچے کو بستر پر لٹا دیا پھر میز کے پاس آ کر چنا جور پھانکتے ہوئے بولا۔ "ہماری دونوں گاڑیاں بہت چل چکی ہیں۔ ان میں سے ایک چالیس ہزار تک بک جائے گی۔ تمہارے پاس کتنی رقم ہے؟"

"بینک میں شاید سات ہزار پڑے ہوں گے۔"

"تو اگلے ایک مہینے تک تین ہزار اور ہو جائیں گے یعنی ایک مہینے میں ہمارے پاس

پچاس ہزار روپے نقد ہوں گے۔ میں ہر ماہ تمہیں تین ہزار روپے لا کر دیتا ہوں تم دو ہزار روپے بچاتی ہو اگر ڈسپنسری کھول لی تو تمہاری آمدنی سے گھر چلے گا اور پورے تین ہزار روپے ہر ماہ بچا کریں گے۔"

"یوں سوچنا آسان ہے مگر یہ بھی سوچو کہ ڈسپنسری کی چار دیواری تعمیر کرنے' دوائیں لانے فرنیچر بنوانے اور دوسرے اخراجات ایسے ہیں کہ کم سے کم پچیس ہزار روپے خرچ ہو جائیں گے پھر ڈسپنسری میں ہماری توقع کے مطابق مریض آیا کریں گے یا نہیں یہ یقین سے نہیں کہا جا سکتا اور جو پچیس ہزار روپے ہم خرچ کر چکے ہوں گے انہیں واپس کمانے کے لئے پھر سال بھر لگ جائے گا یعنی ایک سال کے بعد ہمارے پاس پچاس ہزار روپے جمع ہوں گے باقی ایک لاکھ روپے کا کیا ہوگا؟"

"ہم دونوں محنت کرتے رہیں گے تو انشاء اللہ چار یا پانچ سال کے عرصے میں ایک لاکھ روپے جمع ہو جائیں گے۔"

"جانی سوچنا بہت آسان ہے مگر اتنی بڑی رقم جمع کرنا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ ہمارا بچہ بڑا ہوتا جائے گا۔ اس کے اخراجات بھی بڑھتے جائیں گے پھر دکھ بیماریاں ہیں انجانے حادثات ہیں۔ جمع ہونے والے پیسے کس طرح خرچ ہونے لگتے ہیں۔ یہ خرچ ہونے کے دوران سمجھ میں نہیں آتا' جمع پونجی ختم ہو جاتی ہے۔ تب سوچتے ہیں کہ پونجی کہاں گئی اور ہمیں اس کا حساب نہیں ملتا۔"

وہ چائے پیتے ہوئے اسے حیرانی سے دیکھ رہا تھا پھر پیالی کو میز پر رکھتے ہوئے بولا۔ "تعجب ہے تم خود کہا کرتی تھیں کہ ہم چار پانچ سال میں اچھی خاصی رقم جمع کر لیں گے۔ اب خود ہی مایوس ہو رہی ہو۔ چلو' پانچ سال میں نہ سہی' دس سال میں تو جمع کر لیں گے۔"

"کیا کہتے ہو جانی! دس سال میں میری عمر کیا ہوگی۔ دس سال میں ہمارا بچہ اتنا بڑا ہو گا کہ وہ اپنے دوستوں میں اپنے اسکول میں فخر سے میرا ذکر نہیں کر سکے گا۔ وہ مجھے چھپانے کی کوشش کرے گا۔ جیسے ابھی میں تمہارے ساتھ کہیں نکلتی ہوں تو اپنا چہرہ چھپا کر نکلتی ہوں۔ کیا میرا دل نہیں چاہتا کہ میں دوسری عورتوں کی طرح دنیا والوں کے سامنے تمہارے ساتھ فخر سے چلوں؟"

وہ مسکرا کر بولا۔ "برقع پہننے والیاں اپنا چہرہ چھپا کر اپنے مرد کے ساتھ چلتے ہوئے فخر محسوس کرتی ہیں۔ وہ بھی تو عورتیں ہوتی ہیں۔"

وہ لاجواب سی ہو کر اس کا منہ تکنے لگی پھر بولی۔ "میں برقع پہننے والی عورت نہیں ہوں میرا کیا ہوگا؟"

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے قریب آیا پھر اس کے شانوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ کر بولا۔ "میں نے کبھی یہ حساب نہیں کیا کہ تمہارا چہرہ کہاں سے بگڑا ہے اور کیوں بگڑا ہے اور اگر بگڑا ہے تو یہ بنتا کیوں نہیں ہے۔ میں نے کبھی ضد نہیں کہ اس چہرے کو مکمل ہونا چاہئے۔ کیا اس سے تم نے اندازہ نہیں لگایا کہ میں تمہاری صورت سے نہیں تمہاری سیرت سے پیار کرتا ہوں۔"

"میں تمہاری بات نہیں کرتی زمانے کی بات کرتی ہوں۔ میں زمانے کو منہ نہیں دکھا سکتی۔ بات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ بات صورت دکھانے کی نہیں۔ دنیا کو منہ دکھانے کی ہے۔"

"اگر نہیں دکھا سکتیں تو برقع پہننا شروع کر دو۔ منہ چھپ جائے گا۔ بات ختم ہو جائے گی۔"

"بات اس طرح کبھی ختم نہیں ہوگی میں بغیر چہرے کے نہیں رہ سکتی۔ دنیا کی کوئی چیز ایسی بتا دو جو اپنی شکل و صورت کے بغیر رہ سکتی ہو خواہ وہ انسان ہو یا حیوان یا کوئی بے جان چیز ہو۔ یہ پلیٹ ہے' یہ پیالی ہے' یہ میز ہے' یہ بستر ہے' یہ الماری ہے' یہ دیواریں اور یہ دروازے ہیں ہر ایک کی ایک صورت ہے بغیر صورت کے' بغیر شکل کے کوئی چیز پہچانی نہیں جاتی۔ بغیر صورت شکل کے کسی چیز کا کوئی نام نہیں ہوتا۔ اتنی بڑی دنیا میں اگر کوئی بے چہرہ اور بے تصور ہے تو وہ خدا کی ذات ہے وہ نامعلوم ہو کر بے چہرہ ہو کر بھی بے نام نہیں رہتا اس کے نام کا ڈنکا بجتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی بے چہرہ ہو تو وہ بے نام بھی ہوتا ہے اور ناقابل شناخت بھی۔ یہ قدرتی نظام ہے اور فطری تقاضا ہے۔ اس لیے میں بھی تقاضا کرتی ہوں کہ میرا ایک مکمل چہرہ ہونا چاہئے اور ضرور ہونا چاہئے۔"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہاں سے پلٹ کر کھونٹی کے پاس گیا پھر ٹنگے ہوئے کپڑوں کو اتار کر لباس تبدیل کرنے لگا۔ رخسانہ نے پوچھا۔ "کیا تم باہر جا رہے ہو؟"

"ہاں، سارا دن یونہی ضائع ہو گیا۔ مجھے کمائی کی فکر بھی کرنی ہو گی۔"

"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔"

"تم نے اپنی باتوں سے خود ہی جواب دے دیا۔ تم ہر حال میں اپنا چہرہ مکمل کرنا چاہتی ہو۔ شاید اپنے کسی چچا کی امداد قبول کرنا چاہتی ہو۔ اب تم سے کیا کہوں۔ میں تمہیں اپنے سے زیادہ سمجھدار سمجھتا ہوں پھر بھی اتنا سمجھانا چاہتا ہوں کہ جو کچھ بھی کرو اس سے میری غیرت کو ٹھیس نہ پہنچے۔ اس کے بعد تمہیں ہر طرح کی آزادی ہے۔"

○☆○

جاری

محی الدین نواب

کا عظیم شاہکار **دیوتا**

عصر حاضر کی الف لیلہ۔ اردو زبان کی طویل ترین کہانی

ایک ایسے انسان کی داستان، جو سوچ کی انگلیوں سے دوسروں کے دماغ ٹٹولتا اور لوگوں کو اپنی سوچ کے اشاروں پر نچاتا ہے۔

ٹیلی پیتھی کے ماہر فرہاد علی تیمور کی داستانِ حیات

سسپنس ڈائجسٹ کا مقبول ترین سلسلہ، جو پچھلی چار دہائیوں سے مسلسل شائع ہو رہا ہے اور آج بھی مقبولیت میں پہلے نمبر پر ہے۔

54 واں حصہ تیار ہے

46 ویں حصے سے دیوتا سات رنگ سرورق کے ساتھ آ رہا ہے۔ کاغذ کی گرانی دن بدن بڑھنے کی وجہ سے دیوتا کے 45 ویں حصے سے قیمت میں بھی معمولی اضافہ کیا جا رہا ہے۔

"**دیوتا**" نے اپنی طوالت کی بناء پر دنیا کی طویل ترین کہانیوں کے ریکارڈ توڑ دیے ہیں۔ ڈائجسٹ میں اب تک اس کے ۱۳،۰۰۰ صفحات شائع ہو چکے ہیں، جو عام کتاب کے تقریباً ۵۰،۰۰۰ صفحات ہوتے ہیں۔